ہلاک امریکی فوجیوں کے تابوت لے جائے جا رہے ہیں

نوائے افغان جہاد

ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ — دسمبر ۲۰۱۹ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

”تم اس وقت تک امن سے نہیں رہ سکتے،
جب تک ہم حقیقتاً اپنے ’فلسطین‘ میں
امن کے ساتھ نہ ہوں
اور جب تک امریکی فوجیں
ہماری سرزمینوں سے نکل نہ جائیں!“

محمد سعید الشمرانی رحمۃ اللہ علیہ

فلوریڈا میں امریکی نیول بیس پر حملہ کرنے والے مجاہد کے شہادت سے قبل کلمات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شجاعت کی روح پھونکتے ہیں!

غزوۂ اُحد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں دلیری اور بہادری کی رُوح پھونکتے ہوئے ایک نہایت تیز تلوار بے نیام کی اور فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ اس پر کئی صحابہ تلوار لینے کے لیے لپک پڑے جن میں علیؓ بن ابی طالب، زبیرؓ بن عوام اور عمرؓ بن خطاب بھی تھے، لیکن ابو دجانہ سماک بن خرشہؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کا حق کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے دشمن کے چہرے کو مارو یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔'' انہوں نے کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار انہیں دے دی۔

ابودجانہؓ بڑے جانباز تھے۔ لڑائی کے وقت اکڑ کر چلتے تھے۔ ان کے پاس ایک سرخ پٹی تھی۔ جب اُسے باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے کہ وہ اب موت تک لڑتے رہیں گے۔ چنانچہ جب انہوں نے تلوار لی تو سر پر پٹی بھی باندھ لی اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلنے لگے۔ یہ موقع تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، لیکن اس جیسے موقع پر نہیں۔

(الرحیق المختوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے افغان جہاد

جلد نمبر ۱۲، شمارہ نمبر ۱۱

ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ | دسمبر ۲۰۱۹ء

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے اس بات کی دِلی آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں پھر، زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔'' (صحیح بخاری)

اس شمارے میں

بانی مدیر، حافظ طیب نواز شہید رحمہ اللہ نفاذِ شریعت کی مبارک محنت اور دعوتِ جہاد میں سرگرمِ عمل تھے کہ انہیں پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے اسی جرم کے سبب اولاً گرفتار و لاپتہ کیا اور بعد ازاں ایک جعلی مقابلے میں شہید کر دیا۔

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaiafghan.com

www.nawaiafghan.com

www.nawai.co/Twitter

www.nawai.co/Channel

www.nawai.co/Bot

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

قارئینِ کرام!

عصرِ حاضر کی سب سے بڑی صلیبی جنگ جاری ہے۔ اس میں ابلاغ کی تمام سہولیات اور اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے تمام ذرائع، نظامِ کفر اور اس کے پیروؤں کے زیرِ تسلط ہیں۔ ان کے تجزیوں اور تبصروں سے اکثر اوقات مخلص مسلمانوں میں مایوسی اور ابہام پھیلتا ہے، اس کا سدِ باب کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے افغان جہاد' ہے۔

نوائے افغان جہاد:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- عالمی جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے......اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

تمہارے محلوں پہ آنچ آئے، نہ کیونکر اِن پہ گرے عذاب؟!

اِداریہ

ہم امتِ وسط ہیں۔ ہم اہلِ دنیا کو دنیا کی تنگیوں سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعتوں کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کی نازل کردہ شریعت کا سکہ دنیا پر بٹھائے جانے کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں۔ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے وہ ہمارا بھائی اور جس کی گردن میں فرعونی و ابوجہلی 'سریہ' ہو تو اس کے سر کو شانوں سے اکھیڑنا ہمارا فرضِ منصبی ہے۔

”اے امریکیو! میں تمہارا مخالف محض اس لیے نہیں کہ تم 'امریکی' ہو۔ مجھے تم سے تمہیں میسر ”حریت و آزادی“ کے سبب نفرت نہیں۔ مجھے تم سے اس لیے نفرت ہے کہ تم صرف مسلمانوں ہی کے خلاف نہیں بلکہ پوری انسانیت کے خلاف بھی جرائم کو سہارا دیے ہوئے ہو، اپنے پیسے سے ان جرائم کی کفالت کرتے ہو اور تم ان سب جرائم میں بلاواسطہ شریک بھی ہو۔ میں شر کے خلاف ہوں اور امریکہ من حیث المجموع 'ملتِ شر' بن چکا ہے۔ میں جس امریکہ کو دیکھ رہا ہوں وہ اسرائیل کا حامی و پشتی بان ہے...... وہ اسرائیل جو اہلِ اسلام کی سرزمینوں کو تاراج کر رہا ہے۔ مجھے ایک ایسا امریکہ نظر آ رہا ہے جس کی فوجیں کتنے ہی ممالک پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ مجھے (امریکی آباد کردہ) گوانتاناموبے دِکھ رہا ہے۔ مجھے کروز میزائل، کلسٹر بم اور ڈرون طیاروں کی تباہ کاریاں نظر آ رہی ہیں۔

تمہارے فیصلہ ساز، تمہارے سیاست دان، تمہارے ذہن ساز اور تمہاری سرمایہ دار کمپنیاں تمہاری 'خارجہ پالیسیوں' سے مستفید ہو رہے ہیں...... اور اس سب کی قیمت تم ادا بھی کر رہے ہو اور چکا بھی رہے ہو! اہلِ امریکہ کو اسرائیل کی حمایت کے سبب نقصان اٹھانے کا کیا فائدہ؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ دوسروں پر ظلم ڈھاؤ گے اور خود تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی؟ امریکہ کتنا عرصہ اس پچھتاوے کی جنگ کو جاری رکھ سکتا ہے؟ امریکی 'خزانہ' کھربوں ڈالر خرچ کر کے 'امریکیوں' کو 'امن' کے نام پر ایک سراب 'عطا' کر رہا ہے۔

['امن' ایک 'مساویہ' (equation) ہے] 'امن' ہمارے اور تمہارے بیچ مشترک نسبت ہے۔ تم اس وقت تک امن سے نہیں رہ سکتے، جب تک ہم حقیقتاً اپنے 'فلسطین' میں امن کے ساتھ نہ ہوں اور جب تک امریکی فوجیں ہماری سرزمینوں سے نکل نہ جائیں!“

یہ حریت و حمیتِ اسلام سے مرصع الفاظ بطلِ اسلام 'محمد سعید شمرانی' کے ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ سعید و شہید مجاہد فی سبیل اللہ، محمد سعید شمرانی جس نے امریکی ریاست 'فلوریڈا' میں امریکی نیول بیس کے اندر امریکی فوجیوں کو جہنم واصل کیا، کتنوں کو زندگی بھر کے لیے جسمانی طور پر اپنی گولیوں سے گھائل کیا اور کروڑوں امریکیوں اور ان امریکیوں کے وفاداروں کو ذہنی طور پر 'احساسِ امن' سے محروم کر دیا۔ اس مجاہدِ اسلام کا تعلق رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن 'جزیرۃ العرب' سے تھا، وہ جزیرۃ العرب جس پر ننگِ دین و ننگِ ملت امریکیوں کے پروردہ، 'آلِ سعود' قابض ہیں۔

محمد سعید شمرانی نے قول و عمل سے امتِ مسلمہ کے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کے ماُمورِ خاص، شیخ اسامہ بن لادن کی قیادت میں برپا کردہ جہاد کی تائید کی اور پھر اس دعوائے جہاد و حمایتِ امتِ اسلام پر اپنے 'سرخ' لہو سے مہرِ تصدیق ثبت کی۔ محمد سعید شمرانی، سعودی فوج میں ایک افسر تھا، سعودی فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کا اہلِ اسلام کے خلاف جنگ یعنی 'وار آن ٹیرر' میں نہایت مکروہ اور بھیانک کردار ہے، یہ فوج اس آلِ سعود کی، اس سلمان بن عبد العزیز اور اس محمد بن سلمان کی محافظ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جزیرۃ العرب میں عریانی و فحاشی، حرام کاری و شراب نوشی کو 'وژن ۲۰۳۰' کے نام پر فروغ دیا ہے اور جنہوں نے امریکی و یہودی فوجیوں کے کیمپ 'حرمِ پاک' سے چند کلومیٹر دور بسا دیے...... ایسی فوج کا حصہ بننے کے سبب محمد سعید شمرانی کے ماتھے پر ایک داغ لگ گیا تھا اور اس داغ کو دھونے کے لیے اس نے 'مجاہد فی سبیل الوطن' کا 'badge' ہٹا کر اپنے سینے پر 'مجاہد فی سبیل اللہ' اور پھر 'شہید فی سبیل اللہ' کا 'تمغہ' سجا لیا۔ یہ 'غیرت مندانہ' اقدام 'اسلامی' ممالک کی محافظ ہونے کی دعوے دار ہر ہر 'فوج' کے ہر ہر سپاہی اور افسر کو دعوت و پیغام ہے کہ وہ اپنی 'دوستی اور دشمنی' کا

معیار و محور 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کو بنالے اور اپنی بندوقوں کا رخ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طرف موڑ لے، چاہے امریکہ کے اتحادی اس کے اپنے ہی فوجی 'بھائی'، 'کامریڈز'، 'buddy' اور اس کے سینئر افسر ہی کیوں نہ ہوں؟

محمد سعید شمرانی کا 'فعل'، راہِ عمل ہے..... خاص کر 'عالمِ اسلام کی نمبرون' ہونے کی دعوے دار 'پاک فوج' کے افسروں اور جوانوں کے لیے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال میں موجود 'امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی' اور 'نفاذِ شریعت کے خلاف جنگ' جیسے جرائم کو اپنی بندوقوں کا رخ اسلام دشمنوں کی طرف پھیر کر مٹاڈالیں..... 'پاک فوج' میں موجود 'لا الٰہ الا اللہ' کا اقرار کرنے والے اور 'محمد رسول اللہ' کے عشق کا دم بھرنے والے اپنے قریب 'امریکی و غیر ملکی' فوجیوں کو نشانہ بنائیں اور یہ کام ان کے لیے بہت ہی آسان ہے کہ ان 'فوجیوں' کو اکثر ہی کبھی زمین پر اور کبھی سمندروں میں 'نیٹو'، 'کمبائنڈ ٹاسک فورس (سی ٹی ایف)' اور طرح طرح کے دیگر 'اتحادوں' کے ساتھ 'ٹریننگ' اور 'ڈیوٹی' کا موقع ملتا ہے۔ واللہ العظیم! 'پاک فوج' کے افسروں اور جوانوں کے لیے یہ نادر مواقع ہیں کہ وہ اپنا نام 'امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادیوں' میں سے نکلوا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی جانبازوں میں لکھوالیں۔ اگر کل خالد ابن الولید سے جنگِ احد میں 'اکابر' صحابہؓ کو 'قتل' کرنے کا جرم ہوا تھا تو دِل سے ایمان و اسلام لا کر وہ 'جنگ و قتال' ہی کے ذریعے 'سیف اللہ' بن گئے اور 'رضی اللہ عنہ' کا ٹائٹل، خطاب، تمغہ اور badge ان کے سینے پر سج گیا۔ کل اگر 'ابو سفیان' نے جنگِ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (نعوذ باللہ) قتل کے منصوبے بنائے تھے تو یہی ابو سفیان، 'رضی اللہ عنہ' کا ٹائٹل سجائے، اس دور کے امریکہ 'سلطنتِ روم' کے خلاف معرکۂ یرموک میں اتر کر اپنے لیے جنتوں کے اعلیٰ درجات کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ اگر کل 'وحشی' سے اسد اللہ و اسد الرسول حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا قتل 'سرزد' ہوتا ہے تو یہی وحشی، پھر 'رضی اللہ عنہ' کے پھول ستارے اپنے کندھوں پر لگا کر، جس انداز سے حضرتِ حمزہ کو شہید کیا تھا، اسی طرح برچھی گھما کر، مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے کفارہ ادا کرتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ہم ناروے میں محافظِ قرآن، مجاہد نوجوان 'عمر الیاس دابا' کو بھی خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ عمر الیاس وہ فدائی نوجوان ہے کہ جب ناروے میں قرآنِ مجید کے نسخوں کو جلانے کی مذموم و مسموم حرکت کی جارہی تھی تو اس 'حاملِ قرآن' نے گستاخِ قرآن کا فر پر نہتا ہونے کے باوجود حملہ کیا۔ جب بڑے بڑے کانفرنس ہالوں اور جلسوں میں قرآن کی حرمت اور ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف تقریریں کی جارہی تھیں تو اس نوجوان نے امتِ مسلمہ کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ بقولِ اقبالؒ 'اسی گلاں کر دے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا'۔

اے مجاہدو! یہ چند سطریں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جب روزِ قیامت صدا لگائی جائے کہ ناموسِ رسالت، حرمتِ قرآن اور عظمتِ اسلام و اہلِ اسلام کی خاطر تن من دھن پیش کرنے والے محمد سعید شمرانی اور عمر الیاس دابا حاضر ہوں تو تمہارے 'مداحوں' میں ہم جیسے تمہارے 'غلاموں' کا نام بھی آرہے۔ سچ تو یہی ہے کہ فقط 'مداح' ہونا کافی نہیں، بلکہ مدحتِ خدا اور سول تو وہ مطلوب ہے جو تم نے اپنے عمل سے کر دکھائی۔ یا اللہ! صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان روحانی بیٹوں میں ہمیں بھی شامل فرمالے جن کے متعلق تُو نے اپنے قرآن میں فرمایا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ○ (سورۃ الواقعۃ: ۳۹-۴۰)

''وہ اگلوں میں سے بہت ہوں گے۔ اور پچھلوں میں سے بھی بہت۔''

ان آیات کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

> ''اولین و آخرین دونوں اسی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کیا (گیا ہے) کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ھما من امتی یعنی یہ اولین و آخرین میری امت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقین اولین صحابہ و تابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ امت آخر تک بالکل محروم نہ ہوگی، اگرچہ آخری دور میں ایسے لوگ کم ہوں گے اور مومنین و متقین و اولیاء اللہ تو اس پوری امت کے اول و آخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے اور امت محمدیہ کا کوئی دور، کوئی طبقہ، اصحاب الیمین سے خالی نہ رہے گا اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں

مخالفتوں کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد و ہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت اپنے کام میں لگی رہے گی۔"

(تفسیر معارف القرآن)

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی النبی!

•••••

ہم تو وہ ہیں جو صدیوں سے سلطان ہیں!

برِّصغیر کی تاریخ میں بعد از تقسیم ہند، دو سانحات ماہِ دسمبر میں رُو نما ہوئے۔ تاریخی اعتبار سے پہلا سانحہ سقوطِ ڈھاکہ ہے اور دوسرا مسجدِ بابری کی شہادت۔

برِّصغیر پر مسلمان سب سے پہلے عماد الدین محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں ۷۱۰ عیسوی (تقریباً ۹۰ھ) میں داخل ہوئے اور چند مہ و سال میں آج کے مکران و کراچی سے مغربی پنجاب کے شہر اوکاڑہ اور مشرقی پنجاب کے شہر پٹیالہ کی حدود کے پاس پاس کے علاقوں کو خلافتِ اسلامیہ میں شامل کر دیا۔ مسلمانوں کی برِّصغیر پر حکومت کا آغاز اگر دیکھا جائے تو حقیقتاً ۷۱۰ عیسوی ہی سے شروع ہوتا ہے جو باقاعدہ ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفرؒ کی معزولی اور پھر ان کی ملک بدری کی صورت میں ختم ہوئی۔ یہ عرصہ تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال پر محیط ہے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل، بہادر شاہ کے زیرِ حکومت فقط شہر دہلی اور اس کے مضافات رہ گئے تھے۔ انہی حالات کے پیشِ نظر بہادر شاہ کے بر سرِ اقتدار آنے سے پہلے ہی یہاں شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا فتوائے دار الحرب منظرِ عام پر آتا ہے۔ اگلا قدم سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین ہے اور تیسرا بڑا اقدام شاملی کی جنگ اور جہادِ آزادیٔ ہند ۱۸۵۷ء۔ شاملی کی جنگ سے تقسیمِ ہند تک کا عرصہ اسی حکومتِ الٰہیہ کی بحالی کی کوششوں پر محیط زمانہ ہے۔ اس تحریک کو ہم وقت کے ساتھ نفاذِ شریعت، نفاذِ اسلام اور اقامتِ دین کی تحریک کے عناوین سے جانتے ہیں۔

تقسیم ہند کا اہلِ دین کے نزدیک صرف ایک مقصد تھا اور وہ تھا لا الٰہ الا اللہ کا نفاذ۔ جس نظام کو نافذ کرنا اہلِ دین کے ایک طبقے کو بصورتِ حصولِ پاکستان نظر آیا وہ اس طرف آ گئے اور جنہوں نے ہندوستان میں رہتے ہوئے نظامِ دین کے لیے کوشش کو بہتر جانا وہ وہیں رہے۔ ہمارا مقتضیٰ تقسیمِ ہند، پاکستان یا ہندوستان میں رہنے کی بحث نہیں بلکہ حاصل ہونے والے نتائج سے ہمیں سروکار ہے۔

ماہِ دسمبر میں رُو نما ہوئے تقسیم ہند کے بعد کے دو واقعات ہی ہماری، ہماری منزل کی جانب پیش قدمی اور اس پیش قدمی میں 'کامیابی کی شرح' کی واضح تصویر ہیں۔

جو ملک لا الٰہ الا اللہ کے نام پر قائم ہوا، وہ صرف چوبیس سال کے بعد دو لخت ہو جاتا ہے[1]۔ پاکستان کے دو لخت ہو جانے کا اصل سبب صرف اور صرف 'اسلام' سے اعراض بلکہ دشمنی اور اسلام کے مقابل نظامِ ظلم و جہل کا نفاذ ہے۔ پاکستان کے حکمرانوں میں یحییٰ خان جیسا حیوانی فطرت کا مالک جس نے کبھی شادی نہیں کی، ساری عمر بدکاری کی غلاظت میں علی الاعلان لتھڑا رہا اور ایسا شرابی جس کی موت بھی کثرتِ شراب نوشی کے سبب واقع ہوئی، دوسرا مشرقی پاکستان کا بدکار اور شرابی، غیرت و حمیت سے عاری، میدانِ جنگ کا بھگوڑا، مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی اور تیسرا شرابی و بدکردار، متکبر و سیکولر زیڈ اے بھٹو!

---

[1] زیرِ نظر مجلّے کے شمارے میں اس زمانے کے حالات پر کافی و شافی تحریرات شاملِ اشاعت ہیں۔

یہ ہیں وہ نام، شخصیات اور عناصر جن کے سیاہ کردار و عمل نے پاکستان کو دولخت کیا۔ پھر حیرت اس بات پر ہے کہ ایوب خان، یحییٰ خان، نیازی اور بھٹو جیسے حکمرانوں اور ان کے نافذ کردہ نظامِ ظلم و جہل کے باوجود 'وطنِ عزیز' کی اسلامی حیثیت پر کوئی سوال نہیں اٹھتا اور جو نفاذِ اسلام کی بات کرے اس کے لیے قراردادِ مقاصد اور ۷۳ء کے آئین نامی لالی پاپ اور چوسنیاں ہیں جو ہزار مزید بیماریوں کا سبب بھی ہیں اور کسی دکھ کی دوا بھی نہیں۔ جو ان لالی پاپوں اور چوسنیوں کو چوسنی اور لالی پاپ کہے وہ 'باغی'، 'خارجی'، 'شدت پسند' اور 'دہشت گرد'!

ہندوستان میں رہ جانے والوں کے لیے سانحۂ شہادتِ بابری مسجد ایک 'صلائے عام' کی حیثیت رکھتا ہے جو انہیں جھنجھوڑتا ہے، مستقبل سے ڈراتا ہے اور انہیں سفر کا رخ درست کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ واقعہ بالعموم سب مسلمانوں اور بالخصوص ہندوستان کے اہلِ دین کو یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ رک جائیں...... مزید اپنے آپ کو اس سیکولر سیلاب کے حوالے کرنا چھوڑ دیں اور ایک دفعہ پھر اپنی منزل اور راستے کا سوچ سمجھ کر تعین کریں۔ یہ واقعہ انہیں بتاتا ہے کہ وہ سب دیگر اقوام سے منفرد ہیں، وہ لا الہ الا اللہ کے علمبردار ہیں، جو سب کی نفی اور بس ایک وحدہٗ لاشریک کا اقرار کرتے ہیں، پس وہ اس سیلاب کے رُخ میں نہ بہیں بلکہ اس کا رخ موڑنے اور عظمتِ اسلام ثابت کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ انہیں کسی دوسرے کا سہارا نہیں بلکہ خالص اللہ کے سہارے پر اٹھنا ہوگا۔ بتوں کے پجاریوں اور شرک کے علمبرداروں کے ساتھ اہل ایمان کا معرکہ کوئی پہلی دفعہ تو نہیں برپا ہو رہا......

یہ امت ہمیشہ فاتح رہی ہے، یہ کلمہ ہمیشہ کامیاب رہا ہے، اس نے کفر و شرک کے اندھیروں کو اجالوں میں بدلا ہے، یہ اس قرآنی دعوت ہی کی طاقت تھی کہ ایک دوسرے کی جانوں کے دشمن، اسلام کے سپاہی بنے اور بتوں کو پوجنے والے، اپنے ہاتھوں سے پھر بتوں کو توڑنے والے ثابت ہوئے۔ ماضی اور حال میں یہ فرق کیوں ہے؟ کیوں وہاں پیش قدمی تھی اور یہاں پس قدمی اور پسپائی؟ وہاں دلیل و حجت کے میدان میں بھی کوئی ہمارا ہم سر نہیں تھا اور میدانِ قتال و جہاد میں بھی کوئی مقابل نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ مگر اب کیا ہو گیا؟

یہ دین تو تاقیامت نور و نار ہے! نور اندھیروں کو اجالوں میں بدلنے کے لیے اور نار کفر و ظلمات کے بیوپاریوں کے لیے، پھر آج کیوں یہ بے ہمتی، معذرت خواہی اور ناامیدی و مایوسی؟ حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی وہی، دین بھی وہی، تعلیمات بھی وہی، اللہ کے وعدے بھی وہی...... تو یقیناً کوتاہی ہمارے عمل میں واقع ہوئی ہے۔ وجہِ تنزل، ہمارے افکار و ہماری راہِ عمل ہے۔

اگر تو ہماری فکر اور عمل، ہمارا راستہ اور ہماری منزل...... ان سب کا تعین شریعت کی روشنی میں ہوتا، تو ناممکن ہے کہ آج یہ قافلہ اس طرح اندھیروں کے 'سرمایہ داروں' سے روشنی کی بھیک مانگتا۔ کمی ہم میں واقع ہوئی ہے، ہماری دعوت میں، ہماری سیاست میں اور ہماری تحریک میں کمی واقع ہوئی ہے۔ آج بھی اگر ہم توحید کی دعوت اور رسول الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لے کر اٹھیں تو مسلمان تو مسلمان ہیں، ان دشمنوں سے بھی ہمیں اسلام کے سپاہی اور اس عظیم قافلے کے لیے سپہ سالار مل جائیں گے۔ بس ہمیں ہندوستان کے اس صحرا کو پار کرنے کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اللہ رب العزت کی کتاب اٹھانی چاہیے۔

تقسیمِ ہند کا واقعہ اور اس کے بعد سے لے کر آج تک...... افسوس کہ ہم نے حرکت تو کی ہے، تھکن اور حد درجے مصائب تو اٹھائے ہیں، مگر پاکستان و ہندوستان دونوں طرف کے حالات ہمیں بتا رہے ہیں کہ سفر ابھی بہت باقی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ ابھی ہم نے جانبِ منزل قدم اٹھایا ہی نہیں ہے!

ہم سے بچھڑے جو ___ تم
"اقلیت" رہ گئے!
یوں اکیلے ہی پھر
اتنے غم سہہ گئے!
اور ہم!!!
خواب لے کر کے آئے تھے
کل جو یہاں!
سَیلِ اِلحاد و عِصیاں کے طوفان میں
کب کے ___ وہ بہہ گئے!
بے سُدھ و دَم بخود
ہم جہاں سے چلے تھے
وہیں رہ گئے!

ضرورت بس اس امر کی ہے، کہ ہم لا الٰہ الا اللہ کے وارث، چاہے پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں یا بنگلہ دیش میں، ہم سب پر لازم ہے کہ ایک لمحے کو پیچھے مڑ کر دیکھیں...... 'پدرم سلطان بود' کہہ کہہ کر اپنے ضمیر کو بہلانا چھوڑیں، ہندوستان میں نہ سیکولرازم سے متاثر ہوں نہ 'ہندوتوا' سے دَبیں، بنگلہ دیش میں غیرتِ ایمانی کی فضا ہموار کریں، پاکستان میں برپا نظامِ کفر و ظلم و جہل کو برملا نظامِ بدی کہیں، 'پیغامِ پاکستان' کے پردۂ دجل کو فاش کریں، مئے غفلت کے جام توڑیں اور اپنی اسلامی سلطنت کو بحال کرنے کے لیے نفاذِ شریعت کی مبارک محنت اور اقامتِ دین اللہ کی جدوجہد میں کھپیں اور پھر برملا اعلان کریں......

ہم تو وہ ہیں جو صدیوں سے سلطان ہیں
ہم مسلمان ہیں، ہم مسلمان ہیں!

ہم اگر اس راہ پر کاربند ہو گئے، تو ہم شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز کی وراثت کا حق ادا کرنے والے بن جائیں گے، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، حضرت نانوتوی اور شیخ الہند کے نقشِ قدم پر قدم رکھیں گے اور یہ اُن ہزاروں لاکھوں اہلِ ایمان کے خون سے وفا ہو گی جنہوں نے اپنی جانیں برِّصغیر میں اسلام کی عظمت کی خاطر قربان کی تھیں اور یہ خواب آنکھوں میں سجایا تھا کہ یہاں غلبۂ اسلام کی بہاریں آئیں اور یہاں کفر ولادینی کے اندھیرے اسلام کے نور سے منور ہوں۔

◆◆◆◆◆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

26- وَعَنْ خَبَّابٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْفَقَ مُؤْمِنٌ مِنْ نَّفَقَةٍ اِلَّا اُجِرَ فِيْهَا اِلَّا نَفَقَتَهٗ فِيْ هٰذَا التُّرَابِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان جو کچھ (اپنی زندگی کو قائم رکھنے پر) خرچ کرتا ہے اس کو اس کا ثواب دیا جاتا ہے مگر اس خرچ پر جو اس مٹی میں کیا جائے (یعنی بلاضرورت وحاجت مکان بنانے میں کوئی ثواب نہیں ملتا)۔

تشریح: رہائش کی ضرورت یا کرایہ کی آمدنی کے لیے جو تعمیر کی جاتی ہے سب پر ثواب ملتا ہے، البتہ بدون ضرورت محض شان دکھانے اور لوگوں پر فخر جتانے کے لیے جو تعمیر کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے، اور مسجد اور دینی مدرسہ کی عمارت بنانا مستحسن اور مستحب ہے۔

27- وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلنَّفَقَةُ كُلُّهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مصارف (زندگی) راہِ خدا میں (خرچ کرنے کے برابر) ہیں مگر مکانوں اور عمارتوں پر (جو بلاضرورت وحاجت بنائی جائیں) خرچ کرنا کہ اس میں کوئی نیکی اور ثواب نہیں ہے۔

تشریح: چوں کہ مکان بناتے وقت اکثر ضرورت کے درجہ پر صبر نہیں ہوتا آدمی فخر اور جاہ کے لیے ضرورت سے زائد بناڈالتا ہے اس لیے اس اسراف پر یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

28- وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَّنَحْنُ مَعَهٗ فَرَاٰى قُبَّةً مُّشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذِهٖ قَالَ اَصْحَابُهٗ هٰذِهٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا فِيْ نَفْسِهٖ حَتّٰى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِي النَّاسِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذٰلِكَ مِرَارًا حَتّٰى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيْهِ وَالْاِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكٰى ذٰلِكَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ وَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُنْكِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا خَرَجَ فَرَاٰى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ اِلٰى قُبَّتِهٖ فَهَدَمَهَا حَتّٰى سَوَّاهَا بِالْاَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَافَعَلَتِ الْقُبَّةُ قَالُوْاشَكٰى اِلَيْنَا صَاحِبُهَا اِعْرَاضَكَ فَاَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَّبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَالَايَعْنِيْ اِلَّامَالَابُدَّ مِنْهُ- رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر ایک بلند قبہ دیکھا اور (تحقیر کے لہجہ میں) فرمایا: کیا ہے یہ گنبد۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہ فلاں انصاری نے بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) خاموش رہے اور بات کو دل میں مخفی رکھا یہاں تک کہ گنبد بنانے والا آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، کئی مرتبہ ایسا ہوا (یعنی اس نے سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا) یہاں تک کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر غصہ کے آثار محسوس کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پھیر لینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت کو معلوم کرلیا، اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے شکایت کی اور کہا: خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آپ سے غضب میں پاتا ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تشریف لائے اور تیرے قبہ کو دیکھ کر غضب ناک ہوگئے وہ شخص قبہ کی طرف گیا اور اس کو گرادیا یہاں تک کہ زمین کے برابر کردیا۔

پھر اس واقعہ کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ادھر تشریف لے گئے اور قبہ کو نہ پاکر فرمایا: وہ گنبد کیا ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: قبہ بنانے والے نے ہم سے آپ کی نفرت کی شکایت کی، ہم نے اس کو واقعہ سے آگاہ کردیا پس اس نے قبہ کو ڈھادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خبردار! ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال ہے (یعنی موجبِ عذاب ہے) مگر وہ عمارت جس سے چارہ نہ ہو۔ (یعنی جس کے بغیر زندگی گزارنی ناممکن ہو)۔

تشریح: محض تفاخر اور تعیش کے لیے عمارت بنانا جو ضرورت سے زائد ہو آخرت کے لیے وبال ہے۔ یہاں جس قبہ کا ذکر ہے وہ دراصل ضروریاتِ زندگی سے زائد تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے لیے ایسے امور کو کب پسند فرماسکتے تھے جو ان کی بلندئ مرتبت فی الدین کے منافی ہوں؟ آخرت کے لیے جو عمارتیں بنائی جائیں مثلاً مساجد، مدارسِ دینیہ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

29- وَعَنْ اَبِيْ هَاشِمِ ابْنِ عُتْبَةَ قَالَ عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَّمَرْكَبٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ اَبِيْ هَاشِمِ ابْنِ عُتْبَدٍ بِالدَّالِ بَدَلَ التَّاءِ وَهُوَ تَصْحِيْفٌ

ترجمہ: حضرت ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو وصیت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اموالِ دنیا میں سے تیرے لیے ایک خادم اور خدا کی راہ میں سوار ہونے کے لیے ایک سواری کافی ہے۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں "عتبد" دال کے ساتھ ہے یہ تصحیف ہے۔

تشریح: اس حدیث پاک میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کس درجہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں کے حقوق کی رعایت بیان فرمائی ہے یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ یعنی خادم اور سواری کی گنجائش اور اجازت دے دی گئی تا کہ جہاد یا حج یا طلبِ علم کے لیے سفر کرنا آسان ہو۔ اور مراد بقدرِ ضرورت پر قناعت کرنے کی تعلیم ہے۔

30- وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ لِابْنِ اٰدَمَ حَقٌّ فِیْ سِوٰی هٰذِهِ الْخِصَالِ بَیْتٍ یَّسْکُنُهٗ وَثَوْبٍ یُّوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتَهٗ وَجِلْفِ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان چیزوں کے سوا آدم کے بیٹے کا کسی چیز پر کوئی حق نہیں ہے: ۱) رہنے کے لیے گھر۔ ۲) تن ڈھانکنے کو کپڑا۔ ۳) خشک روٹی۔ ۴) اور پانی۔

تشریح: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ جو شخص مذکورہ حلال نعمتوں پر اکتفا کرے گا اس سے قیامت کے دن حساب ان کے متعلق نہ ہو گا۔ کیوں کہ یہ نفس کے حقوقِ ضروریہ سے ہیں، اور جو ان کے علاوہ حظوظ اور لذتوں کا سامان مہیا کرے گا ان کے متعلق سوال ہو گا اور ان کے شکر کا مطالبہ ہو گا۔

31- وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا اَنَا عَمِلْتُهٗ اَحَبَّنِیَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِیَ النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبُّکَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبُّکَ النَّاسُ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھ کو کوئی ایسا عمل بتائیے کہ میں جب اس کو کروں تو خدا اور خدا کے بندے مجھ سے محبت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی طرف رغبت نہ کر خدا تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز کی خواہش نہ کر جو لوگوں کے پاس ہے یعنی جاہ و دولت، لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔

تشریح: بزرگوں نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے راستے کا پہلا قدم زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی ہے۔ پس جس کو حق تعالیٰ شانہ اپنا بنانا چاہتے ہیں اس کے دل کو دنیا سے اچاٹ (بے رغبت) کر دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا ترک کر دیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا اس کے گردو پیش ہوتی ہے اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ دل اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کر دیتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کو دل دے دینا اور اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کو جسم دے دینا یعنی جسم کو احکامِ شرع کے تابع کر دینا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا خاص ہو جاتا ہے وہ لوگوں کی جاہ اور دولت سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ جس کے سبب محبوب عند الخالق ہو جاتا ہے اور عند الخلق بھی۔ صاحبِ مظاہرِ حق لکھتے ہیں کہ زہدِ کامل یہ ہے کہ دنیا پاس ہو اور پھر بھی اس کی طرف رغبت نہ کرے۔ حضرت علامہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا یا زَاہِدُ! آپ نے فرمایا کہ میں زاہد نہیں ہوں، زاہد تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ دنیا ان کے پاس چلی آتی تھی اور وہ دنیا کو منہ نہ لگاتے تھے اور ہم کس چیز میں زہد کریں گے۔

32- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِیْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضی اللّٰهُ عَنْهُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَّبْسُطَ لَکَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا وَمَااَنَا وَالدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ نِاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَهَا- رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوریے پر سوئے، سو کر اٹھے تو آپ کے جسم پر بوریے کے نشان تھے، ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ! اگر آپ ہم کو حکم دے دیتے تو ہم آپ کے لیے فرش بچھا دیتے اور کپڑے بنا دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ کو دنیا سے کیا مطلب۔ میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی سوار کسی درخت کے نیچے کھڑا ہو کر سایہ سے فائدہ اٹھا لے اور پھر چل دے اور درخت کو اپنی جگہ چھوڑ جائے۔

تشریح: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں: اگر ''ما'' نفی کے لیے ہے تو مفہوم یہ ہو گا کہ نہیں ہے مجھے اُلفت دنیا سے اور نہ دنیا کو مجھ سے کہ میں رغبت کروں دنیا کی طرف یا جمع کروں دنیا، اور اگر ''ما'' استفہامیہ ہے تو مفہومِ حدیث یہ ہو گا کہ وہ کیا شے ہے جس کے سبب میں دنیا سے محبت اور اُلفت کروں یا دنیا مجھ سے کرے، کیوں کہ میں طالب الآخرۃ ہوں اور دنیا آخرت کے لیے مثل سوتن (سوکن) کے ہے اور ضد ہے اس کی۔

33- وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:اِنَّ اَغْبَطَ اَوْلِیَائِیْ عِنْدِیْ لَمُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ ذُوْحَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِی السِّرِّ وَکَانَ غَامِضًا فِی النَّاسِ لَایُشَارُ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ وَکَانَ رِزْقُهٗ کَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰی ذٰلِکَ ثُمَّ نَقَرَ بِیَدَیْهِ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِیَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاکِیْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ-رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک میرے دوستوں میں قابلِ رشک وہ مومن ہے جو نہایت سبک ہو دنیا کے مال اور خیال سے، خوش نصیب ہو نماز کے اعتبار سے، اپنے پروردگار کی عبادت خوبی کے ساتھ کرتا ہو اور مخفی طریقہ پر طاعتِ الٰہی میں مشغول ہو۔ لوگوں میں گم نام ہو، اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جائے، اس کی روزی صرف کفایت کے درجہ کی ہو، اسی پر وہ صابر اور قانع ہو۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹکی بجائی اور پھر فرمایا: جلدی کی گئی اس کی موت میں، کم ہیں اس کی رونے والی عورتیں اور حقیر ہے میراث اس کی۔

تشریح: ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ سبکسار مردم سبکتر روند، ہلکے پھلکے آدمی جو سامانِ سفر زیادہ نہ رکھتے ہوں بآسانی سفر ہلکے پھلکے طے کرتے ہیں۔ پس انسان دنیا میں مسافر ہے۔ جس قدر

اسباب اور تعلقات کے بوجھ سے ہلکا ہو گا، آخرت کے اعمال کے لیے وقت فارغ ہو گا اور روح بھی آسانی سے نکلے گی۔ اور انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے جاہ اور شہرت کا ارادہ نہ کرے اور نہ امتیازی شان بنائے اس کے باوجود اگر حق تعالیٰ شانہٗ جاہ اور شہرت عطا فرمادیں تو وہ مضر نہیں بلکہ اشاعتِ دین میں معین ہے۔ (از ملفوظات حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

34- عَنْ اَبِیْ ذَرٍّقَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ الرَّجُلَ یَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَیْرِ وَیَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَیْهِ قَالَ تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو نیک کام کرتا ہے اور اس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں (اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ اس کی وجہ سے اس کو دوست رکھتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ مومن کو جلد ملنے والی بشارت ہے۔

35- وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا یَا رَبِّ وَلٰکِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَّاَجُوْعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْکَ وَذَکَرْتُکَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُکَ وَشَکَرْتُکَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خداوند تعالیٰ نے میرے سامنے اس بات کو پیش کیا کہ وہ میرے لیے مکہ کے سنگ ریزوں کو سونا بنادے میں نے عرض کیا: نہیں اے پروردگار! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں، جب میں بھوکا رہوں تو تیری طرف عاجزی وزاری کروں اور تجھ کو یاد کروں اور جب پیٹ بھر کر کھاؤں تو تیری تعریف اور تیرا شکر کروں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں اُمت کے لیے فقر اور قناعت کی تعلیم ہے اور یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ فقر افضل ہے غنا سے۔

36- وَعَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ مِحْصَنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْکُمْ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًی فِیْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَکَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَابِحَذَافِیْرِهَا-رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اپنی جان کی طرف سے بے خوف ہو، بدن درست ہو یعنی صحت اچھی ہو، ایک دن کھانے کا سامان اس کے پاس ہو تو گویا اس کے لیے دنیا کی نعمتیں جمع کر دی گئی ہیں اور ساری دنیا اس کو دے دی گئی ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مذکورہ نعمتوں کے ہوتے ہوئے خدائے تعالیٰ کا شکر بجالائے اور طاعت میں لگا رہے۔

37-وَعَنِ الْمِقْدَامِ ابْنِ مَعْدِیْکَرَبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَامَلَاَ اٰدَمِیٌّ وِعَاءً شَرًّامِّنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ اُکُلَاتٌ یُّقِمْنَ صُلْبَهٗ فَاِنْ کَانَ لَا مُحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَثُلُثٌ لِّنَفَسِهٖ- رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت مقدام ابنِ معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہیں بھرا (جب کہ پیٹ کو خوب بھرا جائے اور اس سے دینی ودنیاوی خرابیاں پیدا ہوں) آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، اور اگر پیٹ بھرنا ہی ضروری ہو تو چاہیے کہ پیٹ کے تین حصے کرے: ایک حصے میں کھانا دوسرے حصے میں پانی اور تیسرا حصہ سانس (کی آمدورفت) کے لیے۔

تشریح: زیادہ کھانے سے عبادت میں سستی پیدا ہوتی ہے اور گناہ کی خواہش بڑھتی ہے اور صحت بھی خراب ہو جاتی ہے اس لیے اس پر اُمت کو تنبیہ فرمائی۔

38- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا یَّتَجَشَّأُ فَقَالَ اَقْصِرْ مِنْ جُشَاءِکَ فَاِنَّ اَطْوَلَ النَّاسِ جُوْعًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ اَطْوَلُهُمْ شِبَعًا فِی الدُّنْیَا۔ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهٗ

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکار لیتے سنا تو فرمایا، اپنی ڈکار کو کوتاہ اور مختصر کر یعنی ڈکار نہ لے اس لیے کہ قیامت کے دن بڑی بھوک رکھنے والا وہ شخص ہو گا جو دنیا میں خوب پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔

تشریح: اس شخص کا نام وہب بن عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھا اور اس وقت نابالغ تھے۔ اس نصیحت کے بعد انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کبھی نہ کھایا حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رات کو کھاتے تو صبح کو نہ کھاتے اور صبح کو کھاتے تو رات کو نہ کھاتے۔

39- وَعَنْ کَعْبِ بْنِ عِیَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِکُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَّفِتْنَةُ اُمَّتِی الْمَالُ- رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہر قوم اور ہر اُمت کے لیے ایک فتنہ ہے (یعنی ہر قوم خدا کی طرف سے کسی چیز کے فتنے میں ڈال کر آزمائی جاتی ہے) اور میری اُمت کا فتنہ (یعنی خدا کی آزمائش) مال ہے۔

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ میری اُمت کو مال اس لیے دیتے ہیں کہ امتحان کریں بندوں کا کہ مال داری میں دین پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔

40- وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُجَاءُ بِابْنِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّهٗ بَذَجٌ فَیُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ لَهٗ اَعْطَیْتُکَ وَخَوَّلْتُکَ وَاَنْعَمْتُ عَلَیْکَ فَمَاصَنَعْتَ فَیَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَکْتُهٗ اَکْثَرَ مَا کَانَ فَارْجِعْنِیْ اٰتِکَ بِهٖ کُلِّهٖ فَیَقُوْلُ لَهٗ اَرِنِیْ مَا قَدَّمْتَ فَیَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَکْتُهٗ اَکْثَرَ مَا کَانَ فَارْجِعْنِیْ اٰتِکَ بِهٖ کُلِّهٖ فَاِذَا عَبْدٌ لَّمْ یُقَدِّمْ خَیْرًافَیُمْضٰی بِهٖ اِلَی النَّارِ- رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَضَعَّفَهٗ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: آدم کا بیٹا قیامت کے دن (اس طرح) لایا جائے گا...... (بقیہ صفحہ نمبر 13 پر)

اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کا کیا مطلب ہے؟

(امیر المومنین کی ہدایات... مجاہدین کے نام)

امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۃ التوبۃ: ۴۰)

"اور کافر لوگوں کا بول نیچا کر دکھایا، اور بول تو اللہ ہی کا بالا ہے، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔"

تفسیرِ ابنِ کثیر میں اس آیت کے حوالے سے آیا ہے کہ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں، کہ کفر کے کلمے سے مراد شرک اور اللہ تعالیٰ کے کلمے سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے، تفسیرِ طبری میں ہے کہ کلمۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کے دین، اللہ تعالیٰ کی توحید اور لا الٰہ الا اللہ سے عبارت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی نفاذِ شریعت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور نفاذِ شریعت اسلامی حکومت (خلافت اور امارت) کے قیام سے مربوط ہے، اس لیے کہ جب بھی اسلامی حکومت کا قیام ہو، تو شریعت نافذ ہو جائے گی اور جب شریعت نافذ ہو جائے تو یہی اللہ کے کلمے کی سربلندی ہے۔ لہٰذا مجاہد جب زمین کو کفار کے قبضے سے آزاد کراتا ہے تو اس کی یہی نیت ہونی چاہیے، کہ اس زمین پر شریعت کا نفاذ ہو گا اور یہی جہاد کا ہدف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو جائے۔

جب کسی کی نیت اللہ کے دین کی سربلندی نہ ہو، یعنی مقصدِ اصلی یہ نہ ہو تو جب اس کو جہاد کے راستے میں موت آئے تو وہ شہید نہیں کہلائے گا اور اُن نعمتوں کا وہ مستحق نہیں ٹھہرے گا جس کا ایک شہید مستحق ٹھہرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شہداء کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱)

"اور (اے پیغمبر) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

شہادت وہ عظیم مرتبہ ہے جس کی خواہش رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں لڑوں اور شہید ہو جاؤں پھر لڑوں اور شہید ہو جاؤں، پھر لڑوں اور شہید ہو جاؤں"۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث شہید کے درجات کی بلندی کے حوالے سے آئی ہیں، لیکن وہ شخص جس کی نیت جہاد میں صحیح نہ ہو اور پھر اسی راستے میں مارا جائے، تو وہ شہید کے مرتبے سے محروم ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید نہیں۔

جس کی نیت جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ کے لیے نہ ہو، نہ اس کے حصے میں اللہ کے ہاں اجر ہے بلکہ وہ عذاب کا مستحق ٹھہرے گا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

"قیامت کے دن پہلا شخص جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کریں گے وہ آدمی ہو گا جو شہید ہوا ہو، تو اس کو بلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اُن نعمتوں کا تذکرہ کریں گے جو دنیا میں اس کو عطا کی گئی تھی، یہ بندہ ان ساری نعمتوں کی تصدیق کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا تم نے میری طرف سے دی گئی نعمتوں سے کیا فائدہ اُٹھایا؟ وہ کہے گا میں نے تمہارے راستے میں جہاد کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تم نے جھوٹ بولا تم تو اس لیے جہاد کر رہے تھے کہ تمہیں لوگ بہادر کہیں اور وہ لوگوں نے کہہ دیا، پھر اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے امر سے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔" (مسلم)

حضرت سہل ابن سعدؓ سے روایت ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے، ان میں سے ہر ایک اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے، جب مسلمان کوئی عمل کرے تو اس کا دل نور سے بھر جاتا ہے۔" (طبرانی)

نیت کے فوائد:

۱. نیت سے عمل کو تقویت ملتی ہے:

"ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد کے پہاڑ جتنا مال صدقہ کر دے پھر بھی ان کے ایک یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں۔" (بخاری)

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیت اور اخلاص کی وجہ سے ان کا تھوڑا سا صدقہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بڑا ہے کہ اگر آپ احد کے پہاڑ جتنا مال بھی صدقہ کر دیں پھر بھی ان کے اجر تک نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ عمل جس کے ساتھ تقویٰ (اللہ کا خوف) ہو۔ جتنا بھی کم ہو جائے پھر بھی کم نہیں کیونکہ مقبول عمل کیسے کم ہو سکتا ہے۔ (ابنِ ابی دنیا)

امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ سلف صالحین میں سے بعض سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: بعض اوقات ایک چھوٹا سا عمل ہوتا ہے، لیکن اچھی نیت کی وجہ سے بہت بڑا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایک بہت بڑا عمل ہوتا ہے لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان مومن پر لازم ہے کہ اپنی نیت کی اصلاح کرے۔ پھر ایک مجاہد پر تو بدرجۂ اتم لازم ہے کیونکہ جب وہ تھوڑا سا عمل صحیح نیت سے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو بڑا کر دے گا۔

۲. اچھی نیت کی وجہ سے دعا اور عمل مقبول ہو جاتا ہے:

سرار العزی فرماتے ہیں میں نے عبد الواحد بن زید سے سنا کہ اجابت اخلاص کے ساتھ اس طرح جڑی ہوئی ہے، جس کے درمیان کسی بھی قسم کا فاصلہ نہیں۔ (ابنِ ابی دنیا)

تنبیہ: ہماری دعائیں کیوں مقبول نہیں ہوتیں کیونکہ اخلاص نہیں ہوتا۔ دعا کی قبولیت اخلاص کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

۳. اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو مخلص مومن کی طرف پھیر دیتا ہے:

محمد بن واسع فرماتے ہیں جب بندہ اپنا رُخ اللہ کی طرف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو اس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب مسلمان اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عبادتِ جہاد یا کوئی دوسری عبادت اخلاص اور صحیح نیت کے ساتھ کرے گا تو اللہ تعالیٰ باقی مسلمانوں کے دلوں میں اپنے اس بندے کے لیے محبت ڈال دیتا ہے۔ (ابنِ ابی دنیا)

۴. اچھی نیت سے میزانِ عمل بھاری ہو جاتا ہے:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس کا ظاہر باطن سے اچھا ہو، قیامت کے دن اس کا میزانِ عمل ہلکا ہو گا اور جس کا باطن ظاہر سے اچھا ہو تو اس کا عمل قیامت کے دن اس کے میزانِ عمل میں بھاری ہو گا۔ (ابنِ ابی دنیا)

تنبیہ: قیامت کے دن نیک اعمال کا میزانِ عمل میں ہلکا یا بھاری ہونا نیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

۵. اللہ تعالیٰ کی نصرت نیت اور اخلاص کے مطابق آتی ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق اللہ کی طرف سے عطا ہو گا۔ (شرح المہذب)

سالم بن عبد اللہ، خلیفۃ المسلمین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو لکھتے ہیں "جان لو کہ ہر بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کی نیت کے مطابق ہو گی، جس کی نیت پوری ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی اس کے ساتھ پوری ہو گی اور جس کی نیت ناقص یا کم ہو تو اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی اس کے ساتھ کم ہو گی"۔ (احیاء العلوم)

تنبیہ: لہٰذا ہر مجاہد اور خاص کر امراء پر لازم ہے کہ اپنی نیتوں کی مکمل اصلاح کریں کیونکہ اللہ کی نصرت صحیح نیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

و ما علینا إلّا البلاغ المبین۔

بقیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

گویا کہ بکری کا بچہ ہے، پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: میں نے تجھ کو زندگی عطا کی تھی، میں نے تجھ کو لونڈی، غلام اور مال و دولت دیا تھا اور میں نے تجھ پر انعام کیا تھا (یعنی کتاب اور اپنے رسول تیری ہدایت کے لیے بھیجے تھے) پس تو نے کیا کام کیا؟ آدمی کہے گا: اے پروردگار! میں نے مال کو جمع کیا اس کو تجارت وغیرہ سے بڑھایا اور اس سے زیادہ دنیا میں اس کو چھوڑ آیا جتنا کہ وہ تھا، مجھ کو دنیا میں پھر بھیج دے کہ میں اپنے سارے مال کو تیرے پاس لے آؤں (یعنی دنیا میں جا کر اس کو خیرات کر دوں) پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ جو مال کہ تو نے آگے بھیج دیا ہے (یعنی آخرت کے لیے) اس کو دکھلا۔ وہ جواب میں کہے گا: اے پروردگار! میں نے مال کو جمع کیا بڑھایا اور اس سے زیادہ تعداد میں دنیا کے اندر چھوڑ آیا جتنا کہ وہ تھا، تو مجھ کو دنیا میں بھیج دے کہ میں اپنے سارے مال کو تیرے پاس لے آؤں۔ آخر وہ ایک ایسا بندہ ثابت ہو گا جس نے آخرت میں کچھ ذخیرہ نہ کیا ہو گا اور اس کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔

تشریح: پس معلوم ہوا کہ نعمتِ حقیقی وہ ہے جو آخرت کی سعادت اور کامیابی کا سبب بن جاوے۔ اور جس نعمت کے غلط استعمال سے آخرت تباہ ہو تو وہ نعمت اس کے حق میں نعمت نہیں، اس کو نعمت سمجھنا غلط ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

باب سوم: خدا کے ساتھ صدق

اے اللہ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین ماننے والو!

اے محمد کو نبی اور رسول ماننے والو! (صلی اللہ علیہ وسلم)

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام حمید میں کیا فرمایا، فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ○ (سورۃ التوبہ: ۱۱۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔''

جس صدق کے بارے میں سورۂ توبہ کی یہ آیت گفتگو کر رہی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام امور واقعے اور حقیقت کے مطابق ہوں یعنی تمام اسرار ظاہر کے مطابق ہوں اور چھپے ہوئے باطن میں بھی امور کی صورت وہی ہو جو اعلان کردہ ہے۔ اگر آپ کسی سچے انسان کا دل چیر کر دیکھیں یا اگر کسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو اُس کے دل کی حقیقت دکھلا دے تو آپ اُس کے کھلے عام ظاہر ہونے والے اعمال اور اُس کی چھپی ہوئی مخفی زندگی میں کوئی فرق نہ پائیں گے۔ صادقین کا یہی حال ہوتا ہے، بلکہ اُن میں سے بعض کی مخفی زندگی تو ظاہری زندگی سے بھی اچھی ہوتی ہے۔

سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین کہا کرتے تھے:

اللهم اجعل باطننا خيراً من ظاهرنا، واجعل ظاهرنا خيراً

''اے اللہ! ہمارے باطن کو ہمارے ظاہر سے زیادہ اچھا کر دے۔ اور ہمارے ظاہر کو بھی اچھا کر دے۔''

ظاہر و باطن کی مطابقت

اللہ عزّ و جلّ کی نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دل کا معاملہ ہمیشہ علّام الغیوب، ربِ عظیم و کریم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے سامنے راز چھپے نہیں رہتے۔ بعض اوقات وہ ظاہر سے مختلف ہوتے ہیں لیکن وہ زیادہ عرصے تک ظاہری حالات سے مختلف نہیں رہ سکتے اُن کو مطابقت کرنی ہوتی ہے۔ وہ مطابقت پیدا کر کے ہی رہتے ہیں۔

اگر کسی شخص کا باطن اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے ظاہر کر کے رہتا ہے اور جس شخص کا باطن برا ہو اللہ تعالیٰ اُسے بھی ایک روز ضرور ظاہر کر دیتا ہے۔ کبھی وہ زبان سے یہ راز پھسلوا دیتا ہے۔ کبھی چہرے کے تاثرات میں اسے علی الاعلان لکھ دیتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص بہت طویل عرصے تک اپنے آپ کو دھوکہ دے سکے کیونکہ یہ فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق کی ہوئی فطرت یہ ہے کہ ظاہر و باطن ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔ اگر ظاہر کا خط نفاق، جھوٹ، ریا یا اسی قسم کی کسی اور وجہ سے باطن کے خط سے تھوڑی دیر کے لیے مختلف ہو جائے تو بھی یہ حال زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رہ سکتا، کیونکہ یہ فطرت ہے اللہ نے اسی پر لوگوں کو پیدا کیا ہے اور فطرت باطل کو بہت عرصے تک برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ اس سلسلے میں زیادہ عرصہ مداہنت سے کام نہیں لے سکتی۔

ہر فطرت اور ہر دھڑکنے والا دل یہ چاہتا ہے کہ اپنی اُس فطرت کی طرف لوٹ جائے جس پر اللہ نے اُسے پیدا کیا ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً (سورۃ البقرہ: ۱۳۸)

''اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کون سا ہو سکتا ہے۔''

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ○ (سورۃ الروم: ۳۰)

''لہٰذا تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف قائم رکھو۔ اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت پر چلو جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ یہی بالکل سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اسی وجہ سے حقیقی فطرت، جس پر اللہ نے اپنی پسند کا رنگ کر دیا ہے اور جسے اللہ نے ہی اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے، بدچلنی اور بہتان کی روش اختیار نہیں کر سکتی اور جھوٹ کو زیادہ مدت تک قبول نہیں کر سکتی۔ کسی بھی موقع پر، کسی بھی داعی کی جھنجھوڑ دینے والی گفتگو، کسی بھی آیت کی تلاوت یا سماعت، کسی بھی لمحے حقیقت پر سے باطل، جھوٹ اور بہتان کا ملبہ ہٹا کر بیدار ہو سکتی ہے اور پھر علی الاعلان حقیقت کا اظہار کر سکتی ہے۔

کتنے ہی لوگ آپ پر ظلم کریں، آپ کے ساتھ جھوٹ بولیں، آپ کے خلاف چالیں چلیں... آخر ایک نہ ایک روز آپ کی سچائی، آپ کا طویل صبر اُن کی فطرت کو جھنجھوڑ ڈالے گا اور آخر وہ آپ کے سامنے اپنی خطاؤں پر ندامت کے آنسو بہانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ فطرت کا یہی کام ہے۔ فطرت غلطی سے توبہ کی طرف لاتی ہے اور اسی دل کو محبت کے لیے کھول دیتی ہے جو پہلے باطل اور بہتان کو زیادہ عرصہ برداشت کرنے کی کچھ طاقت نہ رکھتا تھا۔

جھاگ اُڑ جاتا ہے:

عمل میں سچائی کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی۔ اللہ کوئی ایسا عمل قبول نہیں کرتا جو صدق دل سے نہ کیا گیا ہو۔

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً(سورۃ الملک:۲)

"تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے عمل کرنے والا کون ہے۔"

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں، میں اس کو درست کر دیتا ہوں اور اس طرح گویا کہ اسے نجات دے دیتا ہوں۔ یعنی اُسے سچائی پر عمل کرنے پر مجبور کر کے ریا کے عذاب سے نجات دے دیتا ہوں اور سچائی پر عمل سے کیا مراد ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق کر دیتا ہے اور اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کے مطابق ڈھال دیتا ہوں۔

سچائی کے بغیر کوئی عمل ٹھیک نہیں رہ سکتا۔ کوئی عمل درست نہیں ہو سکتا، ہم ثابت قدمی سے اُس پر قائم نہیں رہ سکتے اور افتراق وانتشار کا شکار ہو سکتے ہیں۔ کتنے خطیب جامع کلام نکال نکال کر لائے۔ اُن کی خوش الحانی نے آپ کو کتنا متاثر کیا...... وہ اپنی زبان سے ایسی باتوں کا اظہار کرتے رہے جن کا اُن کے دل میں کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا۔ لوگ اُن کے گرد جمع ہوتے رہے۔ لیکن میں مطمئن تھا کہ یہ گاڑی زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی کیونکہ جھاگ زیادہ دیر تک زمین پر نمودار نہیں رہ سکتا۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ(سورۃ الرعد:۱۷)

"اور جو جھاگ ہوتا ہے وہ خشک ہو کر اُڑ جاتا ہے اور جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہوتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔"

زمین میں حق کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہ سکتی۔ حق کے علاوہ کوئی کلام دیرپا نہیں ہو سکتا۔ خبیث اور باطل کلام کی زمین میں کوئی جڑیں نہیں ہوتیں، نہ ہی اُس کی زندگی کچھ بہت طویل ہوتی ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ○ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ○وَمَثلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ○(سورۃ ابراہیم:۲۴-۲۶)

"آپ نے دیکھا نہیں اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کی مثال کس چیز سے دی ہے۔ گویا کہ وہ ایک ایسا پیارا درخت ہے جس کا تنا مضبوط اور قائم اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے کہ شاید یہ لوگ نصیحت پکڑ جائیں اور برے کلمے کی مثال ایسی ہے گویا کہ ایک بڑا درخت ہو جو زمین سے اکھاڑ پھینکا گیا ہو اور جس کو کوئی قرار حاصل نہ ہو۔"

خبث، فطرت انسانی کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا۔ وہ بشریت کے دلوں میں اپنی جڑیں بنا ہی نہیں سکتا۔ فطرت انسانی کی گہرائیوں میں اُس کی جڑیں دور تک اُتری ہوئی نہیں ہوتیں۔ وہ کسی ہنگامی صورتِ حال کے طور پر وارد ہوتا ہے اور کچھ عرصے کے لیے باقی رہتا ہے۔ پھر وہ اتنی تیزی کے ساتھ غائب ہوتا ہے کہ جس طرح اگر جلد پر دانے اُگ آئیں تو وہ جلد ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ وہ پھوڑے پھنسیوں کی طرح ہوتا ہے۔ جسمِ انسانی جلد ہی اُن پر غلبہ پالیتا ہے اور وہ بشریت کے جسم پر سے ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتے ہیں۔

جب کہ اس کے مقابلے میں "حق" ہمیشہ ثابت، گہرا اور قائم ہوتا ہے۔ وہ دیرپا ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ سے ملاقات تک ہمارا ساتھ دیتا ہے اور اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ اللہ خود "حق" ہے، "حق" کی مدد کرتا ہے۔ اس کا دین "حق" ہے اور وہ "حق" کے علاوہ کسی کو ہیشگی نہیں بخشتا۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ(سورۃ الحج:۶۲)

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ خود "حق" ہے اور اُس کے علاوہ وہ جسے بھی پکارتے ہیں وہ "باطل" ہے۔"

اور فرمایا:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الأَرْضِ(سورۃ الرعد:۱۷)

"اور جو جھاگ ہوتا ہے وہ خشک ہو کر اُڑ جاتا ہے اور جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہوتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔"

لوگ جھوٹ کے کچھ مبلغوں کے گرد گھیرا ڈالے رکھتے تھے جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا لیکن میں مطمئن تھا کہ جھاگ زیادہ عرصہ برقرار نہ رہ سکے گا۔ مجھے علم اور اطمینان تھا کہ خبث باقی نہیں رہا کرتا۔ میں اپنے ساتھیوں کو بھی مطمئن کرتا تھا کہ "یہ فقاعات (بلبلے) ہیں، پانی کا ابال جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُل لاَّ يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ(سورۃ المائدہ:۱۰۰)

"کہو، خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے خواہ تمہیں خبیث کی کثرت کتنی ہی بھائے۔"

خبیث کا حال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا ملبہ اُسی پر گراتا رہتا ہے اور آخر کار اُسے خود اپنے اوپر ہی ایک روز بالکل ملبہ کر ڈالتا ہے اور پھر اُسے جہنم میں پھینک دیتا ہے۔ جہاں رہنے والے ہر صورت خسارے میں ہیں۔

دن گزرتے جا رہے ہیں اور زندگی کے مختلف تجربوں سے گزرتے ہوئے یہ خیال میرے دل میں گہری گہری جڑیں پکڑتا جا رہا ہے کہ جھاگ باقی نہیں رہتا۔ دھند ہمیشہ نہیں رہتی اور دائیں سے بائیں چلنے والی ایک ذرا سی ہوا کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے سلف رضوان اللہ علیہم ہمیشہ حق کی تلاش میں رہتے تھے خواہ وہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہمیشہ "سچ" کی جستجو میں رہتے خواہ وہ بھاری ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ظاہر اور باطن کی مطابقت کو

بہت اہمیت دیتے تھے خواہ یہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہوتا۔ اُن میں سے ہر شخص یہ کوشش کرتا کہ وہ چپکے چپکے اپنے اللہ کے ساتھ کچھ ایسے کام بھی کر گزرے جس کی کسی کو خبر نہ ہو اور جب لوگوں کو اُن کی اس خفیہ عبادت کا پتہ چلتا تو وہ فوراً لوگوں کی نظروں سے چھپنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ جاتے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب کسی سڑک پر چلتے تو دو مزدوروں کے درمیان ہو کر چلتے تاکہ لوگوں کو اُن کی طرف انگلی سے اشارہ کرنے کا موقع نہ ملے اور وہ انہیں مزدور سمجھ کر اُن پر توجہ نہ دے سکیں۔

ان لوگوں میں سے کوئی معرکے میں داخل ہوتا، بڑی غنیمت لے کر آتا تو نقاب اوڑھ کر لوگوں کے سامنے آتا تاکہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔

آپ سب اُس نقاب پوش کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جو مسلمہ بن عبد الملک کے لشکر میں آکر شامل ہوا۔ مسلمہ کو ایک قلعے کا محاصرہ کیے کئی دن ہو چکے تھے لیکن قلعہ فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ ایک رات ایک بہادر مسلمان اٹھا اور اس نے قلعے کی دیوار پر چڑھ کر قلعے کے اندر موجود چوکیداروں پر چھلانگ لگا دی۔ پھر اس نے قلعے داروں کو قتل کر کے قلعے کی فصیل میں ایک بڑا شگاف ڈال دیا۔ اسلامی لشکر اس شگاف سے اندر داخل ہو گیا اور آن کی آن میں اس نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ قلعے کی فتح کے بعد مسلمہ کافی دیر تک پکارتا رہا:

یہ نقاب پوش کون تھا؟

یہ نقاب پوش کون تھا؟

لیکن کوئی شخص آگے نہ بڑھا۔

رات ہوئی تو ایک نقاب پوش سوار مسلمہ کے خیمے میں داخل ہوا اور اس سے کہا ''کیا آپ اُس نقاب پوش کو جاننا چاہتے ہیں؟

کہا: ''ہاں''!

کہا: ''ایک شرط پر کہ آپ اس کا نام کسی کو نہیں بتائیں گے اور اُس کو نوازنے اور انعام دینے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

کہا: ''منظور ہے۔''

کہا: وہ ''میں'' ہوں... یہ کہا اور اپنا نام بتائے بغیر بھاگتا ہوا خیمے سے نکل گیا۔

اس واقعے کے بعد مسلمہ جب بھی قبلہ رو ہوتا یہ دعا ضرور کرتا کہ اے اللہ! مجھے اس نقاب پوش کے ساتھ اٹھائیو!

عمارت کے ستون

یہ سچے لوگ اور یہ عظیم ہیرو تھے جو اسلامی معاشرے کو اس وقت زوال سے بچاتے رہے۔ جب امراء اور حکام عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں مصروف تھے۔ وہ زمین کو زلزلوں کا شکار ہونے سے بچاتے تھے۔ وہ لوگوں کو تفریق و تمزیق (تقسیم) سے بچاتے تھے۔ یہ عظیم لوگ جو اسلامی معاشرے کے ہر دور میں موجود رہے ہیں جن کی نسبت اگرچہ گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے لیکن یہ اس عمارت کی بقا کے ستون تھے جسے ''اسلامی معاشرہ'' کہا جاتا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ سیمنٹ کے چار مضبوط ستون کس طرح اتنی بڑی عمارت کو سہار لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات سو سو منزلہ عمارت کو سہارے رہتے ہیں۔

جب بھی معاشرہ اس قسم کے سچے لوگوں سے خالی ہوا یا یہ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ ''اخفیاء، اتقیاء، ابریاء'' کہا کرتے تھے، کم ہوئے معاشرہ زوال، تفریق اور تمزیق کا شکار ہوتا گیا چنانچہ آج اسلام کی مشکل اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ اسلام کو صادقین اور اپنے رب کے ساتھ مخلص لوگوں کی کمی کا سامنا ہے۔ آج ہمیں اسی قسم کے اخفیاء، اتقیاء اور ابریاء لوگوں کی کمی کا سامنا ہے جو امت کی قیادت کرتے ہیں اور امت کی کشتی کھینچتے ہیں۔ امت کا بیڑہ کسی سچے اور مخلص ہاتھ میں ہو تو وہ اسے کھینچتا ہوا امن کے ساحل تک لے آتا ہے۔ وہ پوری امانت کے ساتھ اپنے قوت والے اور امین ہاتھوں کے ذریعے اس کی ساری مشکلات دور کر دیتا ہے۔ ایک سچا مجاہد جس کا کوئی نام بھی نہ جانتا ہو۔ جو ''جب ہوں تو کوئی اُن کو پہچاننے کی کوشش نہ کرے اور جب نہ ہوں تو کوئی انہیں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔'' کی عملی تفسیر ہو جس کے چہرے کی تھکن معرکے کی تکلیفوں سے نمٹتے نمٹتے چھپ چکی ہو، جس کے کانوں میں اسلحے اور طیاروں اور بموں اور ٹینکوں کی گھن گرج سما چکی ہو، اُس کے پاس فضول باتوں کو سننے کا وقت کہاں ہو سکتا ہے؟ وہ کسی کی غیبت کیسے سن سکتا ہے، کسی کا تجسس کیسے کر سکتا ہے؟ چغل خوری یا شک کیوں کر کر سکتا ہے؟ مسئلہ اس سے کہیں بڑا ہے۔ مسئلہ کوّوں کی کائیں کائیں اور مینڈکوں کی ٹرٹر سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے (ایک حسن حدیث میں) فرمایا:

''ہم (گنے کی لکڑی کا بنا ہوا) ایک آلہ جو پرانا ہو گیا تھا، ٹھیک کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہمیں دیکھ کر فرمایا: میرا خیال ہے کہ اس سے بھی جلدی کا کام ہے۔''

یعنی تم اپنا یہ آلہ ٹھیک کر رہے ہو حالانکہ آخرت کا کام اس سے بھی جلدی کا کام ہے۔ اسی وجہ سے آخرت کا خوف انہیں ہر دم مشغول رکھتا تھا۔ اللہ کی نگرانی اُن کی نظروں کو آوارہ ہونے سے بچائے رکھتی تھی۔ وہ دنیا کو اونچی چوٹیوں سے دیکھتے تھے، آسمان کی آفاقی دنیا میں پرواز کرنے والوں کے لیے یہ دنیا کتنی چھوٹی ہو جاتی ہے، کبھی آپ نے ہوائی جہاز کا سفر نہیں کیا؟ آپ زمین پر ہوں تو آپ کو ایئرپورٹ کتنا بڑا نظر آتا ہے لیکن جونہی آپ ایئرپورٹ کی حدود سے نکل کر آسمان میں بلند ہوتے ہیں بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بتدریج آپ کی نظروں سے

غائب ہونے لگتی ہیں۔ آپ آسمان کی لگامیں تھام لیتے ہیں۔ ثریا کے ہمرکاب نظر آتے ہیں اور اب آپ کو زمین کے ساتھ کوئی تعلق اور کوئی رابطہ محسوس نہیں ہوتا۔ سلف ایسے ہی تھے، سچے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، صالح لوگوں کی یہی شان ہوتی ہے۔

عمل کا بدلہ

اللہ عزّوجل کی حکمت، نعمت اور رحمت ہے کہ وہ انسانوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے کہ جو کچھ وہ اپنے ضمیروں میں چھپائے ہوئے ہوتے ہیں، اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے اور اُن کی نیت اور سینے کے رازوں کو ہی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

سبحان اللہ! ہر سزا خود ویسے ہی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہی ہمیں سنت نے سکھایا اور اس سے پہلے یہی کتاب نے فرمایا:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (سورۃ البقرۃ:۱۵۲)

"میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا۔"

مزید فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ (سورۃ الحشر:۱۹)

"ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے انھیں بھلا دیا۔"

مزید فرمایا:

نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ (سورۃ التوبۃ:۶۷)

"انہوں نے اللہ کو بھلا دیا پس اللہ نے انھیں بھلا دیا۔"

ایک جگہ فرمایا:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ○ (سورۃ آلِ عمران:۵۴)

"انھوں نے چال چلی، اللہ نے بھی چال چلی۔ اللہ بہترین چال چلنے والا ہے۔"

ایک اور جگہ فرمایا:

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ○ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ (سورۃ النمل:۵۲،۵۱)

"اُن کی چال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے انھیں اور ان کی قوم کو بالکل تباہ کر دیا۔ (یہ دیکھیے) یہ اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن کے گھر اُلٹے پڑے ہیں۔ اس میں علم رکھنے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔"

ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "تورات میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودے گا، اللہ تعالیٰ خود اُس کو ہی اس گڑھے میں گرائے گا۔"

فرمایا: "یہ تو قرآن میں بھی لکھا ہے:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ۔ (سورۃ الفاطر:۴۳)

بری چال خود اپنے چلنے والے ہی کو گھیرتی ہے"

ظلم کا سب سے پہلا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ وہ خود ظالم پر آپڑتا ہے:

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ (سورۃ النحل:۱۱۸)

"ہم نے تو اُن پر (کوئی) ظلم نہیں کیا انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا۔"

اسی طرح مکر اور چالبازی کا نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے:

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ○ (سورۃ النمل:۵۱)

"دیکھیے اُن کے مکر کا کیا نتیجہ نکلا ہم نے اُن کو اُن کی قوم سمیت مکمل تباہ کر دیا۔"

اسی طرح چال چلنے والا بھی اپنے خلاف اللہ کو چال چلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

تو برادرِ عزیز!

اگر صورت حال یہ ہے تو خبردار یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے دل میں چھپی بات کسی طرح بھی اللہ سے چھپی رہ سکے گی۔ ممکن ہے آپ اسے لوگوں سے کچھ دیر کے لیے چھپانے میں کامیاب ہو جائیں لیکن آپ اسے اس علّام الغیوب سے کیسے چھپائیں گے جس نے دل بنائے اور جس کے ہاتھ میں اس کی کنجیاں ہیں؟

خبردار پیارے بھائی! اللہ سے کوئی بات راز رکھنے کی کوشش نہ کرنا۔

خبردار! کوئی ایسا ارادہ نہ باندھنا اور کوئی ایسی نیت نہ کرنا جو اللہ عزوجل کے ہاں مقبول نہ ہو۔

خبردار... خبردار!

إنّما الأعمال بالنّيات وإنّما لكلّ امرى ما نوى فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله، ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها او امراة ينكحها فهجرته الى ما هاجر اليه

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے جس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہو گی۔ اُس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہی ہو گی۔ اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے ارادے سے نیت کی ہو گی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہو گی جس کی اس نے نیت کی ہو گی۔"

میں کہتا ہوں کہ اس بھائی کا جواب کتنا ہلا دینے والا ہے کہ جب میں نے اُس سے کہا کہ "تم اس ملک میں شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

کہا: "تاکہ میری ہجرت شادی کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے تاکہ میری ہجرت دنیا کے ساتھ نہ مل جائے۔"

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

علاقائی اور عالمی جہاد......ایک جنگ کے دو محاذ

فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

دنیا بھر میں بسنے والے میرے مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نیویارک، واشنگٹن اور پنسلوینیا پر مبارک غزوات کے اٹھارہ سال پورے ہو رہے ہیں، جبکہ امریکہ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی صلیبی صہیونی عداوت کا اظہار آئے روز کر رہا ہے۔ ٹرمپ نے بیت المقدس میں اپنا سفارت خانہ منتقل کرنے کے بعد گولان کے پہاڑوں پر بھی اسرائیلی حق کا اعلان کر دیا، تاکہ اس کے مسلم دشمن چہرے پر معمولی حجاب بھی نہ رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ میں اکثر صہیونی[1] غیر یہود رہے ہیں، ملحد نپولین ہو، بالفور ہو، جس کے نام سے اعلانِ بالفور مشہور ہے، مارک سائیکس ہو، جو خلافت عثمانیہ کے خلاف سائیکس پیکو معاہدے میں شریک تھا، لارنس آف عریبیہ نامی جاسوس ہو، جس نے خلافت عثمانیہ کے خلاف عرب انقلابات کو منظم کیا، امریکی مبلغین ہوں، جنہوں نے شامی یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی میں (عرب) قوم پرستی کے بیج بوئے، یا امریکہ کے اکثر صدور، جن میں سے آخری ٹرمپ ہے، اور ان کے علاوہ ہزاروں دیگر صہیونی...... یہ سب کے سب غیر یہودی صہیونی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ صہیونی ہر جگہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے اور دنیا کے کونے کونے سے انہوں نے یہودیوں کو اکٹھا کر کے اسرائیل میں بسا دیا۔ پس ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم ان کے خلاف ہر جگہ اپنے معرکوں کو منتقل کر دیں۔

فلسطین اور دنیا بھر کے میرے دیگر مجاہد بھائیو!

فلسطین پر ایک نظر ڈالیے، اس کا زیادہ تر علاقہ اسرائیل کے زیرِ تسلط ہے اور جو نہیں ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک حصہ مغربی کنارہ کہلاتا ہے اور دوسرا غزہ کی پٹی ہے۔ جو مغربی حصہ ہے اس پر براہِ راست اسرائیلی استخبارات کی حکومت ہے جبکہ غزہ محصور ہے اور اس کی اس نے مکمل طور پر ناکہ بندی کی ہوئی ہے۔ یہاں مجاہدین اپنی بھرپور کوشش کے بعد جب میزائل فائر کرتے ہیں—اللہ اس پر انہیں جزائے خیر دے—تو جواب میں اسرائیل انتہائی تباہ کن بمباری کرتا ہے۔ اسی طرح ذلیل وخائن سیسی کی حکومت نے بھی غزہ کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس سے عالمی مجرمین اور اسرائیل نے جہادِ فلسطین کا گلا گھونٹ دیا ہے اور مجاہدین کو مکمل طور پر زمین سے لگا دیا ہے، جس کے نتیجے میں ان کے پاس لڑنے کے لیے انتہائی تنگ اور برائے نام گنجائش ہی باقی بچتی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ مجاہدین اور مسلمانوں پر یہ حصار توڑنا لازم ہے اور یہ صرف اُس صورت میں توڑا جا سکتا ہے جب اسرائیل اور عالمی مجرمین کے خلاف معرکہ پوری دنیا میں پھیلایا جائے۔ وہ فدائی مجاہد جو اسرائیل کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ فلسطین سے باہر ان مجرمین کے خلاف لڑ سکے جنہوں نے فلسطین کی ناکہ بندی کی ہوئی ہے اور جو مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ فدائی مجاہد کو بس یہ دیکھنا چاہیے کہ ہدف کا انتخاب شریعت کے مطابق ہو، اسے یقین ہو کہ اُن لوگوں کو نقصان نہیں ہو گا جن کو نقصان دینا شریعت میں منع ہے، وہ دیکھ لے کہ اس کی کارروائی کے فوائد (مصالح) مفاسد سے زیادہ ہیں، اس سب کچھ کا وہ جائزہ لے اور پھر اللہ پر توکل کرتے ہوئے کارروائی کرے۔ ہاں اس سے پہلے یہ پیغام ضرور چھوڑ دے کہ یہ فلسطین اور دیگر مسلمان ممالک میں تمہارے جرائم کا بدلہ ہے[2]۔ صرف اس طریقے سے ہی ہم اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے ہیں اور انہیں مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے کرتوتوں پر نظر ثانی کریں۔

پس اے فلسطین اور پوری امت کے میرے مجاہد بھائیو!

اسرائیلی اور ان کے اتحادی، امریکی، برطانوی، فرانسیسی، روسی اور یورپی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جس طرح وہ پوری دنیا سے ہمارے اوپر حملہ آور ہیں اور ہمارے خلاف صبح و شام سازشیں کر رہے ہیں، اسی طرح ہم بھی پوری دنیا میں جہاں اور جب موقع ملے، ان کا پیچھا کریں اور ان پر ضربیں لگائیں۔

فلسطین اور پوری امت کے میرے مجاہد بھائیو!

اللہ پر توکل کرو، اللہ ہی سے مدد مانگو اور دشمن کا پیچھا کرو...اور یاد رکھو! اس معرکے میں تمہاری مدد کرنے والے بہت زیادہ نہیں ہوں گے، لیکن اس کے باوجود بھی تم حوصلہ مت ہارو اور بس اللہ ہی سے مدد مانگو۔ اپنے طریقۂ جنگ میں نئے طریقے اور نئے انداز کا اضافہ کیجیے۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں (ان میں جو شہید ہیں اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے، جو قید ہیں، انہیں رہائی دے اور جو میدان میں باقی ہیں ان کی حفاظت فرمائے) نے (عام استعمال کے) ہوائی جہازوں کو خطرناک ترین ہتھیاروں میں تبدیل کیا۔ تورا بورا میں، استاد یاسر نے جب شیخ اسامہ بن لادن (اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے) سے ملاقات کی تو فرمایا کہ گیارہ ستمبر سے پہلے اگر کوئی جہاز اغوا کرتا تو وہ پریشان ہوتا کہ اسے کہاں اتارے، کوئی ایئر پورٹ اُسے جگہ نہیں دیتا تھا، مگر اب معاملہ آسان ہو گیا ہے، اب اگر کوئی جہاز اغوا کرے تو منزل واضح ہے، بس اسے دشمن کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرے۔

فلسطین اور پوری امت کے میرے مسلمان بھائیو!

---

[1] ارض فلسطین پر یہودی ریاست کی حمایت و تائید کرنے والوں کو صہیونی کہتے ہیں۔

[2] الحمد للہ! فلوریڈا، امریکہ میں محمد سعید الشمرانی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرز پر کارروائی کی ہے، اللہ ان سے راضی ہو۔

ہمیں اس معرکے کی حقیقت سمجھنی چاہیے۔ یہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف ایک عالمی صلیبی جنگ ہے۔ اس میں علاقائی جہاد اور عالمی جہاد کے بیچ تفریق ممکن نہیں ہے۔ امریکہ کی فوجیں، افغانستان، عراق، شام، خلیجی ممالک، جزیرۂ عرب اور مشرقی افریقہ پر قابض ہیں۔ یہ اسرائیل کی تائید و معاونت کرتی ہیں، یہ پاکستان کے خائن جرنیلوں کی بھی مدد کر رہی ہیں، اس کے فوجی اڈے ترکی کی سرزمین پر بھی پنجے گاڑے ہوئے ہیں اور یہی امریکہ مصر میں سیسی اور لیبیا میں جنرل حفتر کو مضبوط کرتا ہے۔ امریکہ کبھی نہیں چاہتا کہ یہ جہاد عالمی بن جائے اور اس کے شعلے ان کے گھروں کو لپیٹ میں لے لیں اور دیارِ مغرب تک یہ آگ پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کو اس کے گھر کے اندر ضربیں پڑیں تو اسے اس اسلوبِ جہاد کے خطرے کا احساس ہوا۔ پھر جب اسی اسلوب پر میڈرڈ اور لندن میں بھی کارروائیاں ہوئیں تو اس نے اس جہاد کو دہشت گردی کا نام دے کر اس کے خلاف پراپیگنڈے کا میدان گرم کر دیا۔ ان کے اس پراپیگنڈے پر، اصول و مبادی کو پیٹھ پیچھے پھینکنے والے درباری علما اور تنخواہ دار، ملازمتوں والے فقہانے بھی فوراً لبیک کہہ دیا اور لوگوں کو جہاد سے ڈرانے لگے اور اس پر غلط اعتراضات کرنے لگے۔ ایسے میں، جیلوں میں موجود ایسے قیدی بھی تھے جو ہر اچھی بری قیمت پر جیل سے نکلنا چاہتے تھے، ان کے ساتھ 'کچھ لو اور کچھ دو' کی ڈیل کی گئی اور ان کو نکالا گیا۔ یوں یہ سب 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ کے امریکی گیت میں سُر ملانے لگے۔ سبحان اللہ! آج حال یہ ہے کہ سب نہیں تو ان میں سے اکثر پر آج ان کی حکومتیں دہشت گردی کا الزام لگا رہی ہیں۔[1] پہلے جب مجاہدین ان حکومتوں کے خلاف مزاحمت کرتے تھے تو کہا جاتا تھا کہ "یہ جہاد صحیح نہیں ہے، ضروری ہے کہ ایسا جہاد ہو جس پر امت متفق ہو"۔ پھر جب مجاہدین نے امت کے اولین دشمن، امریکہ پر حملے کیے تو تنقید کرنے والے اس پر بھی تنقید کرنے لگے اور اسے عالمی دہشت گردی کا نام دیا۔ جیلوں میں اپنے بنیادی دینی اصولوں سے جنہوں نے 'توبہ' کی، وہ ایسے نظریات کے ساتھ ہمارے اوپر حملہ آور ہوئے کہ جن کو صحیح ماننا تو دور کی بات، ان نظریات پر نظر تک ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنی عقل کو ایک طرف رکھ دے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے انور سادات کے قتل کے موقع پر اسے شہیدِ فتنہ کا نام دیا تھا اور گیارہ ستمبر کے بعد بھی انہوں نے کہا کہ امریکہ کے خلاف جہاد تبھی ممکن ہے جب ہم امریکہ کے ایجنٹ، مقامی طواغیت کے صحیح طرح اطاعت گزار بن جائیں۔ اب اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا کُلی طور پر جہاد چھوڑنے کے علاوہ بھی کوئی مطلب ہو سکتا ہے؟ یہ 'بے گناہ (امریکی) شہریوں' کے قتل کے بینر استعمال کرنے لگے اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں معصوم شہریوں کو مارا ہے۔ ہم نے اللہ کے فضل سے ان تمام باتوں کے شرعی جوابات دیے ہیں جس سے ان شبہات کو ڈھیر ہو جانا چاہیے۔ لیکن الزامی جواب کے طور پر، میں یہ شبہ پھیلانے والے کو کہتا ہوں کہ اگر تم سمجھتے ہو (اور یقیناً یہ سمجھنا غلط ہے) کہ ہم نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بے گناہ امریکی عوام کو مارا ہے، تو سوال یہ ہے کہ پینٹاگون میں بیٹھے امریکی جرنیل بھی کیا بے گناہ اور معصوم تھے؟ ان پر بھی حملہ ہوا تھا! کیا یہ مسلمانوں کے خلاف بدترین جرائم کے مرتکب نہیں ہیں اور کیا یہ دنیا کے سب سے بڑے مجرمین نہیں ہیں؟ کیا ان کو مارنا بھی غلط تھا؟ (ان پر حملے کو تو صحیح کہہ دو!)۔ نائن الیون کے حملے میں جہاز کانگریس اور وائٹ ہاؤس کو مارنے کے لیے بھی جا رہا تھا، کیا اس کا ہدف بھی معصومین تھے؟ (پھر اس کی حمایت کیوں نہیں کرتے؟)۔ پھر اگر آپ چاہتے ہیں کہ جہاد صرف افواج کے خلاف ہونا چاہیے تو آیئے پوری دنیا میں امریکی فوجی کیمپ بکھرے پڑے ہیں، خود آپ کے اپنے ملک میں بھی بے شمار امریکی فوجی ہیں، جو ہر طرح کے فساد کے ذمہ دار ہیں، آیئے! ان پر حملہ کیجیے اور ہمیں اپنا صاف ستھرا جہاد دکھایئے! مسلمانوں کی سرزمینیں اور پوری دنیا میں برطانوی، فرانسیسی اور نیٹو کی افواج بے تحاشہ ہیں، یہ سب فلسطینی مسلمانوں کے خلاف اسرائیلی جرائم میں حصہ دار ہیں اور ان کو تقویت دیتی ہیں، تو آیئے ان پر حملہ کیجیے اور ان سے مسلمانوں کا بدلہ لیجیے! فرانس نے پورے مالی پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ساحل و صحرا (نامی علاقوں میں) مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہا ہے، آپ نے کیوں اس سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور کیوں اپنے مسلمان بھائیوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے؟ کیا ان کے خلاف لڑنا، مسلمانوں کی مقدّسات پر حملہ آور صلیبی دشمن کے خلاف جہاد نہیں ہے؟ امریکہ اور اس کے اتحادی، صومالیہ اور مشرقی افریقہ میں مظالم ڈھا رہے ہیں، تم اس فرضِ عین دفاعی جہاد اور مسلمانوں کی واجب نصرت سے کہاں غائب ہو؟ کیا یہ مسلمانوں کی سرزمین اور مسلمان عوام پر صلیبی حملہ نہیں ہے؟ کیوں تم اس سے کنارے پر کھڑے ہو؟ روس نے مسلم سرزمین قوقاز پر قبضہ جمایا ہوا ہے اور شام کے مظلوم مسلمانوں کا اس نے بے دریغ خون بہایا، یہ اسرائیل کی تائید و حمایت کرتا ہے، پھر کیوں آپ اس کے اُن فوجی اڈّوں کو کچھ نہیں کہتے ہیں جو پوری دنیا میں بکھرے پڑے ہیں؟ بجائے اس کے کہ آپ مجرم قدیروف المافیوی کی تائید کریں، آیئے روس کے خلاف جہاد کیجیے۔ کشمیر میں ہندو فوج قابض ہے اور ہمارے مسلمان بھائیوں پر مظالم ڈھا رہی ہے، آپ کیوں ان کے خلاف نہیں لڑتے ہیں اور کیونکر کشمیری مجاہدین کی مدد سے ہاتھ کھینچے ہوئے ہیں؟ چین نے مشرقی ترکستان پر قبضہ جمایا ہوا ہے تو آپ کیوں اس کے خلاف جہاد نہیں کر رہے ہیں؟ کیوں مجاہدینِ ترکستان کی نصرت نہیں کر رہے ہیں؟ اسرائیلی سفارت خانے اور اس کے مفادات پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، بجائے اس کے کہ آپ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے موضوع پر بحث میں اپنا وقت ضائع کریں، آیئے ان صاف ستھرے اہداف پر ضربیں لگایئے۔

امریکہ نے جب نام نہاد 'دہشت گردی' کے خلاف حملہ شروع کیا تو صفوی ایران نے اپنے طریقے سے اس میں شرکت کی اور اپنے لاؤڈ اسپیکروں سے (نائن الیون کے متعلق) یہ جھوٹا ڈرامہ نشر کیا کہ 'یہ یہودی سازش ہے!' ان صفویوں کا اپنے مخالفین کے ساتھ یہی طریقہ ہے۔

[1] قرضاوی جیسے علماء مراد ہیں، جنہوں نے معاصر تحریکِ جہاد کو دہشت گردی کہا تھا اور امریکی فوج میں موجود مسلمانوں کے لیے افغانستان کے حملہ میں شریک ہونے کو جائز قرار دیا تھا، مگر آج محمد بن سلمان کی حکومت نے انہیں بھی دہشت گردوں کی لسٹ میں شامل کر دیا ہے۔

یہاں تک کہ آپس میں بھی جب الیکشن کے موقع پر یہ اختلاف کرتے ہیں تو ایک دوسرے پر اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں۔ جہاں تک ایران کا تعلق ہے تو یہ افغانستان اور عراق کے خلاف جنگ میں امریکہ کا علانیہ شریک رہا اور اس کی شیعہ ملیشیات امریکی اجازت، موافقت اور اس کی تقسیمِ کار کے مطابق شام و یمن میں مسلمانوں کے خلاف لڑ رہی ہیں۔ انسان ہنسے یا روئے کہ ایرانی ملیشیا جب خود ساختہ خلیفہ، ابراہیم البدری (بغدادی) کے خلاف لڑتیں تو ان کے سروں پر امریکی جہاز ہوتے اور امریکیوں ہی کے مرتب کردہ منصوبے کے مطابق یہ آگے پیچھے ہوتے، اور اس کے باوجود، ایسے وقت میں جب کہ ان کے سروں پر یہ امریکی جہاز ہوتے، یہ ویڈیوز بنا بنا کر اپنے آپ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے تنہا فاتح بتاتے۔ مقصد یہ ہے کہ ایران، افغانستان، عراق، شام اور یمن میں امریکہ کا موافق رہا۔ بعض جگہوں پر یہ مخالف بھی رہا، کبھی یہ اس کے ساتھ معاہدات کرتا ہے اور کبھی اس سے جدا ہو کر اس کے خلاف پراپیگنڈا کرتا ہے۔ اصل میں ایران کی بھرپور کوشش ہے کہ اہلِ سنت کی فتح کی حقیقت کہیں واضح نہ ہو اور یہ نظر نہ آئے کہ امریکہ کے اصل دشمن اہلِ سنت ہیں۔ اس کی سعی ہے کہ صلیبی حملے کے خلاف اہلِ سنت کے ہراول دستہ ہونے کا کردار کہیں ظاہر نہ ہو، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی فارس و روم کی فتوحات سے لے کر آج تک، امت کا دفاع یہی اہلِ سنت کر رہے ہیں۔ اگر صحابہ کا جہاد نہ ہوتا تو آج اہلِ فارس مجوسی ہوتے اور آگ کی پوجا کر رہے ہوتے، مگر یہ صحابہ ہی تھے جو انہیں اندھیروں سے اسلام کے نور میں لائے، جیسا کہ حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ: ''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے، کہ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لائیں اور انہیں باطل ادیان کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل میں داخل کریں''۔ صحابہ نے ان اہلِ فارس کے ساتھ یہ احسان کیا اور انہوں نے اس احسان کا کیا بدلہ دیا؟ انہوں نے ان کی تکفیر کی، ساء ما یحکمون، بہت ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

پوری دنیا کے میرے مسلمان بھائیو!

امریکہ صرف اور صرف طاقت کی زبان جانتا ہے۔ جس نے اس کا قوت کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس کے سامنے کھڑا ہوا، ان کے ساتھ اس نے مذاکرات کیے اور سمجھوتا کیا اور جو اس کے سامنے جھک گیا، اس نے اس کا ستیاناس کیا۔ امارتِ اسلامیہ کی مثال دیکھیے! امارت نے اس کی اینٹ کا جواب جب پتھر سے دیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کیا تو یہ اس کے سامنے مذاکرات کی بھیک مانگنے لگا تاکہ افغانستان سے اس کی جان چھوٹے، جبکہ دوسری طرف، دیگر لوگوں نے جب اس کے سامنے کمزوری دکھائی اور اپنے اصول و مبادی سے پیچھے ہٹے تو اس نے ان پر قصّاب اور جلّاد مسلط کیے اور انہیں جلاوطن کیا، جیلوں میں ڈالا اور سزائیں دلوائیں۔[1] یہ وہی شریف حسین کا قصہ ہے جو اس کے ساتھ برطانیہ نے کیا، فاعتبروا یا أولي الأبصار، پس عبرت پکڑو اے بینائی رکھنے والو!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

بقایا مع الأستاذ فاروق

'وہ دے چلے جہاں میں توحید کی گواہی'، شائع کردہ 'ادارہ حطین' میں ذکر کیا ہے، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مجلس میں استاذ اپنے استاد و شیخ، فقیہ و مرابط شیخ ابو یحییٰ اللیبی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے دیر تک موضوعِ 'زہد' پر گفتگو فرماتے رہے اور شیخ ابو یحییٰ سے استفادہ کرتے رہے۔

ہم بریانی کھاتے رہے، عارف بھائی اور چند دیگر ساتھی مستقل ساتھیوں کے سامنے بریانی نکال نکال کر رکھتے رہے، سب نے سیر ہو کر کھایا اور اللہ پاک عارف بھائی اور دیگر میزبان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے کہ انہوں نے خود ایک نوالہ بھی نہیں کھایا اور بریانی ساری کی ساری ختم ہو گئی۔ پھر یہ کہ یہ نہ کھانے والی بات پتہ بھی چند ہی ساتھیوں کو چلی، بلکہ مجھے بھی یوں پتہ چلی کہ جب کھانے کی محفل برخاست ہوئی، مہمان مجاہد قائدین اور مہمان مجاہدین (جو استاذ کے اپنے مجموعے سے بھی متعلقہ تھے اور دیگر مجموعات سے بھی) بشمول استاذ، مضافے سے چلے گئے اور پیچھے پانچ چھ ساتھیوں میں رہ جانے والوں میں ایک راقم بھی بچ گیا تب، ساتھیوں نے دوبارہ کھانا چڑھایا اور اس بار بھی عارف بھائی ہی پکاتے رہے اور پھر کافی دیر بعد کھانا کھایا۔

عید کے دِن کی یہ مجلس تو برخاست ہو گئی اور ساتھ ہی زیرِ نظر محفلِ استاذ کا احوال بھی روکتا ہوں۔ ان شاء اللہ اگلی نشست میں مذکورہ بالا شہداء جن کو میں جانتا ہوں کے متعلق لکھا جائے گا۔ و ما توفيقي إلّا بالله۔

و آخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العالمين۔ و صلى الله على نبينا و قرة أعيننا محمد و على آله و صحبه و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء سے ۹ نومبر ۲۰۱۹ء تک

یا الٰہی بھیج دے محمود کوئی۔ یا الٰہی ہندوستان کے مسلمانوں کو جہاد کے عظیم راستے میں کھپنے کی توفیق دے، آمین۔

★★★★★

[1] مصر میں اخوان المسلمون کی حکومت کے ساتھ جو ہوا، یہ اس کی واضح دلیل ہے۔ (مترجم)

عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا!

الشیخ ابو ہریرہ قاسم الریمی حفظہ اللہ

یوں تو شیخ قاسم الریمی (امیر جماعت قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب) کا یہ بیان مجاہدینِ شام، ان کے امراء و علماء اور شامی عوام کو مخاطب ہے، لیکن اس میں خراسان و برصغیر کے مجاہدین و محبین جہاد کے استفادہ کے لیے بھی بہت مفید نصائح موجود ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں، جس کا فرمانِ مبارک ہے: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾[1] اور درود و سلام ہو اشرف المخلوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو فرماتے ہیں: ''إنَّ اللّٰهَ تَكَفَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ'' ''اللہ نے میرے لیے شام اور اس کے لوگوں میں برکت رکھی ہے''۔

اسلامی شام میں موجود اپنے عزیز مسلمان بھائیوں کے نام...السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خوش رہیے اور اپنے رب سے اچھا اور خیر کا گمان کیجیے۔ وہ رب جس نے ''مالنا غیرك یا الله''، ''اے اللہ! ہمارا تیرے سوا کوئی نہیں'' کہنے کی توفیق و ہدایت آپ کو دی ہے، وہ آپ کو نہ کبھی اکیلا چھوڑے گا اور نہ ہی آپ کا اجر ضائع کرے گا۔ اللہ کی نصرت آپ کے فرزندانِ مجاہدین کی نصرت میں ہے، یہی مجاہدین آپ کے بیٹے و محافظ ہیں۔ اللہ کے بعد یہی مجاہدین آپ کی حفاظت اور ساتھ دینے کے لیے ہیں۔ پس ان کی مدد کیجیے، انہیں پناہ دیجیے اور ان کے لیے اپنے دل کھول دیجیے۔ ان کے خلاف کسی منافق اور مرجف (پھسلانے، گرانے والے) کی بات پر یقین مت کیجیے، اُس اللہ پر توکل کیجیے جو ہمیشہ زندہ ہے اور جس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔

یہ مجاہدین اس فرض کو ادا کر رہے ہیں جو ہم سب کی ذمہ داری ہے، ہم سب پر فرض ہے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کا فرض ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ اور عرب و عجم میں ان کے معاون طواغیت کے خلاف دفاع کا فرض ہے۔ پس ہم پر ان مجاہدین کی مدد و نصرت فرض ہے، ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی تائید کریں، ان کے حق میں اللہ سے دعائیں مانگیں، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں اور انہیں نصیحت کریں اور ہر لحاظ سے ہم ان کے ساتھ کھڑے رہیں۔

یہاں ہم شام کی محبوب سرزمین میں مصروف اپنے بھائیوں کے لیے تین پیغامات عرض کریں گے۔ واللہ! ہم آپ کی پریشانیاں کم کرنا چاہتے ہیں، اور یہ پریشانیاں اگر کم نہ کر سکے تو کم از کم آپ کے ساتھ ان میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہماری یہ باتیں آپ کے غموں کو ہلکا کرنے والی ثابت ہوں اور یہ باتیں آپ کے لیے مفید ہوں، نہ کہ آپ کے لیے نقصان کا باعث ہوں۔

مجاہد سپاہی کے نام پیغام!

ہمارا پہلا پیغام مجاہد بھائی کے لیے ہے اور یقیناً اسلام میں مجاہد سپاہی کا مرتبہ انتہائی عظیم ہے۔ اے مجاہد بھائی! سب سے اہم ترین معاملہ نیت کا ہے۔ اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص کر لو۔ حالات و واقعات کبھی تمہاری نیت خراب نہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا قتال کسی جماعت یا کسی فرد کی خاطر ہو جائے۔ نہیں! اپنا قتال صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے خالص رکھو۔ اے شیرو! معروف میں اپنے امرا کی سمع وطاعت کرو، چاہے ان کے اوامر تمہیں اچھے لگیں یا برے۔ اگر آپ کو امیر کا حکم پسند نہیں تو یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ آپ کی رائے آپ کے امیر کی رائے کے موافق ہو تبھی آپ عمل کریں۔ نہیں! ایسا بالکل نہیں ہے۔ امیر کا حکم دائرۂ شریعت کے اندر ہو تو مامور کو چاہے یہ پسند نہ بھی ہو، اس پر اس کی تعمیل واجب ہے۔ میرے بھائی! ایسا نہ ہو کہ آپ ان 'مامورین' کی طرح بن جائیں جو اپنے امیر کو زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے پیغام دیتے ہیں کہ اگر تم نے ہمارا امیر ہونا ہے تو تمہیں ہماری (ہی) سمع وطاعت کرنی ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ امیر کے جو اوامر تمہیں اچھے نہ لگیں ان کی تعمیل میں سستی دکھاؤ یا ان پر عمل سے جی چراؤ، ایسا ہوا تو واللہ یہ ایک قاتل مرض ہے۔ اے میرے مجاہد بھائی! ایسا نہ ہو کہ تمہارے امیر نے اگر تمہیں کوئی کام کہنا ہو تو وہ تمہارے سامنے ایک طویل مقدمہ پیش کرنے پر مجبور ہو۔ وہ مجبور ہو کہ تمہیں اس کے اسباب و حِکَم (حکمتیں) سمجھائے، ورنہ تم اس پر عمل نہیں کرو گے۔ ایسا اگر ہو تو واللہ یہ بہت بڑی حق ناشناسی اور واضح ظلم ہے۔ یاد رکھیے! بعض اوقات امیر آپ کو ساری تفاصیل نہ بتانے پر مجبور ہوتا ہے۔ بعض امور صرف خاص لوگوں کو بتانے والے ہوتے ہیں اور بعض تو خواص کے بیچ بھی خاص الخاص کو ہی بتائے جا سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا امیر بعض اوقات ایسے فیصلے کرے جو آپ کے نزدیک مرجوح (جائز، مگر غیر اولیٰ) ہوں۔ آپ کے نزدیک کوئی اور فیصلہ اولیٰ ہو گا، مگر امیر کی مجبوری ہوتی ہے، وہ آپ کو بتا نہیں سکتا کہ کیوں اس نے غیر اولیٰ پر عمل کیا۔ اگر وہ اس سبب کا اظہار کرے تو نقصان ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ بس احکامات کی پیروی کریں، چاہے آپ کو حکمت نہ بھی پتہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد کیجیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ فرمایا: ''اے معاذ! تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا

---

[1] الروم: ۴۷۔ ترجمہ: ''اور اہل ایمان کی نصرت ہم پر لازم تھی''۔

اللہ پر کیا حق ہے؟" معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ بندے اللہ کی عبادت کریں اور اس عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کریں، اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، اللہ اُس کو عذاب نہیں دیں گے"، معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں! لوگ عمل سے رک جائیں گے"۔ تو ہر علم دوسروں کو بتانا ضروری نہیں اور نہ ہی ہر اس کام کا کرنا لازم ہوتا ہے جو حکم کے لحاظ سے جائز ہو (کتنے ہی ایسے کام ہیں جو فی الاصل تو جائز ہوتے ہیں مگر ان کے کرنے سے ایسے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن کے سبب ان کا کرنا ناجائز ٹھہرتا ہے)۔

اے میرے محترم! جان لو کہ آپ کا امیر سب کا امیر ہے اور سب اسی پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کے کندھوں پر سب کا بوجھ ہے۔ وہ سب کے بارے میں سوچتا ہے۔ لہٰذا اپنے امیر کی مدد کرو اور بچو اس سے کہ تمہارا امیر اس حالت کو پہنچ جائے کہ وہ ہر قدم اٹھانے اور ہر فیصلہ کرنے سے پہلے دس دفعہ سوچے کہ اس کا فلاں ساتھی کے دل پر کیا اثر ہو گا یا اس سے فلاں کے دین واخلاق متاثر تو نہیں ہوں گے...... یا فلاں اس فیصلے کو قبول کرے گا یا نہیں! اپنی حسّاسیتیں اور اپنی نازک مزاجیاں اپنے قدموں تلے روند ڈالو! امیر کا حکم اور اس کا قول تمہارے لیے سر کا تاج ہو۔ یاد رکھیے! (جماعت و جہاد میں) وہ سر ہے اور تم جسم ہو (یعنی جسم سر کے بغیر نہیں اور سر جسم کے بغیر نہیں اور سر کا اپنا کام ہے اور باقی جسم کا اپنا)۔ تمہیں امیر کے اختیار اور رضا کو قبول کرنا چاہیے۔ امیر سے زیادہ (بوجھ اٹھانے والا) جماعت میں کون ہے؟ وہی ہے جو قاضیوں اور علما کو دیکھتا ہے اور وہی ہے جس کی طرف عسکری و امنیتی (سکیورٹی) امور کے لیے رجوع کیا جاتا ہے۔ تمام امور کا دروازہ بھی وہ ہے اور امور چلانے والا بھی وہ۔ وہ آپ کے لیے بمنزلہ والد ہے، وہ یتیم کا کفیل بھی ہے اور سب کا غمگسار بھی۔ بچو اس سے کہ تم اُن بدنصیبوں کی طرح بن جاؤ جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ افراد اور جماعتوں میں خامیاں ڈھونڈتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو نصیحت کرو، اگر نصیحت قبول نہیں کرتے ہوں تو یہ جسم کا متعدی مرض ہے، ان سے دور ہو جاؤ۔

طعن اور چغل خوری کرنے والوں سے اپنے آپ کو دور رکھو اور انہیں اللہ کا یہ فرمان یاد دلاؤ: ﴿وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ﴾[1]۔ اور اُن امور کے پیچھے مت پڑو جن کا بوجھ تمہارے سر نہیں۔ امرا کے اپنے کام ہیں اور تمہارے اپنے کام۔ اللہ کا شکر کرو کہ اللہ نے تمہیں اُس بوجھ سے محفوظ رکھا ہے جو امرا کے کندھوں پر ہے۔ ان (چغل خوروں) کی طرف متوجہ مت ہو، ان کے لیے صرف خیر خواہی، تذکیر اور اصلاح کا جذبہ تم میں ہونا چاہیے۔ اے میرے مجاہد سپاہی بھائی! اگر تم دیکھتے ہو کہ تمہارے امرا عام مسلمانوں کی مصلحت و فائدے کی خاطر اپنا اور آپ کا حق چھوڑ رہے ہوں تو ان کی مدد کرو اور ان کے دست و بازو بن جاؤ اور ان کی مساعی میں باعثِ برکت بن جاؤ! اگر اس کے برعکس آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے امرا دوسری جہادی جماعتوں کے ساتھ الجھتے ہیں، ان کے ساتھ حسد کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان کا محاسبہ کرتے ہیں تو انہیں نصیحت کرو اور اس رویے کے عواقب سے انہیں ڈراؤ۔ اگر وہ نہ مانیں تو تم اپنی حالت پر روؤ اور اس کے بعد کوشش کرو کہ تم اپنے امرا سے اچھے ثابت ہو۔

اے مجاہد بھائی! یاد رکھو، تم کسی خاص جماعت کا تیر نہیں ہو، بلکہ تم اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہو، (یعنی جماعت کی خاطر، جماعت کے لیے، مت لڑو! لازم ہے کہ تم صرف دشمنانِ اسلام کے خلاف استعمال ہو (اپنی زبان اور اسلحہ کبھی کسی دوسری جماعت کے خلاف استعمال نہ کرو)۔ دشمن ہی کی ٹوہ میں رہو اور اسی کے خلاف لڑو، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور تمہیں فوزِ عظیم مل جائے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ﴾[2]۔

جہادی جماعتوں کے محترم امرا کے نام پیغام:

میرا دوسرا پیغام جہادی جماعتوں کے امرا کے نام ہے۔ یہ پیغام جماعتوں میں موجود تمام مسئولین (مرکزی امراء کے علاوہ) کے لیے بھی ہے۔ یہ باتیں آپ کے ایک ایسے بھائی کی طرف سے ہیں جو خود بھی آپ کی طرح اسی امتحان سے گزر رہا ہے، جس سے آپ گزر رہے ہیں[3]۔ میری خواہش ہے کہ میں ان جملوں کے ذریعے آپ کا بوجھ ہلکا کروں اور آپ کی مدد کروں، اللہ سے امید ہے کہ اس کے بدلے وہ میرا بوجھ ہلکا کر دیں گے اور میری مدد کریں گے۔ ان باتوں کے لیے میں نے استشارہ اور استخارہ کیا اور پھر اللہ پر توکل کیا۔ ان سے میرا مقصد اصلاح ہے اور خیر و صلاح کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔ اسی اللہ پر میں توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف میں نے لوٹنا ہے۔

اے میرے محبوب بھائیو!

اللہ آپ کو اپنے اس رستے پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ اللہ کرے کہ تمہارے قدم صحیح سمت اٹھیں، اللہ ہمیں اور آپ کو ہدایت سے نوازے اور ہمارے تمام امور کی اصلاح فرمائے۔ حملہ

[1] الھمزۃ: ۱۔ ترجمہ: "بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا (اور) منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو"۔

[2] التوبہ: ۵۲۔ ترجمہ: "کہہ دو کہ تم ہمارے لیے جس چیز کے منتظر ہو، وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ (آخر کار) دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک بھلائی ہمیں ملے۔ اور ہمیں تمہارے بارے میں انتظار اس کا ہے کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سزا دے۔ بس اب انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں"۔

[3] یعنی خود بھی مسئول رذمہ دار ہیں۔

آور دشمن کے مقابل اتفاق و اتحاد کی ان کوششوں پر ہم دل سے شکر گزار ہیں۔ دشمن کے مقابل ایک صف بن کر لڑنا انتہائی ضروری ہے، یہ افتراق و اختلاف ہمارے دین اور دنیا دونوں کو تباہ کر رہا ہے۔ آپ کی وحدتِ صفوف کی یہ کوششیں آپ کے علم و فہم پر دلالت کرتی ہیں۔ آج آپ ایمان کے بعد سب سے اہم فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے: ”ایمان کے بعد سب سے اہم فرض دین اور دنیا کو خراب کرنے والے دشمن سے دفاع ہے“۔ اللہ آپ کی مدد و نصرت کرے اور آپ کو اپنے دشمنوں کے مقابل قتال میں بالکل ایک صف بنا کر کھڑا کر دے کہ یہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو محبوب ہے، ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾[1]۔ ہلاکت ہے ان کے لیے جو اللہ کے بندوں کو ایک صف بننے سے منع کرتے ہیں۔ جو اتفاق و اتحاد کو پسند نہیں کرتے ہیں اور کسی وجہ سے ان کا دل اس طرف مائل نہیں ہے۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ اگر آپ کی دعوت اور آپ کا جہاد آپ کو متحد نہیں کر سکا، تو کم از کم اب یہ غم اور یہ مصائب ہی آپ کو متحد کر لیں، ظاہر ہے کہ مصائب و حوادث لوگوں کو قریب کرتے ہیں۔ دفاعی جہاد کا دروازہ بہت وسیع ہے، اس کو خود پر اور اپنے بھائیوں پر تنگ نہ کریں۔ اگر آپ اپنے بھائی کے اندر کوئی کوتاہی اور خامی دیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ قریب ہونے میں ہی اس کی اصلاح اور تذکیر ہے کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ اللہ آپ کی قربت کے ذریعے اس کی اصلاح فرمائیں گے اور آپ کی یہ قربت ہی اس کی تقویت اور اصلاح کا سبب بنے گی، ان شاء اللہ۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ﴾[2]، پس مؤمن اپنے بھائی کا مددگار ہوتا ہے، بر حق امور میں اس کی تائید کرتا ہے اور اسے قوت فراہم کرتا ہے۔ بچو اس سے کہ تم اپنے بھائی کی مدد سے ہاتھ کھینچو اور وہ تمہارے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈنا شروع کر دے۔ پس تم ہی ایک دوسرے کے خیر خواہ بنو، ایک دوسرے کی مدد کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ مشورہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا“، ”مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت (کی اینٹوں) کی مانند ہے، جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں“، یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر ایک دوسرے میں ڈال دیا۔ کوئی آپ سے دور ہونے لگے تو آپ اس کے قریب ہوں، اسے نصیحت و تذکیر کریں، یہ آپ کے اوپر واجب ہے کہ آپ ایسے فرد کے ساتھ رحمت و شفقت کا معاملہ کریں۔

اے میرے محبوب بھائیو! اگر آپ کے بیچ مسائل ہوں تو ضروری ہے کہ آپ میں سے ہر ایک اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہرائے اور دوسروں کے سر الزام نہ ڈالے۔ اگر تو ہر ایک نے اپنے آپ کو الزام دیا، ہر ایک نے اعتراف کیا کہ غلطی اس سے ہی ہوئی ہے تو واللہ خیر و برکت آئے گی اور سارے معاملات صحیح ہو جائیں گے۔ ہمیں ایک دوسرے کے مقابل عاجزی اور تواضع اختیار کرنی چاہیے کہ مؤمنین کی صفت ہی مؤمنین کے لیے نرم اور کفار کے لیے سخت ہونا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے؛ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[3]۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے؛ ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾[4]۔

اے میرے محبوب بھائیو!

یاد رکھیے کہ دینی اخوت اور تعلق، جماعتی تعلق سے کہیں زیادہ عظیم اور اہم تر ہے۔ دینی تعلق ہمارے رب کا قائم کردہ ہے۔ اگر جماعتی تعلق، اس دینی تعلق کو مضبوط کرنے والا نہ ہو تو یہ مفید کی جگہ مضر ہے اور یہ ظالم گروہی تفریق میں تبدیل ہو جاتا ہے (جو دین کے لیے انتہائی خطرناک ہے)۔ اے میرے بھائیو! اُن افراد سے محتاط رہو جو تمہارے بیچ فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ اس قسم کے افراد ہر جماعت میں ہوتے ہیں اور یہ حقیقت میں جماعت کا گند اور کچرا ہوتا ہے۔ ایسے افراد پر نظر رکھو، اور ہر جماعت کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ایسے گند سے پاک وصاف کرے۔ یاد رکھیے! جس نے ہماری صفوں میں محبت واخوت پیدا کرنے کی کوشش کی، وہ ہمارا بھائی ہے، مگر جس نے ہمارے بیچ اختلاف و افتراق کو ہوا دی، وہ ہمارے نہیں بلکہ دشمن کے کام آتا ہے اور حقیقت میں وہ ہمارے بیچ دشمن کا پھندا اور جال ہے۔

اپنے عہد و پیمان اور معاہدوں کی پاسداری کرو اور حالات و واقعات یا داخلی دباؤ تمہیں وعدوں اور معاہدوں کو توڑنے پر مجبور نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا أَحَلَّ حَرَامًا، أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا“، ”مسلمان اپنی شروط (وعدے) پورا کرتے ہیں، الا یہ کہ وہ وعدہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتا ہو“۔ اور یاد رکھو میرے

---

[1] الصف: ۴۔ ترجمہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں“۔

[2] الانفال: ۶۲۔ ترجمہ: ”وہی تو ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعے اور مومنوں کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے“۔

[3] المائدۃ: ۵۴۔ ترجمہ: ”اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو گا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے“۔

[4] الفتح: ۲۹۔ ترجمہ: ” محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں“۔

بھائیو! کہ آپس میں عفو و درگزر کی تلقین کرنا خیر کی دعوت ہے، پس اس خیر سے کبھی اپنے آپ کو محروم نہ کرو۔ ایک واقعہ یا واقعات کی بنیاد پر دوسری جماعت کے محاسبہ اور اس سے سزا کا مطالبہ کرنا انتشار اور وقت کے ضیاع کا سبب ہے۔ ہم ہر حق دار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر تمہارا بھائی تمہیں معروف طریقے سے حق نہ لوٹائے تو کم از کم اپنا جہاد اور سعی داؤ پر نہ لگاؤ۔ جس نے اللہ کی خاطر اپنی کوئی چیز چھوڑ دی اللہ اس کو اس سے بہتر عطا کر دے گا۔

میرے بھائیو! جو افراد آپ کی راز کی باتوں کو سوشل میڈیا پر پھیلاتے ہیں، ان سے محتاط رہیں۔ ایسے افراد کو اپنے امور سے بالکل بے خبر رکھنا ضروری ہے۔ ایسے فرد کے لیے کم سے کم سزا یہ ہے کہ اس کے لیے فون پر مکمل طور پر پابندی ہو، اس کی باز پرس ہو اور اسے سزا دی جائے۔ ضروری ہے کہ ایسے افراد پر امراء سے پہلے مامورین نظر رکھیں اور انہیں منع کریں۔ اگر ان کے ساتھ نہیں نمٹیں گے تو ان کی وجہ سے (مزید) پاکیزہ خون بہے گا۔ ایسے افراد کو منع کریں جو آپ کے داخلی امور اور معاملات کو انٹرنیٹ پر موضوعِ بحث بناتے ہیں اور ان پر تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ ان ویب سائٹوں پر دشمن نظر رکھتے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نیٹ کے ان صفحات پر شیطان بنفس خبیث خود بڑے عالم دین کی صورت میں حاضر ہوتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہر کے مطابق معاملہ کرو اور حسنِ ظن کا دامن تمہارے کے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اگر کوئی کسی سبب مایوس ہوتا محسوس ہوتا ہے، وہ کمزور پڑ رہا ہے اور گر رہا ہے تو اس کو تھام لو اور اس کے متعلق اچھا گمان کرو، اس کے اس ظاہر کے مطابق ہی معاملہ کرو، یہاں تک کہ وہ دوسروں کو گرانے اور فساد پھیلانے والا ثابت نہ ہو جائے۔ اگر کوئی دوسروں کے حوصلوں کو بھی پست کر رہا ہو، انہیں مایوس کر رہا ہو، گرا رہا ہو اور فساد پھیلا رہا ہو...... تو یاد رکھیے، وہ مرجف ہے اور ایسے مرجفین کے بارے اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾[1]۔ لہٰذا لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہر کے مطابق تعامل ضروری ہے اور حسنِ ظن بھی لازم ہے۔ ایسے میں اگر واضح ہو جاتا ہے کہ ایک فرد مجاہدین میں نفرت کے بیج بو رہا ہے تو پھر ایسے شخص کا شرعی حکم دیکھیے (یعنی اس کے ساتھ دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے سختی سے نمٹا جائے)۔ ایسے فرد کے بارے میں صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ یہ کسی اچھے کام کے لیے مناسب نہیں، نہیں! واجب ہے کہ اس شخص کو اللہ سے ڈرایا جائے، پھر بھی باز نہیں آتا تو پھر اس کو سزا دی جائے۔ یاد رکھیے! جو مجاہدین میں مایوسی پھیلا رہا ہے، انہیں گرا رہا ہے یا ان میں نفرت کے بیج بو رہا ہے، وہ دشمن کا مددگار ہے اور ایسے فرد کو صحیح طریقے سے اللہ یاد دلائیے، ورنہ کم سے کم سزا اس کی یہ ہے کہ اسے اپنی صفوں سے نکال باہر کیا جائے۔

میرے بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ منافقین آپ کے سامنے ہمیشہ لباسِ شرعی ہی میں آئیں گے۔ وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ محبت کا ڈھونگ رچائیں گے اور اس راستے سے آپ کو گرائیں گے۔ یہ آپ کے سامنے آنسو بہا کر اپنے آپ کو آپ کا بڑا خیر خواہ دکھائیں گے، تاکہ آپ کے دل میں آپ کے بھائیوں کے خلاف نفرت ڈال سکیں۔ اے میرے نیک بھائیو! کتنے نیک ایسے ہیں جو دشمن تک کی صف میں جا کھڑے ہوئے جبکہ انہیں اس کا احساس نہیں تھا۔ صنعاء کی جیل میں میرے ساتھ ایک قیدی بھائی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ میں ساتھیوں کے بیچ افتراق و اختلاف کا سبب تھا، ان کے بیچ نفرت ڈالتا تھا، اب جبکہ میں جیل میں ہوں مجھ پر واضح ہو گیا ہے کہ میں درحقیقت سعودی استخبارات (انٹیلی جنس) کے منصوبے پر عمل درآمد کر رہا تھا، جبکہ مجھے اس کا علم ہی نہیں تھا۔

آخری نکتہ یہ، کہ اے میرے محبوب بھائیو! علماء کی قدر کریں، علماء کی قدر کریں۔ یہ علمائے کرام چراغ ہیں، یہ ظلمات و اندھیروں کے بیچ نور ہیں۔ انہیں ان کا مرتبہ دیں، اللہ آپ کو مرتبہ دیں گے، ان کی قدر کریں، اللہ آپ کی قدر کریں گے، ان سے محبت کیجیے، اللہ آپ سے محبت کریں گے۔ اپنی زبانوں کو ان کے خلاف استعمال ہونے سے روک دیں، بلکہ ہو سکے تو زبانوں کو ان کے خلاف استعمال سے کاٹ دیں۔ اگر ان علماء میں سے کوئی آپ پر نقد کرتا ہے تو جان لیں کہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے، ان کا شکریہ ادا کریں اور ان کی نصیحت پر عمل کریں۔ اگر وہ آپ کے بارے میں غلط موقف بھی رکھتے ہوں تو ناراض نہ ہوں اور ان کے سامنے ایسے ادب و احترام سے اپنا موقف پیش کریں جیسا کہ بیٹا اپنے والد کے سامنے اپنا موقف رکھتا ہے، بلکہ ضروری ہے کہ ایسے موقعوں پر ان کے ساتھ اس سے بھی زیادہ ادب کے ساتھ پیش آئیں۔ ان کے ساتھ مشورہ کیا کریں اور ان کی نصیحت قبول کیا کریں، صرف خاص اپنے علماء کی نصیحت نہیں، بلکہ تمام علمائے صادقین کا ہمارے اوپر حق ہے اور ان پر ہمارا حق ہے، لہٰذا وہ اگر ہمیں نوازل (یعنی نئے پیش آنے والے امور) میں رہنمائی دیں تو ہمیں کھلے دل سے قبول کرنی چاہیے۔ اگر یہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں، تو یہ علمائے کرام ہیں، یہ باوجود اختلاف کے ایک دوسرے کا حق جانتے ہیں۔ ہمیں ان کے ساتھ اپنے چچاؤں یا ماموؤں کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے کہ اگر وہ آپس میں اختلاف کرتے ہوں تو ہم ان سب کا احترام کرتے رہیں اور ان پر یہ ظاہر ہی

[1] الاحزاب: ۶۰ تا ۶۲۔ ترجمہ: ”اگر وہ لوگ باز نہ آئے جو منافق ہیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو شہر میں شر انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں تو ہم ضرور ایسا کریں گے کہ تم ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہو گے، پھر وہ اس شہر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکیں گے، البتہ تھوڑے دن، جن میں وہ پھٹکارے ہوئے ہوں گے۔ (پھر) جہاں کہیں ملیں گے، پکڑ لیے جائیں گے، اور انہیں ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ کا وہ معمول ہے جس پر ان لوگوں کے معاملے میں بھی عمل ہوتا رہا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور تم اللہ کے معمول میں کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے“۔

نہ کریں کہ ان کے بیچ مسائل کا ہمیں بھی علم ہے۔ اپنے چچاؤں اور ماموؤں کے بیچ اصلاح اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرنے والا عقلمند ہے، لیکن جو ان کے بیچ اختلاف کو ہوا دیتا ہے وہ پرلے درجہ کا بدنصیب اور بے وقوف ہے۔

میدانِ جہاد کے علمائے کرام و مشائخ کے نام پیغام:

(اشعار کا نثری ترجمہ)

تم سے محبت کرنے والا تم پر اللہ کی سلامتی بھیجتا ہے
یہ دیکھتاہے کہ تم مدح وتعریف کے اہل ہو
کسی قوم کی تعریف کرنا ایک مشکل امر ہے
مگر آپ کی تعریف کرنا اگر چاہے، تو یہ آسان ہے
آپ کا دین تقویٰ ہے اور آپ کا راستہ ہدایت ہے
آپ کا کلام نصیحت ہے جبکہ آپ کی قربت دولت ہے

اے میرے محبوب بھائیو!

آپ جانتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ عظیم فریضہ ہے اور اس کے ثمرات ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اس کا اول، آخر کو مکمل کرتا ہے اور ایک سے دوسرا استفادہ کرتا ہے۔ اس کے سب حلقے زنجیر کی مانند جڑے ہیں اور یقیناً انجام کار اللہ نے متقین کے حق میں رکھا ہے۔ اہلِ جہاد پر مختلف مراحل آتے ہیں، کبھی وہ قوی ہوتے ہیں اور کبھی وہ ضعف کا شکار ہوتے ہیں، ہر حالت میں اللہ کی اپنی حکمت ہے۔ ضعف کی حالت کے احکام اپنے ہیں اور قوت و تمکین اپنے احکام رکھتی ہے۔ اللہ رب العزت اپنے بندوں کو ہر زمان و مکان میں (اس ضعف و تمکین کے اندر) اپنی شریعتِ مطہرہ سے چلاتا ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی اور رحمت ہے کہ سب کچھ اس عظیم ذاتِ قدیر کی مقرر کردہ قدر اور اس علیم رب کے علم کے مطابق ہوتا ہے، بیشک وہ اللہ حکمت والا اور خبیر ہے۔

جان لیجیے! اللہ آپ پر رحم فرمائے، کہ دشمن کے مقابل، تمام مجاہدین اور مسلمانوں کو ایک صف بنا کر کھڑا کرنا سب سے اہم امر ہے۔ مؤمنین کے سامنے اپنے کندھے جھکانے کا ارحم الراحمین رب نے حکم دیا ہے۔ پس آپ مسائل میں سخت سے سخت قول کی تلاش مت کیجیے کہ اس سے آپ اپنے بھائیوں کو محروم کر دیں گے اور ان کے لیے (شریعت میں) موجود وسعت کو تنگی میں تبدیل کر دیں گے۔ یاد رکھیے! کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو راستوں میں سے کسی ایک کے چناؤ کا اختیار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسان تر کا انتخاب کرتے، بشرطیکہ وہ آسان تر، گناہ یا قطع رحمی کا معاملہ نہ ہوتا۔ اپنے آپ پر یا اپنی رعیت پر ایسا بوجھ کبھی نہ ڈالیے جو اٹھا نہ سکیں۔ جب بھی آپ اپنے لیے ایسی وسعت پائیں جس کی صحت پر شریعت دلالت کرتی ہو، تو اس کی طرف لپکیں اور حجتوں کی بنیاد پر اس سے مت ڈریں۔ لیکن اگر وہ امر واضح طور پر منع ہو یا اس کا مفسدہ عیاں ہو تو پھر اس سے بہر حال دور رہیے۔ میرے محبوب بھائیو! یقیناً آپ پے در پے حادثات سے گزر رہے ہیں۔ ابھی ایک معاملے کا فیصلہ آپ نے کیا نہیں ہوتا ہے کہ دوسرا سر پر آ جاتا ہے۔ ابھی ایک امر پورا نہیں ہوا ہوتا کہ حالت تبدیل ہو جاتی ہے اور نئے سرے سے پھر معاملہ شروع کرنا پڑتا ہے۔ آپ ایک مسلسل تغیر پذیر کیفیت سے گزر رہے ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ آپ کا ایک دوسرے کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ ہو۔ اگر کوئی (عالم) اجتہاد سے کسی خاص نکتہ پر پہنچ گیا ہے تو اس کو برا مت کہیے اور اُس پر سختی مت کیجیے۔ اللہ ہمارے لیے آسانی پسند کرتے ہیں اور وہ ذاتِ قدیر ہمارے لیے کبھی نہیں چاہتی کہ ہم سختی و تنگی میں مبتلا ہوں۔

میرے محبوب بزرگو! آپ جانتے ہیں کہ جب مشقت اور تنگی آتی ہے تو وہ اپنے ساتھ آسانی لاتی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اضطراری کیفیت کے احکامات اختیاری حالت والے نہیں ہوتے ہیں۔ محترم و محبوب بزرگو! شرعی مسائل میں اختلاف و مجادلہ سے بچیے۔ اگر آپ سب بغیر کسی افتراق کے کسی مرجوح (غیر اولیٰ) حکم پر عمل کرتے ہوں اور ایسے میں آپ کے ہاں اتحاد و محبت ہو، تو یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ آپ کسی راجح اور اولیٰ حکم پر تو عمل کریں مگر دلوں میں نفرت بھری ہوئی ہو۔ آپ کو یاد ہو گا کہ مسلمانوں پر تب کیا گزری تھی جب دشمن ان کے گھروں کے دروازوں پر کھڑا تھا، جبکہ وہ طہارت کے بعض احکام میں بحث و مباحثہ میں مشغول تھے۔ طہارت کے احکام بھی دین کا حصہ ہیں، مگر کیا اس کا یہ وقت تھا؟ حملہ آور دشمن کو پیچھے دھکیلنا ظاہر ہے وقت کا اہم ترین فرض تھا۔ اس فرض کو چھوڑ کر غیر فرض میں مشغول ہونا اہم فرض کے فوت ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ عز بن عبد السلام اور دیگر علما نے فرمایا ہے کہ ''کوئی ایسے علاقے میں جائے جہاں خون بہایا جا رہا ہو، اور وہ اُدھر جا کر بھی نماز و صیام کے مسائل میں (غیر ضروری) بحث مباحثہ اگر کرے تو وہ خائن ہے''۔ آج ایسے سخت حالات میں کہ جہاں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے، اگر کوئی اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف فتاویٰ صادر کر رہا ہو اور دیگر اختلافی موضوعات کو چھیڑ رہا ہو، تو ہمیں ڈر ہے کہ اس پر عز بن عبد السلام کا قول صادق آ جائے۔

شریعت کا دامن تنگ کرنے سے بچیے۔ بیشک حق وہ ہے جس کو شریعت حق ثابت کرے، یا کوئی جماعت دلیلِ شرعی کی بنیاد پر جسے حق کہے۔ کسی امر میں اگر شریعت اختلاف کی اجازت دیتی ہے تو ہمیں اس میں اختلاف کے سبب ایک دوسرے سے دل خراب نہیں کرنے چاہیے ہیں۔ ہمیں دین یا قولِ فیصل کو صرف اپنے آپ یا اپنی جماعت میں کبھی محدود نہیں کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں آپ کے علاوہ کسی کو صحیح نکتہ تک پہنچنے کی توفیق نہیں ہوئی ہو مگر اُس نے علم و اہلیت کے ساتھ حق تک پہنچنے کی سعی اگر کی ہے تو اس کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کو خاص ایک مسئلہ میں صائب (صحیح) ہونے کی توفیق اللہ نے نہ دی ہو جبکہ آپ اس پر لوگوں سے راضی اور ناراض ہوتے ہیں۔

اے میرے محبوب بھائیو! اگر کسی نے آپ کو کوئی خدمت سپرد کر دی تو اس پر آپ اللہ کا شکر ادا کیجیے، ایسا نہ ہو کہ آپ بس اُس کام پر اصرار کریں جس میں آپ مصروف ہوں۔ وہاں رہیے جہاں میدان میں آپ کی ضرورت پڑے، نہ کہ آپ وہاں رہیں جہاں آپ کی خواہش ہو۔ یہاں ہم آپ کے سامنے یمن میں اگر اپنے تجربے کا کچھ ذکر کر دیں تو امید ہے کہ آپ کے لیے نافع ہو گا۔ ہمیں اس تجربے نے الحمد للہ اچھے نتائج دیے۔

جن علاقوں میں اللہ نے ہمیں سلطہ دیا ہے، وہاں ہم ایسے علما سے بھی اپنے (شرعی) فیصلے کراتے ہیں جو ہمیں خوارج سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے بارے میں ان کی اس رائے کے سبب ان کی عزت کرنا نہیں چھوڑتے اور نہ ہی ان کی اس رائے نے ہمیں، اپنے امور میں ان سے فیصلہ کروانے سے روکا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہمارے کسی ساتھی نے ان قاضیوں سے اپنے معاملات میں فیصلہ کروایا اور پھر جب اس ساتھی نے وہ قضیہ جماعت کے اپنے قاضی کے سامنے پیش کیا، تو قاضی نے تفصیل سن کر اسے جواب دیا کہ 'اللہ کی قسم! اگر آپ میرے سامنے یہ قضیہ لاتے تو میں بھی یہی فیصلہ کرتا جو اُس (قاضی) نے دیا ہے'۔ تو محترم بھائیو! اگر کوئی عالم آپ کی عدالتوں میں آپ کو تعاون فراہم کرتا ہے تو اللہ کی قسم یہ قابل رشک نعمت ہے، اس کو بصد شکر قبول کرنا چاہیے۔ ابین، شبوۃ، بیضاء، مکلاّ اور ساحل جیسی ولایتوں میں ہم (اپنی جماعت سے ہٹ کر دیگر) دینی جماعتوں کے قاضیوں کے پاس بھی جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن جماعتوں کے قاضیوں کے پاس بھی جاتے ہیں جو ہمیں بدعتی کہتی ہیں۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ ہمیں آپ کے علمِ شرعی پر اعتماد ہے لہٰذا ہم تطبیقِ شریعت اور آپ کے بیچ کبھی حائل نہیں ہوں گے، (یعنی آپ ہمارے ساتھ اختلاف کے باوجود اگر شریعت کی تطبیق کرتے ہیں تو ہم مخالف نہیں، بلکہ معاون ہوں گے)۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ یہ مراکز ہیں اور یہ عدالتیں ہیں، جائیے اور اُس علمِ شرعی کی بنیاد پر لوگوں میں فیصلے کیجیے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ ہم انہیں اچھی سہولیات فراہم کرتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور انہیں عزت دیتے ہیں۔ بلکہ جتنی ہم اپنے قاضیوں کو سہولیات دیتے ہیں، ان سے کہیں زیادہ سہولیات ہم انہیں دیتے ہیں۔ واللہ! (اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ) ہم نے ان سے نہ کبھی اپنے ساتھیوں کے متعلق کوئی شکایت سنی اور نہ ہی وہ ہمارے قاضیوں سے کبھی شکوہ کناں ہوئے۔ الحمد للہ ہمارا ان کے ساتھ اچھا تعلق ہے (باوجودیکہ وہ ہماری جماعت میں نہیں ہیں!) اور آج بھی ہم بعض معاملوں اور نوازل میں ان سے رہنمائی لیتے ہیں۔

اے میرے محبوب بھائیو!

اختلافی مسائل میں مت الجھئے کہ اس سے دل خراب ہوتے ہیں اور یہی امور آپ کو اس وقت دفاعی جہاد سے دور کرتے ہیں جب دشمن آپ کے دروازوں پر کھڑا ہے۔ اگر کوئی اپنی رائے پر اصرار کرتا ہے تو اس کو یہ سوچ کر چھوڑیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ حق ہو۔ اختلاف شر ہے، اور اگر کہیں اختلاف کے بغیر چارہ نہ ہو، کوئی ایسا مسئلہ ہو جس پر اختلاف ضروری ہو تو اس اختلاف کا اظہار اور اس کا پھیلانا صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ مشہور ہو گا تو اس میں جاننے اور نہ جاننے والے سبھی حصہ لیں گے اور ایسے لوگ بھی اس میں شرکت کریں گے جن کے ذاتی (غلط) مقاصد ہوں۔ یوں اس سے دشمن کو بھی موقع ملتا ہے اور وہ داخلی فساد کی آگ بھڑکاتا ہے۔

اے میرے بھائیو!

اللہ کے لیے، اللہ کے لیے انٹرنیٹ سے دور رہیے۔ وما أدراكم ما النت!! انٹرنیٹ کس قدر خطرناک ہے، کاش ہم سب کو اس کا علم ہوتا۔ اس نیٹ ہی کے راستے اور اسی کے سبب ہمارے کتنے بڑوں اور علماء پر کیچڑ اچھالی گئی، اس سے ہمارے بھائیوں کو کتنا نقصان دیا گیا، اسی کے سبب کس قدر اچھے اچھے لوگ خراب ہوئے۔ اس نیٹ نے کتنے ہمارے راز کھول دیے اور اسی نے دشمن کو کتنا بڑا موقع دیا کہ وہ آئے اور ہمارے بیچ بیٹھ کر ہم میں فساد پھیلائے۔ واللہ! اس نیٹ کا نقصان بہت بہت اور بہت زیادہ ہے۔ اللہ ہی اُس سے راضی ہو اور اُس پر اپنی رحمتیں برسائے جس نے نیٹ کو چھوڑا اور حقیقت یہ ہے کہ جس نے اللہ کے لیے کسی چیز کو ترک کر دیا، اللہ اسے اُس سے زیادہ بہتر چیز عطا کر دیں گے۔

آخر میں، اے شام کے میرے محبوب بھائیو! اللہ کے وعدوں، اس کے کرم اور فضل پر یقین رکھیے اور اللہ ہی سے امید رکھیے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیے اور اس کے سوا کسی اور طرف بالکل مت دیکھیے۔ آپ کے اور اللہ کی نصرت کے بیچ بس صرف اللہ کا امر حائل ہے، جس کا وہ جب حکم کرے، اللہ کی نصرت نازل ہو گی، وہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آپ اللہ کے سپرد ہیں۔ اس اللہ کی طرف آپ کو تفویض کرتا ہوں جو تفویض کردہ کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ یا اللہ! اپنے اہالیانِ شام کو ہم آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ یا اللہ! آپ ان کی حفاظت اور ان کی مدد فرمائیے۔ اے اللہ! ہم ان کی جانیں، ان کے اہل، ان کے اموال اور ان کی اولاد آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ ان کا دین، ان کی امانتیں اور اعمال کا خاتمہ ہم آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ یا اللہ! ان کے مصائب کو جلد سے جلد ختم کر دیجیے اور انہیں اپنی نصرت دکھائیے۔ یا اللہ! انہیں ہر غم اور ہر پریشانی سے نجات دیجیے، ان کی ہر تنگی کو وسعت میں تبدیل کر دیجیے اور ان کی ہر آزمائش کو عافیت میں بدل دیجیے۔ اے اللہ! ہم آپ ہی پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف ہم نے لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے لیے کبھی فتنے کا سبب نہ بنائیے، ہماری مدد فرمائیے یا ارحم الراحمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين و صلى الله وسلم و بارك على نبينا محمد و على آله وصحبه وسلم۔

مع الأستاذ فاروق

معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں، بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ اللہ جو ہمارا ربّ ہے، ہمارا ہے، ہمارا اللہ ہے۔ اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں موت دیتا ہے اور بلاشبہ اس نے موت وحیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون ہے جو بہترین عمل کرتا ہے؟

مع الأستاذ فاروق، استاذ احمد فاروق کے ساتھ چند ملاقاتیں، ان کی چند یادیں، ان کی قیمتی باتیں، ان کی بعض ایسی باتیں جو مجھے خاص طور پر اچھی لگیں۔ میں استاذ کا محبوب ترین ان کی حیات میں تو شاید نہ تھا لیکن اللہ سے امید ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ان شاء اللہ ان کے محبوب ترین لوگوں میں ضرور شامل ہو گیا ہوں گا۔ ہاں ان کی حیات میں ان کے محبوب تر لوگوں میں بہر حال شامل رہا۔ استاذ کی محبت کا حوالہ اس لیے اہم ہے کہ وہ ان شاء اللہ، ہمارے اللہ کے محبوب لوگوں میں سے ایک تھے۔ وہ میرے محبوب تھے اور میں ان کا، اور یہ محبت کی سنہری زنجیر ہے جو ہمارے اللہ کے دربار میں ذکر کا ان شاء اللہ ایک سبب ہے کہ ان شاء اللہ استاذ ہمیں بھولے نہیں ہیں۔

حضرتِ استاذ سے آج تک جتنی ملاقاتیں رہیں، سب کا احوال اور سب کی سب تو یاد نہیں، لیکن جتنی ذہن میں تازہ ہیں سب ہی لکھنے کا ارادہ ہے کہ یہ ان شاء اللہ توشۂ آخرت ہوں گی، مجھ سمیت حضرتِ استاذ کے محبّین کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے کہنے والوں میں شامل فرمالے۔

نوٹ: ان سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ ہوں گے۔

عید الفطر ۱۴۳۲ھ

رمضان ختم ہوا اور عید آگئی۔ میں طارق بھائی (اللہ انہیں رہائی عطا فرمائیں) کے ساتھ ان کے گھر پر تھا۔ موسیٰ بھائی جو ہمارے پڑوس میں ہی رہتے تھے 'بنجو'[1] لے کر آئے جس پر بیٹھ کر ہم میران شاہ کے ایک مضافاتی قصبے میں واقع استاذ کے گھر پہنچے۔ حضرتِ استاذ گھر سے نکلے اور بڑے ہی تپاک اور محبت سے ملے۔ اس دن استاذ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے، سر پر سفید جالی والی ٹوپی (جسے عموماً ہمارے یہاں نماز والی ٹوپی کہا جاتا ہے) اور پیروں میں حضرت کے مستقل علامتی ہلکے بھورے رنگ کے کھلے 'سینڈل'۔ استاذ گھر کو لوٹے اور پھر چند لمحوں بعد اپنی کلاشن کوف کاندھے سے لٹکائے اور جبہ پہنے تشریف لے آئے، گاڑی میں سوار ہوئے اور ہم چاروں میران شاہ شہر میں واقع استاذ کے مجموعے سے وابستہ ساتھیوں کے 'مضافے' یعنی مہمان خانے پہنچے۔

راقم جو حضرتِ استاذ کے ساتھ بیتائے ہوئے دنوں سے متعلق لکھ رہا ہے، تو اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی بچہ اپنے باپ کے متعلق لکھے۔ ایک ایسا باپ جو بچے کے بچپن میں ہی فوت ہو گیا ہو اور بچے نے باپ کی زندگی کے چند ہی پہلو دیکھے ہوں۔ پھر چونکہ پہلو ایک تو کم دیکھے ہیں اور ثانیاً اپنے بھی 'بچپن' میں دیکھے ہیں تو بچہ، بچپن کی صلاحیت اور مشاہدے کے مطابق ہی چیزوں کو بیان کر سکتا ہے۔ بس یہی مثالِ میری ہے۔

تو ذکر ہو رہا تھا کہ ہم چاروں مضافے پہنچے۔ مضافے میں اس روز چودہ پندرہ ساتھی تھے، جن میں کچھ بقیدِ حیات ہیں، کچھ حیات تو ہیں، لیکن دشمن کی قید میں ہیں اور استاذ کی طرح کچھ 'فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِن فَضْلِهِ'[2] کے زمرے میں ان شاء اللہ، شاداں و فرحاں ہیں۔ حضرت ایک ایک ساتھی سے ملے، معانقہ کیا، حال احوال پوچھا۔ شاید آدھا پونا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ پندرہ کے قریب مزید ساتھی بھی آگئے، ان نو آمدہ ساتھیوں میں سے اکثر پچھلے دن ہی میدانِ جہاد میں پہنچے تھے۔ شہید ساتھیوں میں قاری عاصم بھائی، صدیق (سیّد قاسم ہاشمی) بھائی، عیسیٰ (سعد سلطان) بھائی، عارف (امجد احمد) بھائی، فرقان (فیصل) بھائی، زاہد عبد الودود (عبد الرافع) بھائی، عبد المجید بھائی اور آفتاب بھائی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔ ان شہداء میں سے ہر ایک کا حق ہے کہ ان کے متعلق لکھا جائے، اس نشست میں موقع نہ ملا تو باذن اللہ اگلی نشست میں ضرور کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔

ہم نو وارد 'مہمانوں' کو میٹھی عید کی نسبت سے میٹھا پیش کیا گیا۔ ہمارے برِّ صغیر کی روایت تو عید کے دن 'شیر خرما' کھانے کی ہے، لیکن شاید مضافے میں 'روایت شکن' ساتھیوں کی فرمائش پر 'ٹرائفل'[3] بنایا گیا تھا، سو اسی سے ہماری بھی تواضع کی گئی۔

مضافہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ چند ساتھیوں سے انفرادی ملاقات کے لیے استاذ کمرے کے ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گئے۔ یہاں ایک مزیدار لطیفہ بھی ہوا جو ہمیں استاذ نے ایک یا دو دن کے بعد

---

[1] Toyota Corolla Station wagon (1995-1991ء اور بعض علاقوں میں 2000-1991ء)

[2] سورۃ آلِ عمران میں شہداء کے متعلق ہے ﴿فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِن فَضْلِهِ﴾، "وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی"۔

[3] Trifle: اس میٹھے میں مختلف پھلوں، کیک اور جیلی وغیرہ کو کسٹرڈ کے ساتھ ملا کر ٹھنڈا کر کے کھایا جاتا ہے۔

سنایا۔ ایک ساتھی کو استاذ نے اسی جگہ بلایا جہاں سب سے باری باری مل رہے تھے۔ ان ساتھی کی استاذ سے پہلی ملاقات تھی اور یہ استاذ کو پہچانتے نہ تھے۔ استاذ نے حال احوال جانا اور پھر ان کے اصلی نام اور علاقے اور کام وغیرہ کی بات کی۔ جو سوال استاذ کرتے تو یہ بھائی تھوڑا سا استاذ کو گھورتے اور پھر کچھ جھجھک اور تعجب کے ساتھ اس کا جواب دیتے۔ استاذ کو بھی محسوس ہوا کہ کوئی مسئلہ ہے جس کے سبب یہ بھائی اس طرح بات کر رہے ہیں۔ خیر بات جاری رہی۔ ایک اور اہم نوعیت کا سوال جب استاذ نے پوچھا تو ان مذکورہ بھائی کو غصہ آیا اور کہا کہ 'بھئی آپ کون ہوتے ہیں اس قسم کے سوالات کرنے والے؟ مجھے تو یہاں ذمہ داران نے ہدایت کی ہے کہ اس قسم کی بات امیر مجموعہ کے علاوہ کسی سے نہیں کرنی؟!'، اب استاذ کو معلوم ہوا کہ یہ بھائی کیوں جھجھک رہے تھے۔ اس غرض سے استاذ نے تعارف کروایا کہ 'بندے کا نام عبد الرحیم ہے[1]'۔ حضرت کا 'عبد الرحیم' نام ساتھیوں میں معروف تھا۔ یہ سن کر مذکورہ بھائی اور بھی چڑھ کر بولے 'اوپر سے آپ نے اپنا نام ''عبد الرحیم'' بھی رکھا ہوا ہے جو امیر مجموعہ کا نام ہے کہ ساتھی دھوکہ کھائیں!'۔ یہ سن کر تو استاذ سٹپٹا گئے، پھر تواضع سے بولے 'بھیا! بندہ ہی عبد الرحیم ہے، فاروق یعنی امیر مجموعہ......'۔ یہ سن کر وہ بے چارہ بھائی بالکل کھسیانا ہو گیا او پھر اس بھائی نے معذرت کی۔

استاذ ملاقاتوں سے فارغ ہوئے تو مجاہدین کا شوق، ترانوں کی محفل جمی۔ سب ساتھیوں نے باری باری ترانے پڑھنے / سنانے شروع کیے۔ درمیان میں محفل کو سعد سلطان بھائی کے نعروں نے خوب گرمی بخشی، بلکہ پہلی بار جب انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو سبھی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا، لیکن وہ کمالِ اعتماد سے نعرے لگاتے رہے۔

ایک طرف ترانے چل رہے تھے تو ساتھ ہی کمرے کے 'مطبخی' حصے میں عارف بھائی ایک دو اور ساتھیوں کی مدد سے 'بریانی' پکا رہے تھے۔ عارف بھائی رحمہ اللہ کا بریانی پکانا مشہور ہے، پھر پکاتے بھی بہت لذیذ تھے...... ہم ان کی چکن بریانی یاد کر رہے ہیں جبکہ وہ ان شاء اللہ جنت میں نجانے کس کس قسم کے 'پرندوں' کے گوشت کی، کن کن معطر و اعلیٰ مصالحوں سے پکی اور سجی بریانیوں سے متمتع ہو رہے ہوں گے، ان شاء اللہ۔

حضرتِ استاذ نے اپنی سدا بہار پسندیدہ نعت 'مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا......عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ' سنائی۔ اتنے میں فضیلۃ الشیخ امیر محترم مولانا عاصم عمر (دامت برکاتہم العالیہ) تشریف لے آئے۔ حضرتِ مولانا کے آتے ہی استاذ اپنے مقام سے اٹھ کر ایک طرف کو ہو گئے اور پھر حضرتِ مولانا کو بٹھا کر ان کے دائیں طرف بیٹھ گئے۔ ہم حضرتِ مولانا کو اس وقت جانتے نہ تھے کہ آپ کون ہیں، حضرتِ مولانا نہایت تواضع کے ساتھ بیٹھے رہے۔

کچھ دیر مزید ترانے پڑھنے گنگنانے میں گزری تو ساتھیوں نے ایک بار پھر استاذ سے مجاہدین کا پسندیدہ عربی ترانہ 'غرباء' سنانے کی فرمائش کی۔ اب استاذ نے حضرتِ مولانا کو ترانہ سنانے کی دعوت دی جس پر حضرتِ مولانا نے، مولانا ز کی کیفیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی نظم 'زمانہ منقلب ہے، انقلاب آیا ہی کرتے ہیں' سنائی۔

کچھ دیر مزید گزری تو شیخ مکرم حافظ صہیب غوری تشریف لے آئے اور کچھ ہی دیر بعد ان سے بھی ترانہ پڑھنے کی فرمائش کی گئی۔ حافظ صاحب نے اقبال کی مشہور نظم 'خودی کا سِر نہاں لا الٰہ الا اللہ' سنائی۔

ترانوں کے پڑھنے، سنانے اور نعرے لگنے کا سلسلہ شدتِ بھوک سے تھما۔ عارف بھائی کی پکائی 'بریانی' تیار تھی۔ بریانی کو طشتوں اور رکابیوں میں نکالا گیا، ساتھ میں سلاد اور رائتہ تھا اور پینے کے لیے ٹھنڈے مشروب۔ یہاں اعلیٰ قسم کے کھانوں کے ذکر کے ساتھ، مجاہد و عالم، زاہد و عابد حضرتِ عبد اللہ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آ گیا۔ کسی نے عبد اللہ ابنِ مبارک کو (اچھا اور زیادہ) کھاتے دیکھا تو اعتراض کیا، اعتراض کی نوعیت خاص ایسے تھی کہ مجاہد ہو اور یوں کھاتے ہو؟ ابنِ مبارک نے فرمایا: 'جب ہوتا ہے تو ہم مَردوں کی طرح کھاتے ہیں اور جب نہیں ہوتا تو مَردوں کی طرح برداشت کرتے ہیں!'۔

یہ سب ہیں بھی اللہ کی نعمتیں۔ حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کو پانی پیتے دیکھا تو فرمایا 'اشرف علی! جب پانی پیا کرو تو خوب ٹھنڈا پانی پیا کرو، تا کہ جب پانی پیو تو پانی جہاں جہاں سے گزرے، ہر ہر خلیہ اللہ کا اس نعمت پر شکر ادا کرے'۔ پھر علماء و صوفیا یہ بھی کہتے ہیں کہ اس زمانے میں مشکل ریاضتیں کرنا لوگوں کے لیے صعب ہو گیا ہے۔ کوئی اگر نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہو، حرام سے بچتا ہو اور واجبات بجالاتا ہو تو یہ اللہ کا ولی ہے۔ پھر مجاہدین جن کی زندگی میں اتنے غم ہیں اور اتنی پریشانیاں ہیں، بلکہ انہوں نے اپنے اوپر اپنے غموں کے ساتھ امت کے غموں کا بھی بار لے رکھا ہے، ان کو جو موقع، اللہ کی طاعات میں ملے تو ان شاء اللہ، ان نعمتوں سے متمتع ہونے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حقیقت میں ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ مجاہدین کو جب کوئی ایسی نعمت ملتی ہے تو خوب خوش ہوتے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے کھاتے ہیں اور حمد و ثنا پر اختتام کرتے ہیں، اللہ پاک مجھے بھی ایسا ہی بنالیں، آمین۔

یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ حضرتِ استاذ جہاں ساتھیوں اور دیگر لوگوں کے لیے راحت کا سامان کرتے تو اپنی ذات میں بہت قانع، زاہد اور فقیر تھے۔ حضرت کے فقرِ اختیاری کے متعلق شروع شروع کی نشستوں میں کچھ ذکر گزرا ہے۔ باقی خود استاذ کی شریکۂ حیات نے آپ کے زہد کے متعلق اپنی تصنیف...... (باقی صفحہ نمبر 20 پر)

[1] استاذ کا رمزی نام اس زمانے میں عبد الرحیم ہوا کرتا تھا۔

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء سے ۹ نومبر ۲۰۱۹ء تک

احمد سعید دہلوی

بھائی احمد سعید دہلوی کا تعلق ہندوستان سے ہے اور زیرِ نظر مضمون ادارہ 'نوائے افغان جہاد' کو ارسال کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

''اس سانحے کے بعد ہم سر اُٹھا کر جینا ہی بھول گئے''

''بابری مسجد ہم شرمندہ ہے تیرے قاتل زندہ ہیں''

''بابری مسجد خون کے آنسو روتی ہے''

''مسجد وہیں بنی چاہیے جہاں پر وہ پہلے تھی''

دہلی، اترپردیش، ممبئ اور دیگر جگہوں پر یہ نعرے دیواروں پر لکھے دیکھے جاسکتے تھے۔

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء، ہندوستان کی تاریخ کا ایک ایسا سیاہ دن گزرا ہے، اور اس دن مسلمانوں کی جبینوں پر ایسا داغ لگا ہے، جسے مسلمان اپنا خون دے کر ہی پاک کرسکتے ہیں۔ بابری مسجد جو تقریباً پانچ سو سال سے پوری شان وشوکت کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسے اللہ کے دشمنوں نے گرا دیا۔

ہندوستان میں اس سانحے کو کچھ لوگ (رحیم اور رام) کے بیچ تنازعہ مانتے ہیں۔ دھرتی پر یہ جنگ رحیم اور رام کے ماننے والوں کے درمیان جاری ہے۔ رام کے ماننے والے پوری تیاری کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے، جبکہ رحیم کو ماننے والے غفلت ومصلحت میں پڑے رہے۔

دہشت گردی میں سارے ادارے ملوث تھے!

دو سے ڈھائی لاکھ کی تعداد میں ہندو کار سیوک ایودھیا پہنچ چکے تھے۔ ملک بھر میں دھارا ۱۴۴ لاگو تھی۔ سیکورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ آر ایس ایس، بی جے پی، شیوسینہ، بجرنگ دَل جیسی شدت پسند دہشت گرد تنظیموں نے رام مندر بنانے کی مہم کا آغاز کیا تھا اور وہ ملک بھر میں ہندوؤں کو مسلمانوں اور بابری مسجد کے خلاف اکسانے میں لگے ہوئے تھے۔ سیاسی جماعتیں، پولیس انتظامیہ، سیکورٹی ادارے حالات کو سنبھالنے کے دعوے کررہے تھے جبکہ سبھی کی ملی بھگت سے یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ بابری مسجد کو شہید کرنا ہے۔

۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو پوری دنیا نے یہ دیکھا کہ مشرکین بابری مسجد کے گنبدوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ سیکورٹی ادارے، پولیس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ اس سانحے کے بعد ملک بھر میں دنگے پھوٹ پڑے۔ دہلی، اترپردیش، ممبئ، وغیرہ میں ہندوؤں نے سیکورٹی اداروں کی مدد سے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا اور اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیا۔

مسلمانوں کے ساتھ دھوکے بازی

بابری مسجد کی شہادت کے بعد سیاست کا بازار خوب گرم ہوا۔ یہ ہندو برہمن کی پالیسی کا ایک حصہ ہے کہ ایک طرف سے مارا جائے اور دوسری طرف سے ہمدردی کی جائے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد کئی سیاسی جماعتوں نے...... فلاحی تنظیموں نے مسلمانوں کو خوب دلاسے دیے اور ان کی ہمدردیاں بٹوریں۔ خود مسلمانوں کی کئی سیاسی جماعتوں نے قانونی طریقے سے جنگ لڑنے کی بات کی اور نعوذ باللہ سپریم کورٹ کے فیصلے کو خدا کے فیصلے کے برابر رکھا۔ جو مسلمانوں کے ہمدرد بنے تھے، ان کے منہ سے یہ جملے سنے گئے:

''ہم سپریم کورٹ کا سمّان (عزت) کرتے ہیں''، ''جو بھی فیصلہ ہو ہم اسے مانیں گے''، ''ہمیں انصاف ضرور ملے گا''، وغیرہ وغیرہ۔

ہندو دہشت گردی بڑھتی گئی

بابری مسجد کی شہادت کے بعد سے ہی، RSS, VHP, BJP اور دیگر دہشت گرد تنظیموں کی مہم تیز ہوتی گئی۔ وہ رام مندر کے لیے پتھر خریدتے گئے، زہر اگلتے گئے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے گئے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۹۱ء میں اترپردیش میں بی جے پی کی حکومت آنے کے بعد ہی رام مندر بنانے کی مہم تیز ہوگئی تھی۔ بی جے پی اور دیگر تنظیمیں ہی مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۹۹۲ء سے لے کر اب تک اترپردیش اور مرکز میں ایسی حکومتیں بھی رہی ہیں، جن کو مسلمانوں کا ہمدرد سمجھا جاتا ہے۔ (تو کیا انہوں نے بابری مسجد کی تعمیر کے لیے کچھ اقدام اُٹھائے ہیں؟)

آخری منزل

''ہمیں بھارت کے آئین پر بھروسہ ہے''، ''ہم سپریم کورٹ کے فیصلے کا سمّان کرتے ہیں''، ''ہمیں انصاف ضرور ملے گا''

یہ ایسے جملے ہیں جو ہمیں ایسے لوگوں سے سننے کو ملے جو کہتے تھے کہ ہندوستان کی عدلیہ انصاف پسند اور سیکولر ہے۔ وہ اکثریت یا اقلیت کو نہیں دیکھتی بلکہ انصاف سے فیصلے کرتی ہے۔ لیکن جسٹس رانجن گوگوئی کے بینچ نے یہ فیصلہ کن بنیادوں پر کیا ہے؟ ملک کا سب سے بڑا فیصلہ کن ثبوتوں کی بنیاد پر آیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب آپ خود انہی کے منہ سے سن سکتے ہیں، کہ سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ آستھا اور اکثریت کی بنیاد پر دیا ہے۔

تو کیا سپریم کورٹ اگر یہ فیصلہ دے کے اسلام کو نعوذ باللہ بدل دیا جائے کیونکہ اس سے ہندوؤں کی آستھا کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ تو کیا آپ پھر بھی سپریم کورٹ کا سمّان کریں گے؟

اگر ایسا ہوتا!

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں پانچ ایکڑ زمین مسلمانوں کو دینے کی بات کہی ہے، اور یہ بھی

کہا ہے کہ ہم نے دونوں کا خیال رکھا ہے۔ مسلمانوں سے یہ توقع رکھی جارہی ہے کہ وہ اس فیصلے کو اور پانچ ایکڑ زمین کو لے کر خوش رہیں۔ اور سپریم کورٹ کا سمّان کرتے رہیں۔

تو اگر ایسا ہوتا کہ پانچ ایکڑ کی جگہ دس ایکڑ زمین ہندوؤں کو کہیں اور دی جاتی اور فیصلہ دیا جاتا کہ بابری مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا جائے۔ تو کیا یہ فیصلہ سبھی کو منظور ہوتا؟ نہیں، بالکل نہیں، اس قسم کا فیصلہ کبھی بھی نہیں دیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ مسجد کو شہید کرنے والے اور ان کی تنظیمیں حکومت کررہی ہیں۔ ان کو کسی بھی قسم کی کوئی سزا نہیں دی گئی ہے۔ تو کیا کبھی ان کے خلاف بھی فیصلہ دیا جاسکتا ہے؟

مسلمانوں کی حالت

اس فیصلے کے بعد دو قسم کی آراء سامنے آئی ہیں یا مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہیں:

پہلی رائے: اس قسم کی رائے رکھنے والے مسلمان کہتے ہیں کہ جو بھی فیصلہ ہوا وہ اچھا ہوا۔ اب کوئی مسجد یا مندر کے نام پر سیاست نہیں کرے گا۔ اب غریبی، تعلیم اور روزگار پر کام کیا جائے گا۔

دوسری رائے: اس قسم کی رائے رکھنے والے مسلمان کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ حکومت کے دباؤ میں دیا گیا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے۔ ان کے مطابق جس کی لاٹھی اس کی بھینس!

آخر ہم کیا کریں؟ دوسری قسم کی رائے رکھنے والے مسلمان اکثر یہ کہتے دیکھے جاسکتے ہیں کہ ہندو حکومت ہے۔ پولیس ان کی، ادارے ان کے، عدلیہ ان کی۔ آخر ہم کریں تو کیا کریں؟ ان کے دل اُمت کے غم سے بھرے ہیں۔ ہندوؤں کی دہشت گردی سے وہ بے حد پریشان ہو جاتے ہیں، لیکن ان کے لبوں پر یہ جملہ ہوتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی طرف لوٹو۔ دیکھو قرآن تم سے کیا تقاضا کر رہا ہے۔ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟ صحابہ نے کس طریقے پر عمل کیا۔ اپنے عقیدے اور دین کو مضبوطی سے تھام لو۔ ہندوستان پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک اسلام نافذ کیا تھا۔ ان سے پہلے یہاں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی۔ تو کیا مسلمان الیکشن سے حکومت میں آئے تھے؟ یا کسی کورٹ میں اپیل کر کے اپنے حق میں لڑے تھے؟ یا سیکولر کا نعرہ لگا کر دل جیتنے میں لگ گئے تھے۔ نہیں بلکہ تلوار کے ساتھ ظلم و ستم اور شرک کے محل گرائے تھے۔ ان مسلمانوں کی تعداد بھی ہندوؤں سے کم تھی۔ لیکن انہوں نے خلافت کا جھنڈا ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ محمد بن قاسم، محمود غزنوی، اورنگ زیب، ٹیپو سلطان جیسی مثالوں کے بعد ہمیں کسی سپریم کورٹ کی طرف بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں۔ بابری مسجد ہو یا دوسری کوئی بھی مسجد جسے ہندو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ سب کو بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور طریقہ ہے دین کی طرف لوٹنا، اپنی ذاتی و اجتماعی زندگی میں دین کا نفاذ۔ عدالتیں، پولیس اسٹیشن، ادارے، سیاسی جماعتیں یہ سبھی ہندوؤں کو تحفظ دینے کے لیے قائم کی گئی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح صرف اور صرف احیائے خلافت میں ہے۔

اللہ اکبر

بابری مسجد کا شہید کیا جانا ہو یا اس کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا جانا ہو یا رام مندر کے حق میں فیصلہ آنا ہو... ظلم کی انتہا، بے بسی اور لاچاری کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ ظالم بے بس اور مظلوم لوگوں پر ہی ظلم کرتے ہیں۔ ایمان کی طاقت اور جذبے کے سامنے وہ چند لمحے بھی نہیں ٹِک پاتے۔

۶ دسمبر ۲۰۱۱، دہلی کے 'جنتر منتر' میں مسلمان بابری مسجد کے حق میں احتجاج درج کرانے جمع ہوئے تھے۔ قریب ہی 'وشو ہندو پریشد' کے لوگ رام مندر بنانے کے مقصد کو لے کر اکٹھے ہوئے تھے۔ اس دن یعنی ۶ دسمبر کو مسلمان ملک بھر میں احتجاج درج کرایا کرتے تھے۔ ہمارے محلے کے ایک بزرگ بھائی نے مجھے اس احتجاج میں شرکت کی دعوت دی، میں ان دنوں دہلی میں ہی تھا۔ جس پر میں نے فوراً ہی لبیک کہا اور بغیر کسی کو بتائے کام ختم کر کے جنتر منتر پہنچ گیا۔ تقریروں سے شروعات ہوئی۔ پولیس کی بھاری نفری وہاں تعینات تھی۔ مسلمان بابری مسجد کے غم کو اپنے لفظوں میں بیان کر رہے تھے۔ اور بہت ہی پُر امن دور جاری تھا۔ لیکن دوسری طرف ہندو جن کی تعداد تقریباً تین سو کے قریب ہوگی، بار بار اشتعال انگیز نعرے لگا رہے تھے اور ماحول کو خوب گرم کر رہے تھے۔ مسلمان جن کی تعداد پچاس سے ساٹھ تھی، تھوڑے ڈرے سہمے، احتجاج کر رہے تھے۔ اور اس انتظار میں تھے کہ جلدی سے احتجاج ختم ہو اور ہم خیریت سے گھر کی طرف روانہ ہوں۔ کیونکہ پولیس اور ہندو دہشت گرد مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے میں دیر نہیں کرتے ہیں۔ جب ماحول گرم ہونے لگا تو ایک نوجوان نے لاؤڈ سپیکر پر نعرۂ تکبیر 'اللہ اکبر' بلند کیا۔ اس نعرے کا لگنا تھا کہ مسلمانوں میں عجیب سی طاقت و جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور سارے مسلمان تقریر چھوڑ کر اللہ اکبر اللہ اکبر زور زور سے کہنے لگے۔ پانچ منٹ تک یہ نعرے فضا میں گونجتے رہے۔ ان نعروں میں ہندوؤں اور پولیس کی آواز دب کر رہ گئی۔ اب مسلمان اپنی جگہ چھوڑ کر ہندوؤں کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر جو حالت تھی وہ بیان نہیں کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ دارالحرب میں، ایسے ماحول میں، ایسے حالات میں ظالموں کے سامنے یہ نعرہ لگانا آسان نہ تھا۔ کیونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آواز کو دبانے کی پوری کوشش حکومت و انتظامیہ والے کرتے ہیں۔ پولیس نے موقع کی سنجیدگی کو دیکھ کر مسلمانوں سے شانت رہنے کی اپیل کی اور ہندو دہشت گردوں کو وہاں سے روانہ کر دیا۔ پچاس سے ساٹھ مسلمانوں کے سامنے، جو بالکل نہتے تھے، ۱۰ منٹ کے اندر اندر ہندو اور پولیس وہاں سے روانہ ہو گئے۔ الحمدللہ یہ ہے میرے رب کے نام پر مر مٹنے کے جذبے کا اثر۔ جس نے ظالموں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ (باقی صفحہ نمبر 20 پر)

اے مسجدِ بابری!

قاضی ابو احمد

ماہِ دسمبر اپنے سینے میں امت مسلمہ کے بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر کے بالخصوص، کئی زخم سموئے ہوئے ہے۔ ان میں سے ایک سانحۂ بابری مسجد (چھ دسمبر ۱۹۹۲ء) ہے اور دوسرا سانحۂ سقوطِ مشرقی پاکستان (۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء)۔

۹۳۵ سن ہجری (بمطابق ۲۹۔۱۵۲۸ء) میں تعمیر کی جانے والی بابری مسجد پر ہندوؤں نے ۱۹۳۴ء میں بھی حملہ کرکے اس کی چاردیواری اور ایک گنبد کو نقصان پہنچایا تھا۔ بعد ازاں ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہندوؤں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اس پر حملہ کرکے اسے شہید کر دیا۔ فوری طور پر تو مسلمانوں کی جانب سے اس واقعے کا ردعمل ہنگاموں کی صورت میں نظر آیا مگر بعد ازاں اس معاملے کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور اب اس واقعے کے تقریباً ستائیس سال گزرنے کے بعد بھارتی عدالت کی جانب سے وہی فیصلہ سامنے آیا ہے جس کی کہ توقع تھی۔ ہندو سے آپ مسلم دشمنی کے سوا کس چیز کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ لہٰذا اس فیصلے پر تو کیا ہی اعتراض کرنا، اصل افسوس تو بعض اپنوں کی بے حسی اور بے غیرتی کا ہے۔

عین اس وقت جب بابری مسجد کی تحویل کا مقدمہ بھارتی عدالت میں چل رہا تھا، رام مندر کے خلاف مقدمے کی پیروی کرنے والے ہاشم انصاری کا "ہندو مسلم اخوت" کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حریف کے ساتھ ایک ہی رکشے میں بیٹھ کر خوش گپیاں کرتے ہوئے مقدمے کی پیروی کے لیے جانا، حریفِ مخالف کی ہر خوشی غمی میں شریک ہونا اور فیصلہ آجانے کے بعد عدالت میں مقدمے کی پیروی کرنے والے اقبال انصاری (ولد ہاشم انصاری) کا ہندوؤں کے ساتھ مقدمے کی فتح کے سلسلے میں منعقدہ جشن میں شریک ہونا اور بعد ازاں اس عدالتی فیصلے کے خلاف اپیل نہ کرنے کا فیصلہ واضح کرتا ہے کہ، حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے۔ یقیناً یہ رویہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں موجود ایمانی غیرت کا عکاس نہیں ہے، بلکہ چند سرکردہ افراد کا ذاتی فعل ہے۔ مگر جب مسلمان عوام اپنے حق کے لیے، اپنے دین، ایمان اور شعائرِ اسلام کی حفاظت کے لیے اٹھ کر کھڑے نہیں ہوں گے تو حدیث کے مطابق وہ سیلاب کی خس و خاشاک کی مانند ہو کر رہ جائیں گے کہ ان کی تعداد تو بہت ہو گی مگر ان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہو گی، پھر ان کی جانب سے جو، جیسا چاہے گا، کہہ اور کر گزرے گا اور اسے پروا بھی نہ ہو گی کہ مسلمان کیا چاہتے ہیں۔

بھارت کی یہی مسلم دشمنی ہم صوبۂ آسام میں ملاحظہ کر چکے ہیں، جہاں کروڑوں مسلمانوں پر غیر بھارتی ہونے کا ٹھپہ لگا کر انہیں بے گھر اور جلاوطن کرنے کی مذموم سازش کی گئی ہے۔ نیز کشمیر۔۔جہاں کئی ماہ جاری رہنے والے کرفیو، بدترین تشدد، ذرائع مواصلات پر پابندی اور مکمل میڈیائی بلیک آؤٹ پر بھارتی میڈیا نہ صرف بالکل خاموش رہا بلکہ اس کے برعکس تصویر پیش کرتا ہے۔۔میں آرٹیکل ۳۷۰ختم کرکے غیر کشمیریوں کو زمین و جائیداد خریدنے کی اجازت دے دی گئی، جس کا نتیجہ مسلم سرزمین پر نجس ہندوؤں کے بسنے کی صورت میں رونما ہو گا، بالکل اسی طرح جیسے سرزمینِ قدس میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا کر یہودیوں کی بستیاں بسائی گئیں اور انہیں عین قانونی قرار دیا گیا.....

پوری دنیا میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ "پاک چین دوستی زندہ باد" کے نعرے لگانے والوں کو کیا پروا کہ مظلوم ایغور مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ فقط میڈیا پر نشر کی جانے والی تعداد کے مطابق دس لاکھ سے زیادہ ایغور مسلمان چینی حراستی مراکز میں قید ہیں اور بدترین تشدد سہہ رہے ہیں۔ نیز ایغور بچوں کی بڑی تعداد کو والدین سے زبردستی جدا کرکے "بورڈنگ سکولوں" (یعنی جیلوں) میں رکھا جا رہا ہے اور ان کے لیے ان کا دین، شعائرِ دین، ان کی زبان، ان کا لباس...سب ممنوع ہے اور انہیں کمیونزم و لادینیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نیز چین نے ترکستان میں موجود دس ہزار سے زیادہ مساجد کو کئی سال بند رکھنے کے بعد ڈھا دیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ پاکستان سے شادی کے نام پر چھ سو سے زائد لڑکیوں کو چین لے جا کر جسم فروشی پر مجبور کیا گیا ہے...اور یہ سب پاک چین دوستی کے نام پر!!

میانمار میں مسلمانوں کی حالت بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ان پر ہونے والا ظلم و ستم پوری دنیا کے سامنے ہے مگر پھر بھی ان مظلوموں کے حق میں کوئی آواز بلند نہیں ہوتی...

اوائل دسمبر (۲۰۱۹ء) کی خبر کے مطابق، فلسطین میں الخلیل کے علاقے میں جہاں فقط ایک ہزار یہودی آباد ہیں جب کہ مسلمانوں کی تعداد دو لاکھ ہے، نئی یہودی بستی بسانے کا اعلان کیا گیا ہے، جس کے بعد اس علاقے میں موجود یہودیوں کی تعداد دوگنا ہو جائے گی۔ نیز اس علاقے کے قدیم بازار میں نچلی منزل پر موجود فلسطینیوں کی تمام دکانیں فلسطینیوں سے لے کر اسرائیلیوں کو دے دی جائیں گی...

یہ تو فقط چند مثالوں کی بھی ہلکی سی جھلک ہے کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ہوتا رہے گا، اور اس میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا، جب تک کہ مسلمان اپنے دین کے دفاع کے لیے، اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے، اپنی سرزمینوں کی بازیابی کے لیے اٹھ کر کھڑے نہیں ہو جاتے۔

مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہے۔ آج دنیا بھر میں مسلم سرزمینوں پر کفار کا قبضہ ہے اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان خواتین، مرد اور بچے کفار کی قید میں ہیں۔ مگر مسلمان یا تو ذہنی طور پر غلامی قبول کر چکے ہیں یا بے حسی کا شکار ہیں اور دینی حمیت سے ناتا توڑ چکے ہیں۔ مسلمان اس دنیا میں بغیر جہاد کے سکون کے متلاشی ہیں، جب کہ یہ دنیا تو دارالامتحان ہے اور امتحان گاہ

میں سکون کیسا! وہاں تو مسلسل قلتِ وقت اور کثرتِ عمل کی تلوار سر پر لٹکتی رہتی ہے۔ اس کے بعد جو مومنین اعمالِ صالحہ لے کر رب تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے انہی کے لیے کامیابی کا مژدہ، حقیقی سکون اور دائمی امن میسر ہوگا۔ مگر جو اس دنیا کو جنت بنانے پر تلے رہے، کفار کے طرزِ عمل اور طرزِ زندگی کی پیروی کر کر کے جنت کھوجنے کی کوشش کرتے رہے، ان کے لیے نہ تو یہ دنیا امن کا ٹھکانہ ثابت ہوگی اور آخر میں بھی ان کا انجام انھی کے ساتھ ہوگا جن کی پیروی وہ دنیا میں کرتے رہے۔

آج کے دور میں ہمیں وہ وقت اور وہ واقعہ یاد کرنے کی ضرورت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں مسلمانوں پر فتوحات کا دور آیا اور انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوچا کہ اب ہم کچھ وقت اپنے گھروں، باغوں اور کھیتی کی طرف توجہ دے لیں۔ نہ انہوں نے جہاد چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا نہ ہی دنیا میں دل لگانے کا۔ مگر بات یہ تھی کہ وہ ہماری طرح مکمل طور پر بازاروں اور دکانوں میں بکنے والے سامان کے محتاج تو تھے نہیں کہ ہماری طرح انھیں پرواہ ہی نہ ہوتی کہ بارش ہوئی یا نہیں، کھیتی اگ سکے گی یا نہیں اور کیا کاشت کرنا ہے، کب کرنا ہے اور کب کاٹنا ہے...وغیرہ، وہاں تو گزران اسی کھیتی باڑی، مال مویشی پالنے اور باغات کے پھل پر تھی جس پر وہ جہاد میں مسلسل مشغول رہنے کے باعث بالکل توجہ نہ دے سکے تھے (واقعۂ تبوک یاد کیجیے کہ جب اللہ ربّ العزت کے حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی تیار فصلیں چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے)...پس ان کا مقصد حبّ دنیا اور حکم عدولی ہرگز نہ تھا، مگر پھر بھی فقط دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے اس ارادے پر ہی ان کی پکڑ کی گئی۔ آیت ﴿...وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ...﴾[1] کے تحت آتا ہے کہ حضرت ابو عمران فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو، یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: "اس آیت کا صحیح مطلب ہم جانتے ہیں، سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ہم نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحبت اٹھائی، آپ کے ساتھ جنگ وجہاد میں شریک رہے، آپ کی مدد پر ڈٹے رہے، یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا، ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے، آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے، اب بحمد اللہ اسلام پھیل گیا، مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا، لڑائی ختم ہو گئی، اُن دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی نہ مال کی دیکھ بھال کی، نہ کھیتیوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا، اب ہمیں چاہیے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے**"۔[2] نیز حضرت سلمہ بن نفیل کندیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں کے نزدیک گھوڑوں کی قدر و قیمت ختم ہو گئی ہے، انہوں نے اسلحہ رکھ دیا ہے اور کہتے ہیں کہ جہاد کا تو خاتمہ ہو گیا۔ اس لیے کہ جہاد تو موقوف ہو گیا ہے۔ اس پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک اس کی طرف کر دیا اور فرمایا: "یہ لوگ تو جھوٹے ہیں، الْآنَ الْآنَ جَاء الْقِتَال، ابھی ابھی تو قتال کا حکم آیا ہے"۔

پس اے امت مسلمہ! اپنی ذلت، خواری، پستی اور مظلومیت کے ازالے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ واللہ! یہ شیاطین اور ان کے دوست کفار اور منافقین نہایت ہی بزدل اور کمزور ہیں۔ ان کی چالیں مکڑی کے جال سے زیادہ مضبوط نہیں ہیں، جو دیکھنے میں تو بہت بڑا اور پھیلا ہوا نظر آتا ہے مگر حقیقتاً سب سے کمزور ہوتا ہے۔ یہ کفار آپ کا عزم وہمت اور آپ کے ہاتھ میں تھاما اسلحہ دیکھ کر ہی حوصلہ ہار جائیں گے، جیسا کہ آج افغانستان میں اپنی تمام تر قوت اور ٹیکنالوجی کے باوجود بزدلوں کی طرح پیٹھ موڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ یہ دنیا دارالامتحان بہر حال رہے گی، چاہے آپ جہاد کے لیے نکلیں یا نہ نکلیں۔ یہاں آپ کو حقیقی امن اور سکون جنگ کے میدانوں میں ہی ملے گا، اس کے سوا نہیں۔ پس اپنی دائمی زندگی کو سنوارنے کے لیے، اپنی جنتیں سجانے کے لیے آج سے کوشش شروع کیجیے۔ اگر آپ نے اپنے آج کو ضائع کر دیا تو یہ پھر کبھی نہیں ملے گا۔ پس اٹھیے! آپ کا اور ہمارا رب کبھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا، یہ اس کا وعدہ ہے۔ پس اپنے رب کے سچے وعدوں پر یقین رکھیے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اسوہ یاد رکھیے کہ جب ان سے کہا گیا کہ تمہارے خلاف کفار نے لشکر اکٹھے کیے ہیں، پس تم ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور وہ کہنے لگے حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ "اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی"۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں ان میں شامل فرما دے کہ آزمائش اور مشکلات دیکھ کر جن کا رب تعالیٰ کی ذات پر یقین اور ایمان مزید مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہہ کر اپنے اور اپنے دین کے دشمنوں پر جھپٹ پڑتے ہیں۔

[1] البقرۃ:۱۹۵؛ ترجمہ: "اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں..."

[2] ابو داود، ترمذی، نسائی وغیرہ

بابری مسجد

(ایک اجمالی ساخطِ تاریخ)

میاں سعد خالد

مسجد کا قیام

۱۵۲۸-۱۵۲۹ء میں سلطنتِ مغلیہ کے مؤسس، ظہیر الدین محمد بابر کے حکم پر، بابر کے تابع فرمان اور ریاستِ اَوَدھ کے والی میر باقی تاشقندی نے، ضلع فیض آباد کے شہر ایودھیا میں ایک مسجد تعمیر کروائی، جسے بابر ہی کے نام کی نسبت سے 'بابری مسجد' پکارا گیا۔

فنِ تعمیر/Architecture

اس مسجد کا طرزِ تعمیر 'سلطنتِ دہلی' کے شاہان کے انداز کا ہے۔ فنِ تعمیر کے لحاظ سے یہ تغلقوں کی بنائی مساجد کی نقل ہے۔ اس انداز کی مساجد پورے ہندوستان (برِّ صغیر) میں پائی جاتی ہیں۔ مغلوں، تغلقوں، خلجیوں، سوریوں...... سب نے ہی اسی طرزِ تعمیر کو برِّ صغیر میں پروان چڑھایا۔ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ جس زمانے میں برِّ صغیر کے اندر قلعے، محلات اور مساجد و منارے بنائے جا رہے تھے، اس وقت اہلِ یورپ فن و سائنس کا بلند زینہ چڑھ رہے تھے۔ جانتے بوجھتے یہ بات کرنا ایک تاریخی خیانت ہے۔ اسی کا ایک ثبوت خود بابری مسجد کا طرزِ تعمیر ہے۔ یاد رہے کہ بابری مسجد آج سے پانچ سو سال پہلے تعمیر کی گئی تھی۔ فنِ تعمیر کے لحاظ سے دو باتیں اس مسجد کا امتیازِ خاص ہیں۔

پہلا امتیاز: علمِ صوت کے اعتبار سے تعمیر

بابری مسجد کو تعمیر کرتے ہوئے اس کی دیواروں اور محراب میں کچھ 'خلا' رہنے دیا گیا اور ایسے بھر بھرے پتھر کا استعمال کیا گیا جو آواز کو جذب نہیں کرتا، بلکہ آواز اس سے ٹکرا کر آگے کو پھیل جاتی ہے، یعنی ایک گونج پیدا ہوتی ہے۔ برِّ صغیر پر قابض دشمن، گورنر جنرل آف انڈیا 'لارڈ ولیم بنٹنک' کا ماہرِ فنِ تعمیرات 'گراہم پِک فورڈ' کہتا ہے کہ "بابری مسجد کے محراب میں کی گئی سرگوشی، مسجد کے آخری کونے تک واضح سنائی دیتی تھی۔ یہ آواز لمبائی اور چوڑائی دونوں میں پھیلتی ہوئی ہر طرف واضح قابلِ سماعت ہوتی۔ بابری مسجد کے دو کونوں کے درمیان دو سو فٹ یا ساٹھ میٹر کا فاصلہ تھا۔"۔ دشمن خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ سولہویں صدی میں ایسی عمارت کی تعمیر ایک 'ایڈوانس' معاملہ ہے۔

دوسرا امتیاز: ہوا کی آمد و رفت کا انتظام

بابری مسجد میں ہوا کا بہترین آمد و رفت کا نظام تھا۔ اس کے لیے خاص انداز سے گنبدوں، محرابوں اور قبوں کو بنایا گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے لیے اونچی چھتیں تعمیر کی گئیں جن کے ساتھ متعدد طاقیں تھیں اور چھ عدد جالی دار بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جو زیبائشی لحاظ سے بھی شاہکار تھیں۔

اصلی امتیاز عمارتوں کا نہیں، ان کو آباد کرنے والوں کا ہوتا ہے!

بابری مسجد کا جو نقشہ اوپر کے الفاظ میں بیان کیا گیا، اس کا سبب یہ تھا کہ ہم اس کی عمارت سے، اس زمانے کے مسلمان حکمرانوں کی مساجد کو آباد کرنے کی کاوشوں وغیرہ کا اندازہ کر سکیں۔ لیکن اصلی امتیاز عمارتوں کا نہیں ہوتا، بلکہ ان عمارتوں کو آباد کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ غرناطہ و قرطبہ کیا کم شاہکار تھے؟ کیا ہسپانیہ کم خوبصورت تھا؟ لیکن جب غرناطہ و قرطبہ کو آباد کرنے والے، غیرت و حمیت سے عاری ہونے لگے تو حسین و جمیل عمارتیں، ان کا فنِ تعمیر، وہاں کا انتظام و انصرام کہ جسے دیکھ کر ایک لمحے کو یہ گمان ہونے لگے کہ شاید جنت ایسی ہو...... یہ سب بے کار گئے۔ مادی اسباب جتنے بھی ہو جائیں بے کار رہتے ہیں یہاں تک کہ نگہبانی کرنے کے لیے ایمان اور غیرت کا عقیدہ و جذبہ پیدا ہو رہے۔

پھر ہمیں بابری مسجد کے حسن و فنِ تعمیر سے محبت تھوڑا ہی ہے، ہاں یہ فخر ضرور ہے کہ ہم دنیا کی بہترین جگہوں یعنی مساجد کو اپنے گھروں سے بہر لحاظ اچھا رکھتے ہیں...... لیکن محبت تو اس عمارت سے لا الٰہ الا اللہ کی وجہ سے ہے۔ یہ عمارت نہ ہوتی، یہ ایک خستہ سا جھونپڑا ہوتا، تب بھی ہمیں اس سے اسی قدر آشنائی ہوتی۔ بلکہ آج جب یہ مسجد نہیں رہی، جب یہ شہید کر دی گئی ہے، تب بھی ہمیں اس سے اتنی ہی محبت ہے۔

جب تک ہمارا ایمان مضبوط رہا اور ہم غیرت کی فصیل پر پہرے دار بنے، اپنے مقدسات کی نگہ داری کرتے رہے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ مسجد ڈھا کر رام مندر بنانے کے خیال کو اپنی زبان پر بھی لا سکے۔ اگر کسی نے کوشش کی تو اس کا فیصلہ ہماری تلوار کیا کرتی تھی۔

رام مندر کی کہانی

ہندو کہتے ہیں کہ ان کا ایک اوتار اور بعض کہتے ہیں کہ خدا 'رام' ایودھیا میں پیدا ہوا۔ خدا پیدا ہوا؟! ایک ماں سے! یہ لغویات موضوع نہیں۔ بہر کیف...... آج جو ہندوؤں کے دل کے دل بابری مسجد پر چڑھ دوڑ رہے ہیں یا ماضی میں چڑھے ہیں تو یہ اصل میں رام مندر کی 'بحالی' کی خاطر ایسا نہیں کر رہے، بلکہ یہ بابری مسجد اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف نفرت و دشمنی ہے۔

ایودھیا میں درجن سے زیادہ مندر ایسے تھے جس کے پجاری اور مجاور اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ 'ہمارا' ہی مندر، رام کی جنم بھومی ہے۔ یہ سب دعوے کیا ہوئے؟ کہاں گئے؟

ایک ناٹکی مذہب جس کا ان ویدوں سے بھی کوئی تعلق نہیں جن کو ہندو اپنا روحانی 'صحیفہ' قرار دیتے ہیں۔ وہ ہندو مت جس میں کوئی بات مَت میں آنے والی نہیں۔ ہر ایک کا 'پرسنل' بت ہے، ذاتی خدا ہے۔ اور تو اور ایک نام کے مسلمان شاہ رخ خان کو بھی پوجنے والے ہندو موجود

ہیں۔ ایک کرکٹ کے مہان کھلاڑی 'سچن ٹنڈولکر' کی پوجا کرنے والے جس مذہب میں پائے جاتے ہیں، جو اسے 'کرکٹ کا خدا' کہتے ہیں۔ ایسے مذہب پر چلنے والے جنونی صرف مسلمانوں اور ان کے متعلقات کے دشمن ہیں۔

کیسی لغو بات ہے کہ تاریخی کتابیں جو ہندوؤں ہی کی لکھی اور مرتب کردہ ہیں میں لکھا ہے کہ رام کب پیدا ہوا اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، دو چار دن، مہینے، دو چار سالوں کا اختلاف نہیں، ایک کہتا ہے پانچ ہزار سال قبل مسیح میں رام، ایودھیا میں 'جنا' گیا اور دوسرا کہتا ہے کہ ڈیڑھ سو برس قبل مسیح میں یہ 'پاپ' ہوا۔ یعنی بس زیادہ فرق نہیں ہے چار پانچ ہزار سال بیتتے وقت ہی کتنا لگتا ہے؟!

پھر یہ بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ جس ایودھیا کا کتابوں میں ذکر ہے یہ یہی فیض آباد میں واقع ایودھیا ہے یا کوئی اور؟!

پھر کچھ کہتے ہیں کہ وہی رام جو پیدا ہوا، جس کی ماں تھی، باپ تھا، سیتا جس کی بیوی تھی، لاوا اور کوشا جس کے بیٹے تھے جو بادشاہ بھی تھا اور بعد میں مر گیا۔ وہی رام ایک پجاری کو بابری مسجد میں نظر آیا۔ کہنے والے نے کہا ۲۳ دسمبر (۱۹۴۹ء) کی رات میں نے دیکھا کہ بابری مسجد میں یکایک چاندنی سی اٹھی، اور اس تیز روشنی میں مَیں نے دیکھا کہ چار پانچ سال کا ایک بے حد خوبصورت لڑکا کھڑا ہے۔ جب بے ہوشی ٹوٹی تو میں نے دیکھا کہ صدر دروازے کا تالا ٹوٹ کر زمین پر پڑا تھا۔ تخت پر بت رکھا ہوا تھا، اور لوگ اس کی پوجا کر رہے تھے'۔

جب کہ وہ پجاری جس نے ۲۲ اور ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کی رات بابری مسجد میں گھس کر بت اور مورتیاں رکھیں...... اس کا نام ماہنت رام سیوک داس شاستری ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اس رات میں اکیلا نہیں تھا میرے اور بھی ساتھی میرے ہمراہ تھے۔ میں نے خواب میں خدا کا ظہور ہوتے دیکھا اور اس خواب کی تعبیر میں ہم نے بت مسجد میں رکھ دیے۔ ان سب کی سرپرستی کے کے نیّر کر رہا تھا جو ایودھیا کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا۔

بابری مسجد بند کر دی گئی

بابری مسجد کے پیش امام حاجی عبد الغفار صاحب کہتے ہیں کہ 'وہ عشاء کی نماز پڑھا کر گھر آئے اور صبح فجر کی نماز پڑھانے جانا تھا کہ رات میں ہی مسجد کے مؤذن صاحب آئے اور کہا کہ ہندو اس میں گھس گئے ہیں اور بت مسجد میں رکھ دیے ہیں'۔ امام صاحب نے کہا کہ 'یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور خود گئے۔ وہاں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نیّر موجود تھا۔ اس نے کہا کہ آج جمعے کی نماز آپ کہیں اور پڑھ لیجیے، اس کے بعد دو چار جمعوں میں اس کا فیصلہ کر کے مسجد آپ کے حوالے کر دیں گے'۔ یوں مسجد تو بند ہو گئی، فیصلہ نہیں آیا اور ہندو مسجد کے چبوترے پر چڑھ کر بت پوجتے رہے۔

مسلم کش فسادات اور مسجد کا انہدام

مسلمانوں نے کچھ احتجاج وغیرہ کیا۔ اس کے نتیجے میں سنہ ۱۹۸۶ء میں ڈھائی ہزار سے زیادہ مسلمان شہید کیے گئے۔ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو صبح کے وقت 'رام رتھ یاترا' کے نام پر ایل کے ایڈوانی کی قیادت میں جو تخریب کاروں اور دہشت گردوں کا کاروان روانہ ہوا تھا وہ ایودھیا میں بابری مسجد کے مقام پر پہنچ گیا۔ یہاں ان 'یاتریوں' نے پوجا کی اور دوپہر بارہ بجے ایک پجاری مسجد کے ایک گنبد پر زرد جھنڈے لے کر چڑھ گیا اور باقی دہشت گردوں نے مسجد پر یلغار کر دی اور کچھ ساعتوں میں مسجد کا فقط ڈھانچہ یا شاید بنیادیں ہی رہ گئیں، انّاللہ وانّاالیہ راجعون۔

مسجد کے انہدام کے بعد ایک بار پھر ہندوستان بھر میں فسادات پھوٹ پڑے جس کے نتیجے میں دو ہزار مسلمان شہید کیے گئے۔

ہائی کورٹ کا فیصلہ

ان سب واقعات کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کروایا گیا اور ۲۰۱۰ء کے ستمبر کی آخری تاریخ (۳۰) کو عدالت نے فیصلہ دیا کہ بابری مسجد کی زمین کو تین حصوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک تہائی حصہ 'ہندو مہاسبھا' کو دے دیا جائے جو رام مندر تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ ایک تہائی مسلمانوں کے سنی وقف بورڈ کو دے دیا جائے، جہاں وہ اپنی مسجد تعمیر کر لیں۔ جبکہ آخری ایک تہائی 'نرموہی اکھاڑہ' والے ہندوؤں کو دے دیا جائے۔ یہ فیصلہ بھی ایسا تھا کہ دو تہائی حصہ عملاً ہندوؤں کو دیا جائے اور ایک تہائی مسلمانوں کو۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ

الہ آباد ہائی کورٹ کا فیصلہ مسلمانوں نے بھی اور ہندوؤں نے بھی یعنی فریقین نے ماننے سے انکار کر دیا اور مقدمہ سپریم کورٹ آف انڈیا میں دائر کیا گیا۔ بالآخر ۹ نومبر ۲۰۱۹ء کو سپریم کورٹ آف انڈیا نے اس مقدمے کا فیصلہ 'رام مندر' کے حق میں سنا دیا۔ اس فیصلے میں یہ بھی کہا گیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی طرف سے شہادتیں ناقص رہیں، فریقین میں سے کوئی بھی اپنا دعویٰ (بابری مسجد یا رام مندر کا) ثابت نہیں کر سکا۔ لہٰذا اس کے باوجود 'سیکولر' ہندوستان کے 'سیکولر' ججوں نے فیصلہ ہندوؤں کے حق میں دے دیا۔

غزوۂ ہند جاری ہے

غزوۂ ہند، یعنی جس معرکے کی آخری لڑائی کو آخر الزمان میں برپا ہونا ہے، کشمیر اور ہند و سندھ میں اس وقت جاری ہے۔ باذن اللہ اسی غزوۂ ہند کی ایک کڑی رام مندر اور اس کے پجاریوں کی چِتا کو خاکستر کر کے گنگا میں بہانا ہو گی۔

بابری مسجد کے خطِ تاریخ کی آخری بات، مسلمانوں کا پھر سے بیدار ہونا، سندھ و ہند کو تاراج کرنا اور بابری مسجد کا پوری شان و شوکت کے ساتھ دوبارہ قیام ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ کبھی کسی مسجد کی طرف...... (باقی صفحہ نمبر 42 پر)

قوم پرست کون؟

استاد احمد فاروق شہید رحمہ اللہ

حضرت الاستاذ، استاد احمد فاروق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضمون ۲۰۱۲ء میں تحریر فرمایا تھا۔ افادۂ عام کے لیے یہ مضمون قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (ادارہ)

ہمارے سرکاری نصابِ تعلیم نے، سرکاری میڈیا نے اور اقتدار میں رہنے والی سیاسی جماعتوں نے ہمیشہ عوام کو یہی تاثر دیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی تحریک اور آج بلوچستان، قبائلی علاقہ جات، سوات، اندرونِ سندھ وغیرہ میں حکومت، فوج اور ریاستی پالیسیوں کی مخالفت کرنے والی تحریکات، دراصل متعصب قوم پرست تحریکات ہیں، جو قومی یا لسانی تعصب پر کھڑی ہیں اور پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں۔ اگرچہ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ بعض اوقات مستقل ظلم تلے دبے رہ کر ایسی تحریکات جنم لے لیتی ہیں جو اپنے نظریات میں عدل کا دامن چھوڑ بیٹھتی ہیں، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بنگلہ دیش اور بلوچستان جیسے سلگتے مسائل میں بیرونی طاقتیں بھی اپنے مخصوص عزائم رکھتی ہیں اور اندرونی انتشار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہیں......... لیکن سوال یہ ہے کہ اس اندرونی انتشار کو پیدا کرنے کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ کس نے ایسی فضا پیدا کی کہ امریکہ یا بھارت کو کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے؟ باہر والوں پر انگلی اٹھانے سے قبل ہمیں اپنے اندر کس کا گریبان پکڑنے کی ضرورت ہے؟

ذرا بریگیڈیئر صدیق سالک کے بیان کیے گئے اس واقعے پر غور فرمائیے:

''......تھوڑی دیر بعد ایک فوجی جیپ میرے قریب آکر رکی۔ حوالدار نے مجھے سلیوٹ کیا اور پاس سے گزرتے ہوئے ایک بنگالی لڑکے کو بھبک دار لہجے میں حکم دیا: ''صاب کا اٹیچی کیس جیپ میں رکھو۔'' سہمے ہوئے لڑکے کو یہ بھبک ناگوار تو گزری، مگر اپنے آقا پر ایک احتجاجی نگاہ ڈالتے ہوئے حکم بجا لایا۔ اس نے گھور کر میری طرف بھی دیکھا۔ اس کے سیاہ چہرے کے چوکھٹے میں سفید سفید آنکھیں وحشت کا احساس لیے ہوئے تھیں۔ میں نے اپنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چند سکے اس غریب لڑکے کو دینا چاہے، مگر حوالدار نے پرزور لہجے میں کہا: ''سر! ان حرام زادوں کی عادت نہ بگاڑیے۔'' میں نے مشورہ مان لیا اور بنگالی لڑکا ایک بار پھر نفرت بھری نگاہیں مجھ پر ڈالتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ ایئرپورٹ کی بلند و بالا عمارت پر پرچم ستارہ و ہلال پوری آب و تاب سے لہرا رہا تھا۔ میں چھاؤنی روانہ ہو گیا......''۔ (بحوالہ: میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا)

کیا ہم شدید دجل و فریب کا شکار نہیں؟ ہمارے سامنے ایک منظم پراپیگنڈہ مہم کے ذریعے ایک ہی ملک کے بعض لوگوں کو دوسروں سے ذرا کم پاکستانی اور دوسرے درجے کا شہری بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم جب پاکستان کی بات کرتے ہیں تو اس سے شعوراً یا لاشعوراً ہماری مراد پورا ملک نہیں، بلکہ اس کے کچھ مخصوص علاقے ہوتے ہیں۔ تبھی قبائل کے عوام دس سال تک ہر دوسرے روز اپنی لاشیں اٹھاتے رہیں، بلوچ عوام کو مسخ شدہ لاشوں کے تحفے ملتے رہیں، سوات، قبائلی علاقہ جات اور بلوچستان میں اندھا دھند فوجی قوت استعمال ہوتی رہے، تو ملک کی سلامتی کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اور اس پر اٹھنے والی صدائے احتجاج بھی بہت کمزور سی ہوتی ہے۔ سوچیے کہ اگر یہی سب کچھ لاہور، گوجرانولہ، پنڈی، پشاور، مردان، کراچی یا حیدر آباد میں ہو رہا ہوتا اور دس سال سے ڈرون طیارے اور جیٹ جہاز، ٹینک و ہیلی کاپٹر بمباریاں کر رہے ہوتے تو ہمارا کیا ردِ عمل ہوتا؟

متحدہ پاکستان کی ملٹری ایلیٹ (1971ء)		
عہدہ	مشرقی پاکستان	مغربی پاکستان
لیفٹیننٹ جنرل	0	3
میجر جنرل	0	20
بریگیڈیئر	1	34
کرنل	1	49
میجر	10	590
مجموعی بحری افسران	7	593
مجموعی فضائی افسران	40	640
جملہ تعداد (کل افواج)	**59**	**1929**

سن ۷۱ء میں سرکاری سرپرستی میں چلنے والی اسی پراپیگنڈہ مہم نے تحریکِ پاکستان میں سرگرم ترین کردار ادا کرنے والے مشرقی پاکستان کے بنگالی عوام کی حب الوطنی کو مشکوک بنایا تھا اور آج قبائل و بلوچستان کے عوام پر یہی الزام لگایا جا رہا ہے۔ وہ قبائلی عوام جنہوں نے ۱۹۴۸ء میں، جب پاکستانی فوج نے کشمیر میں مداخلت سے باز رہنے کا فیصلہ کیا، خود آگے بڑھ کر کشمیر کا ایک بڑا حصہ آزاد کروایا تھا، ان کی اس دین سے محبت، اس سرزمین سے وابستگی اور اس کے عوام سے وفاداری پر سوال اٹھانا سراسر ظلم ہے۔ وہ بلوچ عوام جنہوں نے تحریکِ پاکستان کا ساتھ دیا اور یہ وعدہ کیا کہ جب کبھی اس ملک کو خطرہ محسوس ہوا تو وہ اپنی ڈھاڈری بندوقیں لیے اس کے دفاع کے لیے آن پہنچیں گے، ان کو ملک دشمن کہنا اور ان پر یہ تہمت لگانا کہ وہ بطور ایک قوم ہی متعصب قوم پرست اور لسانیت پرست ذہنیت رکھتے ہیں......... یہ سراسر زیادتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ایک خواب تھا جو پورا نہ ہو سکا۔ وہ پاکستان جہاں سب مسلمان، خواہ وہ کسی بھی قومیت سے تعلق رکھتے ہوں محفوظ ہوں، آزاد ہوں، ایک ہی نگاہ سے دیکھے جائیں،

ایک سے حقوق دیے جائیں........ وہ پاکستان کبھی وجود میں آیا ہی نہیں۔ آیئے اس بات کو وضاحت سے سمجھنے کے لیے ماضی اور حال کے ایک سر سری موازنے کی مدد لیتے ہیں۔

پہلے ذرا ماضی میں جھانک لیجیے۔ سرکاری میڈیا اور سکولوں کے نصاب کے اس دعوے کا جائزہ لے لیجیے کہ "متعصب بنگالی قوم پرستوں نے بھارت کے ہاتھوں میں کھیل کر ملک توڑ ڈالا"۔ دراصل معاملے کے دوسرے اور اصل پہلو پر کوئی نہیں بات کرتا، کہ بنگالی مسلمانوں کے دل میں پاکستانی نظامِ حکومت اور فوج کے لیے اتنی نفرت آخر کیونکر بھر گئی تھی؟ پاکستان بنانے کی تحریک میں تو بنگالی مسلمان باقی چاروں صوبوں کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ پیش پیش تھے۔ یہ بنگالی ہی تھے جنہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قراردادِ پاکستان پیش کی تھی۔ انہی بنگالیوں کے اصرار پر برِصغیر میں دو علیحدہ مسلمان ملکوں کی بجائے ایک ہی ملک بنا جس کے مشرقی و مغربی، دو بازو تھے۔ آخر پھر ایسا کیا ہوا کہ بنگالیوں کے لیے ہمارے ساتھ دو قدم چلنا بھی دشوار ہو گیا؟ اس کا جواب دینے کے لیے تو ایک نہایت المناک داستانِ ظلم سے پردہ اٹھانا پڑے گا، لیکن یہاں بات کو صرف ایک خاص پہلو پر مرتکز رکھتے ہیں۔ معاملہ یہ تھا کہ پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ (یعنی فوج، بیوروکریسی اور سیاسی خاندان) انگریز کا ورثہ تھی۔ انگریز جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں بنگالی قوم کا جذبۂ ایمانی اور شجاعت دیکھ چکا تھا، اس لیے وہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، ذلیل کر کے، دبا کر رکھتا تھا۔ بالکل اسی طرح انگریز کے بعد، انگریز کے دم چھلّوں نے بھی اس مظلوم قوم کو اسی نگاہ سے دیکھا۔

مغربی پاکستان میں یہ بات مشہور تھی کہ بنگالی کالے رنگ اور چھوٹے قد کے، کم عقل، کُوڑھ مغز لوگ ہوتے ہیں جنہیں نہ تو لڑائی کرنا آتی ہے[1]، نہ ہی وہ کسی اعلیٰ منصب کے لائق ہیں۔ اسی جاہلانہ نظریے کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۷۱ء تک پاکستانی فوج کے ۲۳ جرنیلوں میں سے کسی ایک کا بھی ملک کے سب سے بڑی آبادی والے صوبے بنگال سے تعلق نہیں تھا، ۳۵ بریگیڈیئروں میں سے صرف ایک بنگالی تھا، ۵۰ کرنلوں میں سے بھی صرف ایک بنگالی تھا، ۶۰۰ میجروں میں سے صرف دس بنگالی تھے، نیوی کے ۶۰۰ افسروں میں سے صرف ۷ بنگالی تھے اور فضائیہ کے ۶۸۰ افسروں میں سے صرف ۴۰ بنگالی تھے۔ بیوروکریسی کا حال بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ ۱۹ سیکرٹریوں میں سے ایک بھی بنگالی نہ تھا، ۴۱ جوائنٹ سیکرٹریوں میں سے محض تین بنگالی تھے، ۱۳۳ ڈپٹی سیکرٹریوں میں سے صرف ۱۰ بنگالی تھے اور ۵۴۸ انڈر سیکرٹریوں میں سے صرف ۳۸ بنگالی تھے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ متعصب اور قوم پرست، بنگالی تھے یا ہماری اسٹیبلشمنٹ میں بیٹھے بدبخت؟

یہ کل کی کہانی ہی نہیں..... آیئے آج کا منظر نامہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔ آج بلوچستان کے ساتھ بھی یہی ظالمانہ سلوک کیا جارہا ہے۔ بلوچ قوم کے لیے بھی انگریز کی پالیسی یہی رہی تھی کہ اسے دبا کر غلام بنا کر رکھا جائے اور سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے، کیونکہ انگریز اس قوم کی جنگجوانہ صفات اور ان کے جوشِ ایمانی اور جذبۂ حریت سے بخوبی واقف تھا۔ افسوس کہ نام نہاد آزادی کے بعد بھی ہماری اسٹیبلشمنٹ، ہمارے حکمران، اس مظلوم قوم کے ساتھ اسی فرنگی ذہن سے تعامل کر رہے ہیں۔ تبھی آج تک پاکستانی فوج کے افسر طبقے میں پاکستان کے (رقبے کے لحاظ سے) سب سے بڑے صوبے بلوچستان سے صرف ایک فیصد افسر تعلق رکھتے ہیں، جبکہ سپاہیوں کی سطح پر یہ تناسب ایک فیصد سے بھی کم ہے! اسی طرح آزاد کشمیر کو افسر طبقے میں صرف ۲ فیصد، اندرونِ سندھ کو ایک فیصد اور شمالی علاقہ جات کو ایک فیصد سے بھی کم نمائندگی حاصل ہے۔ ملک کی فوج کے افسروں میں سے ستر فیصد کا تعلق پنجاب سے ہے، تقریباً بارہ فیصد کا تعلق کراچی و حیدر آباد سے، ۸ فیصد کا تعلق سرحد سے اور پانچ فیصد کا تعلق اسلام آباد شہر سے ہے۔ بیوروکریسی کا معاملہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ وہاں بھی پنجاب سے تعلق رکھنے والے افسروں کا تناسب ۵۰ فیصد ہے جبکہ باقی سارے علاقے مل کر باقی ۵۰ پچاس فیصد پورا کرتے ہیں۔ اس اسٹیبلشمنٹ کے وار آن ٹیرر میں شمولیت اور اسلام کے خلاف جرائم کو ایک ثانیے کے لیے ایک طرف رکھتے ہوئے، سوال یہ ہے کہ آخر کس اصول کی بنیاد پر، کس ضابطے کے مطابق پاکستان کی فوج اور پاکستان کی بیوروکریسی میں بھرتیاں کی جاتی ہیں؟ میں خود پنجاب سے تعلق رکھنے کے باوجود یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ بلوچ، پشتون اور کوہستانیوں جیسی جنگجو قوموں کو فوج میں اتنی کم نمائندگی آخر کیوں دی جارہی ہے؟ اگر یہ کوئی راز کی بات نہیں، اور اس سوال کا کوئی معقول جواب موجود ہے تو فوج اور بیوروکریسی، عوام کے اطمینان کے لیے بھرتی کے معیارات پر سے پردہ کیوں نہیں اٹھاتی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ صوبوں کے باہمی جھگڑے کا مسئلہ نہیں۔ قصور پنجاب یا کراچی کے عوام کا نہیں۔ ان سب کے اوپر فرنگی سانچے میں ڈھلا ہوا، متکبرانہ سوچ کا حامل، متعصبانہ قوم پرستانہ نظریات پر ایمان رکھنے والا ایک ٹولہ مسلط ہے۔ جرنیل، سیاسی خاندان اور بیوروکریٹ، پہلے بھی اپنے متعصب رویوں سے اس ملک کے دو ٹکڑے کروا چکے ہیں، اور اگر ان جاہلوں کے ہاتھ سے جلد قوت واپس نہ لی گئی تو یہ اب بھی اس ملک کو اسی طرف لے کر بڑھ رہے ہیں..... فرق اتنا ہے کہ خدانخواستہ اگر اس بار کوئی ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوا تو شاید دو نہیں، دس بارہ ٹکڑوں پر جا کر بات رکے۔ اللہ ہمیں اس حریص، دین دشمن، ملک دشمن، متعصب، غدار ٹولے سے نجات دے، آمین۔

[1] حالانکہ بقولِ صحافی 'ہمایوں گوہر' کہ 'جب لڑائی کا موقع آیا تو انہی بنگالیوں نے مار مار کر ہمارا بھرکس نکال دیا'۔ (ادارہ)

’آئی ایس آئی‘ کے ہاتھوں، پھر سے استعمال نہ ہو جانا......

سیلاب خان

یہ واقعہ میں اپنے حافظے کے مطابق لکھ رہا ہوں۔ اس میں کمی بیشی کی گنجائش بہر کیف رہے گی۔ لیکن واقعے کا مفہوم و مقصود اور اس سے حاصل ہونے والا نتیجہ بہر حال میرے اندازِ بیان سے محفوظ رہے گا۔

یہ ۱۹۷۱ء کی شاموں کا ذکر ہے، ایسی شامیں جو کچھ ہی عرصے میں ’خون آشام‘ ہونے والی تھیں۔ ’متحدہ پاکستان‘ کی کرتا دھرتا اسٹیبلشمنٹ، جس نے مشرقی پاکستان کا ’عسکری‘ دفاع، مغربی پاکستان کو رکھا ہوا تھا...... مشرقی پاکستان میں ہونے والے حملے کا جواب مغربی پاکستان میں بھی نہ دے سکی۔ مشرقی پاکستان میں لڑنے کے لیے فوج کم تھی اور فوج کی کمی سے زیادہ، موجود فوج میں لڑنے کے جذبے کی کمی تھی۔ اس جذبے کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ’دائیں‘ بازو کی جماعت ’جماعتِ اسلامی‘ اور جماعتِ اسلامی ہی کی طرز و فکر اور سرپرستی میں قائم ’اسلامی جمعیتِ طلبہ‘ جس کا بنگلہ زبان میں نام ’اسلامی چھاترو شانگو‘ تھا، کا سہارا لیا گیا۔

جماعتِ اسلامی کے تحت بنیادی طور پر دو ’تنظیمیں‘ بنائی گئیں جن کا نام ’البدر‘ اور ’الشمس‘ تھا۔ یہ رضاکار تنظیمیں شہری علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے کی نیت سے فوج کے ساتھ مصروفِ عمل تھیں۔ لیکن جب ’لا الٰہ الا اللہ‘ کی خاطر قائم ہونے والے ملکِ خداداد کی سرحدوں کو ضرورت پڑی تو ان رضاکاروں نے اپنی جانیں بچائے رکھنا گوارا نہ کیا۔

آخری قطرۂ خون تک جنگ جاری رکھنے کا وعدہ کرنے والی ’متحدہ پاکستان‘ کی فوج کے ایک بریگیڈیئر سے، ڈھاکہ کے ایک مکان میں جماعتِ اسلامی کے رہنما جناب خرم مرادؒ کی ان جنگی حالات اور حکمتِ عملی کے متعلق اکثر ملاقات ہوتی۔ خرم صاحب، اس مکان کے دروازے پر جایا کرتے، دروازے پر ایک ’آئی ایس آئی‘ کا ماتحت اہلکار خرم صاحب کا استقبال کرتا اور راہداری کھولتا۔

پھر ۱۶ دسمبر سے ایک یا دو راتوں پہلے کی بات ہے کہ خرم صاحب جنگی حکمتِ عملی اور بھارت کے مکتی باہنی کی صورت میں اثر و نفوذ سے متعلق بات کرنے بریگیڈیئر صاحب سے ملنے اسی مکان پر گئے۔ گھنٹی بجائی تو وہی مانوس صورت والا ایجنسی کا اہلکار استقبال کو نکلا، لیکن یوں ملا جیسے اجنبی سے ملا جاتا ہے۔ ’جی! آپ کون؟‘، ہرکارے نے پوچھا۔ خرم صاحب نے کمال حیرت سے تعارف کروایا اور بریگیڈیئر صاحب سے ملاقات کروانے کو کہا۔ ہرکارا بولا: ’یہاں تو کوئی بریگیڈیئر صاحب نہیں ہوتے اور نہ ہی میں آپ کو جانتا ہوں؟!‘۔ خرم صاحب یہ جواب سن کر پریشان ہو گئے اور ان ہزاروں کارکنوں کا خیال ان کے ذہن میں آیا جو اس فوج کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے اور جن کارکنان کا مستقبل آج (۲۰۱۹ء) تک قید، قتل اور باغی گردانا جانا ہے۔

بوجھل قدموں اور الجھے خیالوں کے ساتھ خرم صاحب واپس مڑے...... فوج ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر چکی تھی اور سولہ دسمبر کو نوّے ہزار سے زائد فوجیوں کے ساتھ البدر و الشمس کے رضاکار بھی تھے جو بطورِ ’جنگی قیدی‘ ہندوستان کی قید میں گئے۔ انہی قیدیوں میں سے ایک جنابِ خرم مراد بھی تھے۔ فیضؔ کو یہ واقعہ تو معلوم نہ تھا، لیکن سقوطِ ڈھاکہ ہی پر لکھی اس کی نظم کا یہ مصرعہ اسی ’سیناریو‘ پر جچ رہا تھا:

؏ ہم کہ ٹھہرے اجنبی کتنی ملاقاتوں کے بعد

خرم مرادؒ صاحب نے یہ واقعہ خود، جہادِ کشمیر کے آغاز پر، جہادِ کشمیر ہی سے وابستہ ایک ’داعئ جہاد‘ کو، جہادِ کشمیر سے وابستہ ایک ماہانہ مجلّے کے لیے انٹرویو دیتے ہوئے سنایا۔ پھر کہا کہ ’بریگیڈیئر فلاں پھر نہیں ملے گا!‘، اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ کہیں اس ’آئی ایس آئی‘ اور فوجی اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں پھر سے استعمال نہ ہو جانا۔ یہ انٹرویو کبھی شائع نہ ہو سکا لیکن سینہ در سینہ یہ روایت ہم تک پہنچ گئی اور آج یہی روایت زیرِ نظر مضمون کا موجب ہے۔

مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنے پچاس سال ہونے والے ہیں۔ ملکِ خداداد پاکستان کی نامور اسلامی جماعت نے سنہ ۷۱ء میں کیوں فوج کا ساتھ دیا، فوج کا اس وقت کیا کردار تھا اور بعض اسلامی جماعتوں کے لیے اس سانحے میں کیا سبق پنہاں ہے؟ انہی چند سوالوں کا جواب زیرِ نظر مضمون تلاش رہا ہے۔

ہر انسان کے کچھ اعتقادات ہوتے ہیں یا تحریکیں نظریات رکھتی ہیں۔ اعمال ان اعتقادات اور نظریات کے تابع بھی ہوتے ہیں اور عکاس بھی۔ اگر کسی کا کوئی فعل ’فساد‘ کا شکار ہو جائے تو فقط یہ بات کافی نہیں ہوتی کہ اس نے ماضی میں کسی خاص نظریے یا عقیدے پر حلف اٹھایا تھا اور اس کی پاس داری کا اقرار کیا تھا۔ ربّانی قانون تو کہتا ہی یہی ہے، مگر دیکھا جائے تو دنیا کے ’ناقص‘ قوانین جو ’ناقص‘ عقلوں سے بر آمد ہوئے ہیں، ان کے نزدیک بھی فیصلہ فقط نعروں اور نظریات کے اعلان سے نہیں بلکہ افعال کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اسی لیے تو توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندۂ مومن کا جرم بھی فقط ’دعوائے عشق‘ کی بنیاد پر احسن قدم قرار نہیں دیا جاتا۔ گھر میں موجود سب سے زیادہ تابع فرمان بیٹا بھی جرم کرے، تو کسی نہ کسی درجے کی تادیب و سزا اس کا مقدر بہر کیف قرار پاتی ہی ہے۔

ملکِ خداداد، پاکستان، لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر وجود میں آیا، لیکن اس کے اربابِ اختیار ہمیشہ لا الٰہ الا اللہ کے مخالف رہے۔ بلکہ صرف مخالف ہی نہ رہے بلکہ اس کے خلاف کمربستہ رہے۔ ان کے اعتقادات مغربی اور افعال لادینی تھے۔

اسی سب کا ایک مظہر مشرقی پاکستان تھا۔ پاکستان میں شامل ہونے والے 'عوام' نے رنگ و نسل، قوم وقبیلے، زبان وبرادری کو نابود کر کے 'دین' کی بنیاد پر عمارتِ پاکستان قائم کی تھی۔ اسی واسطے کہا گیا:

اسلام ہی اس ملک کی بنیاد و بقا ہے
بنیاد پہ قائم نہ رہے گا تو فنا ہے

پاکستان کے اولین حکمرانوں سے لے کر ۱۹۷۱ء تک اور ۱۹۷۱ء کے بعد باقی ماندہ پاکستان کے حکمرانوں نے آج تک ایک لمحے کے لیے بھی پاکستان کو اس کی بنیاد پر قائم نہیں رہنے دیا۔ جس کا پہلا بڑا نتیجہ بنگلہ دیش تھا اور درجنوں المیے اور ناسور اس بنیاد سے ہٹ جانے کے سبب آج تک ہماری روح قبض کر رہے ہیں۔

مغربی پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ نے بنیادِ دین سے ہٹتے ہوئے لمبے قد، انگریزی بولنے میں مہارت اور گورے رنگ کے سبب بنگالیوں کو ملیچھ سمجھا اور لفظِ بنگالی کو مثل گالی قرار دیا۔ ہر ہر ادا اور طور طریقے سے مشرقی پاکستان کے ان مسلمانوں کو اپنے سے کمتر، حقیر اور چھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ دین کے نفاذ سے تو منہ موڑا ہی، جدید ریاستوں کے بنیادی حقوق سے بھی مشرقی پاکستان کے اہالیان کو محروم رکھا۔

مؤرخین نے سنہ ۷۰ء میں مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی حالت کی جو تصویر کشی کی ہے تو اس کو پڑھ اور جان کر آج کا ایتھوپیا یا نائیجیریا ذہن میں آ جاتا ہے، جہاں ہڈی پر کالی کھال کے سوا انسانوں کی کوئی اور تصویر نہیں۔

فوج، سول بیوروکریسی، سرکاری ٹینڈر، صنعتی اداروں کو ملنے والی مراعات...... ہر ہر شعبے میں مغربی پاکستان سے آئے افسر صدر کرسیوں پر براجمان تھے۔ دین کا عدمِ نفاذ اور پھر دین پر عمل نہ ہونے کے سبب محرومیاں، وہ مسائل تھے جن کو استعمال 'بھارت' نے کیا۔ اور بھارت کی سازش کا مقابلہ کرنے کی خاطر البدر اور الشمس میدان میں اتریں اور ظاہر ہے کسی بھی دینی جماعت کو بھارت کا راستہ روکنے کے لیے اترنا بھی چاہیے تھا، سوال اس اترنے پر نہیں، سوال اس عمل میں 'پاکستانی فوج' کے ساتھ اتحاد وتعاون پر ہے۔۔

'پاکستانی فوج' کے ساتھ کسی بھی اسلامی جماعت کا اتحاد، کیوں غلط ہے؟ اس کی چند بنیادی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ

فوج کا نظریۂ جنگ اسلامی نہیں تھا اور نہ ہی کسی بھی اسلامی کاز کی خاطر فوج یہ جنگ لڑ رہی تھی۔ فوج کا مسئلہ حدودِ ریاستِ پاکستان کا دفاع بھی نہیں تھا، بلکہ مشرقی پاکستان کے اندر وہ اثاثے موجود تھے جن سے فوج متمتع ہو رہی تھی۔ مشرقی پاکستان دراصل وہ grazing ground تھا جہاں سے چر کر جانور فربہ ہوا کرتے۔ فوج مشرقی پاکستان میں موجود 'پاکستانیوں' کی محافظ بھی نہیں تھی۔ اس زمانے میں فوج چونکہ براہِ راست حاکم بھی تھی، ملک میں مارشل لاء کا نفاذ تھا تو فوج ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی پر مسلط ہو کر صرف وسائل کی لوٹ کھسوٹ کر رہی تھی۔ فوج کا مشرقی پاکستان میں جاری 'آپریشن سرچ لائٹ'، 'جوائے بنگلہ' کے مقابلے میں 'جیوے پاکستان' کا مشن لیے ہوئے تھا، ایسا پاکستان جس کا حاکم یحییٰ خان تھا۔

بریگیڈیر صدیق سالک کی کتاب 'میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا' کے مطابق، ''سنہ ۷۰ء کے انتخابات کے بعد، ڈھاکہ میں یحییٰ خان نے میڈیا کے نمائندوں سے بات کرتے ہوئے کہا، 'جب وہ (شیخ مجیب الرحمان) ملک کی باگ ڈور سنبھالیں گے تو میں یہاں نہیں ہوں گا'۔ بعد ازاں بنگالی اخبار نویسوں نے کہا کہ صدر کے بیان میں کلیدی جملہ '...... تو میں یہاں نہیں ہوں گا' تھا''۔ یحییٰ خان تو جنوری ۱۹۷۱ء میں ہی اس ملک کو دو لخت کر چکا تھا اور اس کا نظریہ کوئی اسلامی تو دور کی بات ہے، وطنی اور قومی بھی نہیں تھا۔ یحییٰ خان کا بھٹو یا مجیب کی طرف جھکاؤ یا دونوں کا اتحاد، دونوں صورتوں میں مطمحِ نظر اپنے اقتدار کا دوام تھا۔

مکتی باہنی سے فوج کی وجہِ دشمنی ان کا سیکولر اور لادین ہونا نہیں تھا، بلکہ فوج خود سیکولر تھی، لادینی اس کے انگ انگ میں بسی ہوئی تھی۔ فوجی ہر بنگالی کی جان، عزت وعصمت اور مال کو اپنے لیے مباح سمجھتے تھے۔ بریگیڈیر اے آر صدیقی نے اپنی کتاب 'East Pakistan the Endgame, An Onlooker's Journal 1969-1971' میں لکھا ہے کہ ''جنرل نیازی فوجیوں کے عورتوں کو بے حرمت کرنے کا دفاع کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ 'آپ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ ایک فوجی مشرقی پاکستان میں رہے، لڑے اور مارا جائے اور جنسی عمل جہلم جا کر کرے؟!'۔ جنرل اے اے کے نیازی جوانوں کے غیر انسانی اور بہیمانہ حرکتوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے اور اپنی آنکھوں میں شیطانی چمک کے ساتھ فوجی جوانوں سے پوچھا کرتے تھے کہ 'شیر! کل رات تیرا اسکور (score) کتنا رہا؟'۔ یہاں سکور سے مراد جنسی زیادتی کا نشانہ بنائے جانے والی عورتوں کی تعداد سے ہوتی تھی!''۔

سو فوج کا نظریۂ جنگ نفس کی تسکین اور شیطانی خواہشات کی تکمیل تھا۔ نظریہ شہوت پرستی تھا، جس میں بدکاریاں بھی داخل تھیں اور مال واسباب کی لوٹ کھسوٹ اور اپنے ہی ملک کے 'تیسرے درجے کے شہریوں' پر فرعونی حکومت کا نشہ بھی۔

جب کہ البدر والشمس، پاکستان کو ایک اسلام کے قلعے کے طور پر سامنے رکھتے ہوئے، استحکامِ پاکستان کی جنگ لڑ رہی تھیں۔

دوسری وجہ

ہندوستانی سازشوں اور ہندوستان کے خلاف جنگ تو بجا ہے، لیکن ہندوستان کے خلاف لڑنے والی فوج خود بھی فسادی ہے۔ ہندوستان اگر حد سے تجاوز کر رہا ہے اور ظلم کر رہا ہے تو فوج کے اپنے اعترافات کے مطابق انہوں نے چھبیس ہزار عام بنگالیوں کو مارچ ۱۹۷۱ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء

تک قتل کیا اور بیس ہزار مسلمان بنگالی عورتوں کی عصمت ریزی کی[1]۔ اس زمانے میں فوجی افسروں نے خود کروڑوں روپے ملک کے نیشنل بینک سے لوٹے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ دو متضاد نظریات، یعنی اسلام اور شہوتِ نفسانی و حکمرانی کا عقیدہ، متحد ہو جائیں؟

تیسری وجہ

ایک دینی جماعت کے ایک صوبائی امیر نے ابھی کچھ عرصہ قبل کہا کہ اگر ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تو ہم ایک بار پھر البدر اور الشمس بنائیں گے اور فوج کا ساتھ دیں گے۔ ہندوستان سے لڑنا تو جائز ہے، بلکہ مطلوب ہے، فرض ہے لیکن ہندوستان سے لڑنے کے لیے یہ بات کہاں لازم آتی ہے کہ ہندوستان سے سیاہ رُو فوج لڑے گی اور ہم نے اس کا ساتھ لازمی دینا ہے؟

یہ بات تو درست ہے کہ جس زمین پر اہلِ دین نفاذِ شریعت اور اقامتِ دین کی جنگ لڑ رہے ہیں، اسی زمین یعنی پاکستان پر فوج بھی موجود ہے، لیکن نظریات اور تصورات کے مابین بعد المشرقین واقع ہے، بلکہ جنت اور جہنم، آگ اور پانی جیسا فرق پایا جاتا ہے۔

اسلامی پاکستان کے استحکام کا مطلب فوج کا استحکام نہیں!

پاکستان اور پاکستان کی فوج، پانی کے جوہری فارمولے کی طرح لازم وملزوم نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہائیڈروجن کے ساتھ جب تک آکسیجن جمع نہ ہو تو پانی بن نہیں سکتا۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے بعض اہلِ دین نے فوج کو پاکستان اور پاکستان کو اسلام قرار دیتے ہوئے، بقائے اسلام کو بقائے فوج سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے فوج اور فوج ہی کی وضع کردہ ریاستی پالیسیوں کا دفاع بلکہ ان کی حفاظت کے لیے اقدام تک کو ان جماعتوں نے اپنا فرضِ منصبی بنالیا ہے۔ یوں یہ جماعتیں فوج کے ہر سیاہ وسفید میں سہولت کار ہی نہیں شریکِ کار بھی بن جاتی ہیں۔

مذکورہ دینی جماعت کے ایک مرکزی رہنما نے ایک بار جہادِ کشمیر کے ذکر پر مبنی ایک مجلس میں کہا کہ 'ایسا نہیں ہے کہ ہم فوج کے ماتحت ہو کر جہادِ کشمیر یا تحریکِ کشمیر کو چلا رہے ہیں بلکہ معاملہ یہ ہے کہ آئی ایس آئی کے بھی کچھ مفادات ہیں اور ہمارے (تحریکِ کشمیر) کے بھی...... یوں ہمارے اور آئی ایس آئی کے بعض مفادات ایک ہو جاتے ہیں اور ہم مل کر کام کر لیتے ہیں'۔ ایسی بات کرنا سوائے سادگی کے کچھ نہیں کہ اس فوج کی ستر سالہ تاریخ اور اس سے بھی پہلے اس فوج کی اصل تاسیس یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے چوکیداروں اور پھر رائل انڈین آرمی کا حصہ ہونے کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اس فوج نے ہمیشہ اہلِ دین کو دھوکہ دیا ہے اور صرف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ ہماری دینی جماعتیں ایسا مواقع یقیناً استعمال کرتی ہیں جب فوج اور ان کے مفاد ایک ہو جاتے ہیں، مگر کیا یہ جماعتیں اُس وقت کے لیے بھی کوئی پروگرام رکھتی تھیں/رکھتی ہیں جب فوج کے مفاد اور ان کی (اسلامی) ذمہ داریوں کے بیچ ٹکراؤ آجائے؟ آج فوج تو اپنا مفاد پورا کر رہی ہے، کیا یہ جماعتیں بھی اپنے فرائض ادا کر رہی ہیں؟

سقوطِ ڈھاکہ کا آپ جائزہ لیجیے، بھارت کے خلاف جنگ یقیناً جہاد تھا، مگر اس جہاد میں زمام کار کیا خود اس دینی جماعت کے ہاتھ میں تھی، یا یہ اس نے خود اپنے اختیار سے اس 'اتحادی' فوج کے حوالے کر رکھی تھی؟ اتحاد و تعاون ہوتا رہتا ہے اور واضح کافروں تک کے ساتھ بھی ایک بڑے کافر کے خلاف اتحاد کیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود تک کے ساتھ معاہدے کیے۔ مگر ان معاہدوں اور اتحاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی پالیسی کے تابع نہیں، بلکہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی کے تابع تھے اور معاہدے واتحاد کا فائدہ اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں نکلتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اہلِ اسلام تو نعوذ باللہ محروم کے محروم رہتے مگر یہود دونوں ہاتھوں سے مفاد لُوٹتے۔

مشرقی پاکستان میں البدر والشمس اور فوج کے بیچ اتحاد کی کیا صورت تھی؟ یہاں کس کا پلّہ بھاری تھا؟ البدر والشمس کا یا فوج کا؟ کسی کی پالیسی اور کس کا حکم فیصلہ کُن تھا؟ کون تھا کہ اگر وہ کہتا کہ جنگ ہو تو جنگ ہوتی اور اگر وہ اسلحہ رکھتا، تو البدر والشمس بے دست وپا ہو جاتے اور ہندو فوج کو فتح ملتی؟ یہ حیثیت ہر لحاظ سے اُس پاکستانی فوج کو حاصل تھی جس کی اخلاقی، دینی اور نظریاتی حالت بیان ہو بھی چکی اور کچھ آگے بھی ہو گی۔ اُس فوج کی پالیسی یہاں حاکم تھی جو کسی طور پر بھی ہندو فوج سے بہتر نہیں تھی، بلکہ کئی پہلو سے تو ہندوؤں سے بھی وہ بدتر تھی۔ ایسے میں ایک دینی جماعت کا ایسی 'قوت' کی ماتحتی قبول کرنا اور اپنی دعوت و قتال، حال و مستقبل سب کچھ اس کے ہاتھ میں دے دینا کیسے اسلام واہلِ اسلام کے حق میں بہتر ہو سکتا تھا؟

آج جہاد کشمیر کے تناظر میں دیکھیے...دینی جماعتوں کا آج کیا فرض ہے؟ کیا پاکستانی فوج اس فرض میں معاون ہے یا رکاوٹ؟ آج اہلِ دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ کشمیری مسلمانوں کی مدد کریں اور جس طرح انیس سال پہلے ان کے مجاہدین بارڈر پار کرتے تھے، آج بھی وہ مسلمان ماؤں بہنوں کی مدد کے لیے جائیں۔ مگر آج راستے میں کون رکاوٹ ہیں؟ کس کے مفاد حائل ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ بیس سال پہلے اپنے کارکنوں کو کشمیر بھیجنا شرعی فرض تھا اور آج جبکہ کشمیریوں کو پہلے سے زیادہ ہماری ضرورت ہے تو ہم نہیں جارہے؟ اس لیے کہ آج ریاست[2] کی پالیسی مختلف ہے۔ اس "ریاست" کی پالیسی ۷۱ء میں ہمیں ساتھ ملا کر ہم سے کام نکلوانا تھا، ہم ساتھ ہو گئے، پھر اس نے اسلحہ رکھا اور ہم سے مشورہ تک نہیں کیا، تو ہم بیچ جنگ میں اکیلے رہ گئے اور آج تک ہم ڈھاکہ میں پھانسیوں پر چڑھ رہے ہیں۔ پھر فوج کی پالیسی تھی کہ مقبوضہ کشمیر میں اپنے مجاہدین بھجوائیں تو ہم بھیجنے لگے اور یہ ہمارا جہاد تھا۔ وقت بدل گیا اور اب اس

[1] بمطابق حمود الرحمان کمیشن رپورٹ۔ بنگلہ دیشی ذرائع یہ تعداد دس گنا زیادہ بتاتے ہیں، لیکن دیگر آزاد ذرائع کے مطابق یہ تعداد تین لاکھ کے قریب ہے۔

[2] جو پاکستان میں دراصل فوج کا دوسرا نام ہے۔

ریاست کی پالیسی ہے کہ کشمیر میں کوئی مجاہد قدم نہ رکھے تو ہم نے بھی اپنا سب کچھ لپیٹ لیا۔ اس سارے قصے میں کیا ہماری بھی کوئی پالیسی ہے یا نہیں؟ کیا ہم سے بھی یہ دین کوئی مطالبہ کر رہا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ بس جو فوج کہے، اتفاق سے وہی اسلام کا بھی تقاضہ ہوتا ہے؟ حال ہی میں اسی دینی جماعت کے ایک مرکزی ذمہ دار سے جب ایک انٹرویو میں سلیم صافی نے جہادِ کشمیر سے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ 'یہ تو خود ریاست کی پالیسی ہے اور ہزار ہا علماء نے اس (پیغامِ پاکستان) پر دستخط کیے ہیں کہ جنگ ریاست کرے گی، جنگ حکومت کرے گی......'۔

جب مزید پوچھا گیا کہ 'اسّی لاکھ کشمیری مسلمانوں کے لیے کیا آپ نے کوئی اقدام اٹھایا ہے؟'، تو جواباً بولے: 'میں نے کوئی initiative نہیں لیا ہے......'۔ سلیم صافی بولا: 'حکومت تو کبھی نہیں (initiative) لے گی تو بس کشمیریوں کی یہی حالت رہے گی؟ اگر کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے تو اپنی شہ رگ کی آزادی کے لیے پاکستان کو جنگ نہیں کرنی چاہیے؟'، اس پر گویا ہوئے کہ 'میں نے حکومت کو تجاویز دی ہیں......خود مقبوضہ کشمیر کے نوجوان اس کے لیے تیار ہیں کہ وہاں انڈین آرمی کا مقابلہ کریں اور وہ مقابلہ کر رہے تھے، وہاں ایک زبردست لڑائی تھی، گلی گلی کوچے کوچے میں۔ لیکن ہمارے نظام نے اس ساری لڑائی کو لپیٹ دیا اور اس کو فریز (freeze) کر دیا اور انڈین اتنے دلیر ہو گئے کہ انہوں نے کشمیر کو انڈین یونین کا حصہ بنا دیا'۔ گویا جس طرح البدر و الشمس کے ساتھ کیا گیا تھا، وہی کچھ آج کشمیر کے ساتھ قبول کیا جا رہا ہے، اور افسوس کہ سب کردار وہی ہیں، بس ایک کشمیری قوم کا نام مختلف ہے۔ پاکستانی فوج وہی، مقابلہ پر ہندو فوج وہی، دینی جماعت بھی وہی! بس بنگالی مسلمانوں کی جگہ کشمیری مسلمان ہیں۔

البدر و الشمس نے فوج کو کیا فائدہ دیا؟

البدر و الشمس کا نظریہ جو بھی ہو...... ان کے اعمال و افعال کیا تھے؟ یہ بات یقینی ہے کہ دینی تحریک کے کارکنان پر لگائے جانے والے ناحق قتل اور عصمت ریزیوں کے الزامات سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں لیکن البدر و الشمس نے درجِ ذیل جرائم میں یا تو حصہ لیا یا ان کے فوج میں پائے جانے کے باوجود فوج کا ساتھ دیا:

1. فوجی ظلم کے خلاف اٹھنے والے بنگالیوں کی تحریک کے خلاف بطورِ مخبر فوج کے ساتھی بنے رہے۔ مکتی باہنی کوئی اسلامی تحریک نہ تھی، نہ اس کے نظریات اور ایجنڈے کی ہم حمایت کر رہے ہیں، بلکہ اس کی مثال آج کی بلوچ انسرجنسی اور پشتون تحفظ موومنٹ جیسی تحریکات ہیں۔ ان تحریکات کے شعائر اور ایجنڈوں میں یقیناً سقم ہے لیکن جس بنیاد پر یہ فوج کے خلاف اٹھی ہیں وہ سراسر درست ہے اور وہ بنیاد ہے فوج کا ظلم، بربریت اور جابرانہ اندازِ حکمرانی۔ مکتی باہنی بھی ظالم تھی لیکن ظالم کے خلاف اس سے بڑے ظالم (فوج) کا ساتھ دینا سراسر ناانصافی اور ظلم کی بات ہے!
2. اپنے اعترافات کے مطابق چھبیس ہزار عام بنگالیوں کا قتل، جبکہ دیگر ذرائع اس تعداد کو تین لاکھ بتاتے ہیں۔ اس قتلِ عام پر مجرمانہ خاموشی ہی جرم نہیں بلکہ اس کے باوجود ساتھ دینا اصل جرم ہے۔
3. اپنے اعترافات کے مطابق بیس ہزار مسلمان بنگالی عورتوں کی عصمت دری جبکہ ایک آسٹریلوی ڈاکٹر کے مطابق چار لاکھ عورتوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ ان چار لاکھ حادثات میں ایک لاکھ ستّر ہزار عورتوں نے اسقاطِ حمل کروایا، جبکہ پانچ ہزار عورتوں نے اسقاطِ حمل خود سے کیا۔ سنہ ۱۹۷۲ء کے پہلے تین ماہ میں ان زیادتیوں کے نتیجے میں تیس ہزار ناجائز بچے (war babies) پیدا ہوئے۔ کتنے ہی بچوں کا ماؤں نے جننے کے بعد خود قتل کر دیا یا پھر زیادتی کا نشانہ بننے کے بعد ان عورتوں نے اپنی جان لے لی[1]۔ دیگر سب جرائم اور قتل ایک طرف، لیکن عصمت دری وہ جرم ہے جس پر انسان سب سے زیادہ غیرت کھاتا ہے اور یہ بدترین قبیح جرائم میں سے ہے اور اس جرم کے مشرقی پاکستان میں سرزد ہونے کی شرح اتنی زیادہ ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ مشرقی پاکستان کے اندر رہتے ہوئے کسی کو اس کا علم نہ ہو۔
4. آج جب البدر و الشمس کا ذکر کیا جاتا ہے جبکہ فوج کے مظالم جو نہ جاننا چاہے وہ بھی جانتا ہے، پھر اس پر مستزاد یہ کہ یہ بھی کہا جائے کہ ہم پھر فوج ہی کی حمایت میں البدر و الشمس ایک بار پھر بنائیں گے یا یہ کہ فوجی وردی کی تقدیس ایسی ہے جیسی کہ جائے نماز کی ہوتی ہے تو وہ ظلم اور ناانصافی کی بات ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہم فوج کے ۷۱ء میں کیے جرائم میں شریک تھے اور آئندہ بھی شریک رہیں گے۔ پھر آج جبکہ فوج کھلم کھلا ۷۱ء جیسے جرائم ایک بار پھر صرف کر ہی نہیں رہی بلکہ ان جرائم پر سینہ زوری بھی کرتی ہے اور پھر کھلم کھلا 'وار آن ٹیرر' نامی 'وار آن اسلام' میں امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی ہے، ایسے میں اس فوج کی حمایت اور اپنی تاریخ میں سرزد ہوئی غلطی کا ادراک نہ کرنا جماعتوں کی نظریاتی موت کے مترادف ہے، ان جماعتوں کی نظریاتی موت، جن کا دعویٰ اقامتِ دین ہے۔
5. البدر اور الشمس کے تحت سرزد ہوئی غلطیوں اور فوج کے جرائم کے باوجود اس کا ساتھ دینا اور اس پر صرف مجرمانہ خاموشی نہیں بلکہ مجرمانہ ساتھ دینا، دنیا و آخرت میں خسارے کا سبب نہ بن جائے۔ کل تک اگر مکتی باہنی کا جھانسا دے کر

[1] بحوالہ کتاب: Against Our Will: Men, Women and Rape از Susan Brownmiller

اس فوج نے استعمال کیا اور آج اگر یہ جماعتیں 'تجاہلِ عارفانہ' برتتے ہوئے فوج کا ساتھ دینے اور پھر سے مثلِ البدر بنگال بنانے کی سوچ میں ہیں تو انہیں یاد کرنا چاہیے کہ اس فوج نے لال مسجد میں خون کی ہولی کھیلی ہے، بوٹوں تلے قرآنِ مجید کو روندا ہے، یہ فوج فخر کے ساتھ گوانتاناموآباد کرنے، چھ سو عرب مجاہدین (مکتی باہنی یا بلوچ علیحدگی پسند نہیں) کو امریکہ کو بیچنے کا اعلان سینہ ٹھوک کر کرتی ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ بنگال کے بعد ان 'بانکے سپاہیوں' نے مہران سے بولان اور پنجاب سے خیبر تک ہزاروں داڑھیوں والوں، علمِ دین کے حاملین اور قرآنِ مجید کے حافظین کو کیوں قتل کر کر کے سڑک کنارے پھینکا ہے؟!

فوج نے البدر والشمس کو کیا دیا؟

1. فوج نے البدر والشمس کے ساتھ غداری کی، ان کو لڑوایا، ان کو مروایا، ان کو مکتی باہنی کے ٹارچر سیلوں میں تڑپتا چھوڑا۔ آج بھی مکتی باہنی کے غنڈوں کی وہ تصاویر موجود ہیں، جن میں سنگینوں سے مکتی باہنی کے غنڈے البدر والشمس کے کارکنوں کو مار رہے ہیں۔ البدر والشمس کے کارکنوں کی اجتماعی قبریں موجود ہیں۔
2. فوج نے اپنی کھال بچانے کے لیے پندرہ ہزار کے قریب البدر و الشمس کے نوجوانوں کو بھی بھارت کی قید میں ڈلوادیا۔
3. کارگل میں بھی البدر والشمس کے کارکنوں کی مثل، مجاہدینِ کشمیر کو اگلے محاذ پر لڑوایا اور جنگ نے ذرا سی شدت اختیار کی تو اسی فوج اور خفیہ ایجنسیوں نے اپنے 'بہادر' بھگوڑے کمانڈو پرویز مشرف کے ذریعے نواز شریف کو کھلوایا اور اس نے کلنٹن کی واشنگٹن میں جا کر منتیں کیں اور جنگ بندی کروائی۔ یہاں بھی مجاہدین کو آگے کیا اور اپنے فوجیوں کو بچا لائے۔
4. جہادِ کشمیر سے وابستہ جہادی تنظیموں کے ساتھ بھی البدر والشمس جیسا سلوک ہی کیا گیا۔ نوّے کی دہائی کے شروع میں جن تنظیموں کو اٹھایا گیا، امریکی اشارہ اور پھر امریکی بارگاہ میں (بعد از نائن الیون) فوج کے سجدے کے بعد، انہی مجاہدین کو abandon کیا گیا۔ جنرل کیانی جو ۲۰۰۱ء میں ڈی جی ایم او (Director General Military Operations) تھا، ۲۰۰۴ء میں ڈی جی آئی ایس آئی، پھر اکتوبر ۲۰۰۷ء میں وائس چیف آف آرمی سٹاف اور پھر نومبر ۲۰۰۷ء تا نومبر ۲۰۱۳ء بطورِ فور سٹار جنرل چیف آف آرمی سٹاف (چھ سال کے لیے) رہا، فوجی افسروں کی ایک نجی محفل میں کہتا ہے اور یہ باتیں ویڈیو ریکارڈنگ کی صورت میں محفوظ ہیں کہ "نائن الیون کے واقعے نے مکمل طور پر کئی پیمانوں (equations) کو یا تو بدل دیا ہے یا انہیں دوسری شکل دے دی ہے۔ ہم نائن الیون سے قبل اور اس کے بعد کے معاملات کو پرکھنے کے لیے ایک ہی انداز کا فہم نہیں رکھ سکتے۔ جسے نائن الیون سے پہلے "جدوجہدِ آزادی" کہتے تھے، نائن الیون کے بعد اسے کچھ اور کہتے ہیں (دہشت گردی)! ہم اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کشمیر میں جاری جدوجہدِ آزادی... آزادی کی جدوجہد ہے۔ لیکن اگر آپ کو کسی کی حمایت حاصل نہ ہو تو آپ کو حالات کے مطابق بدلنا/ موافق ہونا پڑتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ ہم نے کشمیر کی جدوجہدِ آزادی کو Abandon/ تنہا کیا ہے کیونکہ یہ ہمارے 'قومی مفاد' میں ہے!"۔
5. سرکردہ کشمیری جہادی تنظیم 'حزب المجاہدین' کے سپریم کمانڈر 'سید صلاح الدین' نے، اس وقت امیر جماعتِ اسلامی، 'قاضی حسین احمد صاحب' کے اصرار پر جماعتِ اسلامی کے ایک اجتماعِ عام میں شرکت کی اور تقریر بھی کی۔ اس زمانے میں جنرل کیانی 'صاحبِ اقتدار' تھا اور فوج و آئی ایس آئی نے سید صلاح الدین صاحب کے پاکستان میں کسی بھی عوامی اجتماع میں شامل ہونے اور تقریر کرنے پر 'ہندوستانی پریشر' کے سبب پابندی لگا رکھی تھی۔ سید صلاح الدین نے جب تقریر کر دی تو جنرل کیانی نے انہیں summon/ طلب کیا اور ان سے کہا 'پیر صاحب! آپ پر تو ہم نے کسی قسم کے اجتماعات میں شمولیت اور تقریروں پر پابندی لگائی ہے تو آپ نے ایسا کیوں کیا؟'، جواباً انہوں نے کہا کہ 'قاضی (حسین احمد) صاحب میرے لیے محترم ہیں، انہوں نے مجھے کہا تو میں انکار نہیں کر سکا'۔ یہ سن کر کیانی نے کہا 'پیر صاحب! ہندوستان حافظ سعید اور آپ کو ہم سے مانگتا ہے...... آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ حافظ سعید پاکستانی ہیں جبکہ آپ انڈین سٹیزن ہیں!'۔ پیر صاحب اور آج کی البدر والشمس کے لیے جنرل کیانی کی بات میں واضح اشارہ ہے۔

البدر والشمس کے وارثین سے سوال

نہایت ادب اور دلی احترام و محبت سے عرض ہے کہ البدر والشمس کا مقصدِ تاسیس کیا تھا؟ اگر تو محض کسی ٹکڑا ہائے زمین کی جنگ البدر والشمس لڑ رہی تھیں تو ایسی 'فریڈم موومنٹس' تو دنیا میں کئی جگہوں پر پائی جاتی ہیں اور صرف ٹکڑائے زمین کی بات ہی ہو تو مکتی باہنی، جو بنگالی تھے، ان کا سرزمینِ بنگال پر مغربی پاکستان والوں سے زیادہ حق تھا اور ان کی لڑائی زیادہ صائب بھی؟!

لیکن اگر مقابلہ اسلام کی خاطر کیا گیا، اسلام کے قلعے کی حفاظت کے لیے کیا گیا تو یہ کیوں نہیں دیکھا گیا کہ اس 'اسلام کے قلعے' کے حاکموں اور 'محافظوں' (جو گھر کے بھیدی ہیں) کا اسلام سے کوئی لینا دینا نہیں! بلکہ ان 'محافظوں' کا اسلام تو چھوڑیے، اس ملک سے بھی کوئی واسطہ نہیں، تبھی تو نوّے ہزار کی تعداد میں ہونے کے باوجود انہوں نے ہندوستانی فوج کے سکھ جرنیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور ایک لاکھ پچاس ہزار مربع کلومیٹر کا علاقہ ہندوستان کے

سپرد کر دیا۔ مغربی پاکستان میں پندرہ ہزار مربع کلو میٹر کا رقبہ، ۷۱ء میں ہونے والی صرف ۱۳ روزہ جنگ میں ہندوستان نے قبضہ کر لیا۔

جو کلمہ گو دِلّی میں رہتے ہیں اور اپنے وطن 'بھارت ماتا' کی حفاظت میں جیتے ہیں، زمین کے ٹکڑے کے دفاع میں ان کا پاکستان سے لڑنا بھی عین بر حق ہے اور کشمیری مجاہدین جو ہندوستان کا کشمیر پر تسلط ماننے سے انکاری ہیں ان کے خلاف انڈین آرمی اور پولیس کا حصہ بن کر 'قتال' عین بجا ہے!!

بالفرض اگر تو یہ مقابلہ و مقاتلہ ٹکڑا ہائے زمین کی خاطر تھا تب تو قصہ ہی ختم ہوا، نہ بحث ہے اور نہ ہی کوئی سمجھنے کی بات...... لیکن ہم جانتے ہیں کہ البدر و الشمس کے نوجوانوں کو جب مکتی باہنی کے غنڈے پکڑتے اور انہیں کہتے کہ تم نعرہ لگاؤ 'جوائے بنگلہ' تو وہ جواباً کہتے 'اللہ اکبر!'۔ جب نظریہ یہ تھا تو سوال یہ ہے کہ کس نظریاتی و اعتقادی بنیاد پر دین دشمن اور وطن فروش فوج سے اتحاد کیا گیا؟

پھر مسئلہ یہاں بھی ختم نہیں ہوتا۔ اگر یہ تحریکیں اور جماعتیں نظریاتی ہیں تو آج اسی ظالم و جابر اور لادین و بے دین فوج کے ساتھ کیوں کھڑی ہیں، وہ فوج جو اس وقت بھی کشمیر کا سودا کرنے میں مصروف ہے اور نفاذِ دین کے لیے آواز اٹھانے والی ہر کوشش کو جبر کے ساتھ، فوجی بوٹوں کے آہنی تلووں تلے روندنے کے درپے ہے۔ اگر دس ہزار عاشقینِ ختمِ نبوت، ممتاز قادری کے قاتلوں، لال مسجد پر فاسفورس پھینکنے والوں، ہزاروں اسلام پسند قبائیلیوں کی قاتل، وار آن ٹیرر میں امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی فوج کے خلاف اٹھ نہیں سکتے تو پھر اس دین و وطن فروش بلکہ دین و وطن کُش فوج کی حمایت اور پھر سے البدرِ بنگال کی مثل تنظیمیں بنانے کے نعرے چہ معنیٰ دارد؟

ہم جب البدر و الشمس کی بات کرتے ہیں، تو ان کے مؤسسین اور بڑوں کی نیت پر ہرگز شک نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیں تو ان پر حیرت ہے جو نہ ماضی کو سمجھنے پر رضامند ہیں، نہ جنابِ خرم مرادؒ کی بات ہی کو ماننے کو تیار ہیں بلکہ خرم صاحب کی بات کے بعد تین دہائیوں سے اسی فوج کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، 'کشمیر' کو تک رہے ہیں، نہ تاریخ سے کوئی سبق لیتے ہیں اور نہ ہی فوج کے حال سے فوج کے کردار و افکار کو سمجھ رہے ہیں۔

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے، بے ہوشی ہے یہ

دینی جماعتوں پر لازم ہے کہ وہ ہندوستان کے خلاف میدان میں اتریں، اس کے لیے ابھی سے تیاری کریں اور اُس دن کا انتظار نہ کریں کہ کل اگر ہندوستان خدانخواستہ آتا ہے تو پھر ہم اپنے رضاکاروں کو اس فوج کے تحت لگا کر فتح کی امید رکھیں۔ اللہ وہ دن نہ لائے، مگر ہم نے اگر یہ غلطی دوبارہ کی تو نتیجہ مختلف نہیں نکلے گا۔ ضروری ہے کہ ہم اہلِ دین اپنے جوانوں کو خالص اسلامی نظریہ دیں، وہ نظریہ جو وطنیت و قومیت نہیں بلکہ اسلامیت پر مبنی ہے اور پھر انہیں قتال فی سبیل اللہ کے لیے تیار کریں، اعداد و قتال کے اس فرض میں ہم تعاون و اتحاد کے لیے امت مسلمہ کے مظلوم عوام کی طرف دیکھیں، اس فوج کی ماتحتی بالکل بھی قبول نہ کریں، وہ فوج جس کی ماتحتی میں پاکستان دولخت ہو گیا اور جس کا ساتھ دے کر آج تک ہمارے پیارے پھانسیوں پر لٹک رہے ہیں۔ پھانسیوں پر لٹکنا سعادت ہے، لیکن یہ لٹکنا خالص اسلام کی دعوت کے لیے ہو...... مگر جہاں پھانسی پر چڑھنے کے باوجود بھی نفاذِ دین کی دعوت نظروں سے اوجھل ہو اور ان قربانیوں کو اُس فوج کے دفاع کے کھاتے میں ڈالا جائے جو اسلام کی دشمن ہے تو ایسے میں ہماری روح تک ماتم نہ کرے تو کیا کرے؟ ہندوستان ہو یا امریکہ، اسلام کے ان دشمنوں کے خلاف جہاد ہمارا فرض ہے، پر اس فرض میں کسی دشمنِ شریعت فوج کی ماتحتی ہم قبول نہیں کریں گے، یہ ہمارا عزم اگر ہوا، تو اللہ کے اذن سے پورے برصغیر کا نقشہ تبدیل ہو گا اور یہ پس قدمی، پیش قدمی میں بدل جائے گی!

بقیہ: بابری مسجد (ایک اجمالی ساختِ تاریخ)

میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی کسی کافر میں ہمت نہ ہو گی!

"ضرور تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا، اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے گا، حتیٰ کہ وہ (مجاہدین) ان کے بادشاہوں (حاکموں) کو بیڑیوں کو جکڑ کر لائیں گے اور اللہ ان (مجاہدین) کی مغفرت فرمادیں گے۔" (کتاب الفتن از نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ)

سیّدنا حضرت ابو سُفیان رضی اللہ عنہ

جیتا تھا بتوں کے لیے اب حق پہ فدا ہوں
تم میری محبت کا اِمالہ بھی تو دیکھو

"احزاب" میں مطلوب تھا "یرموک" میں طالب
تاریک شبوں کا یہ اِزالہ بھی تو دیکھو

وہ دن بھی تھے یہ نور بجھانے کی تڑپ تھی
اب ماہِ مدینہؐ کا یہ ہالہ بھی تو دیکھو

(احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ)

خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد

تحریر: لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز
ترتیب: قاضی ابو احمد

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) شاہد عزیز صاحب کی کتاب ''یہ خاموشی کہاں تک!'' کا دوسرا باب، جسے انہوں نے ''دوسرا سفر'' کا نام دیا ہے، ۱۹۷۱ء کی جنگ اور سقوطِ ڈھاکہ کے میں بارے ہے، جو اس جنگ میں حکمران اور فوج کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ ذیل میں اس باب کے منتخب اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں، البتہ ان کے ساتھ ربط کے لیے بعض تبصرے 'قاضی ابو احمد' نے لکھ دیے ہیں جو 'جلی' انداز میں موجود ہیں۔ یہاں شائع کیے جانے والے اقتباسات کے علاوہ، اس مذکورہ کتاب کے تمام 'مضامین' سے ادارہ 'نوائے افغان جہاد' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

ان دنوں مشرقی پاکستان میں آگ بھڑک رہی تھی، اور ہولناک خبریں آتی رہتیں۔ ہم ابھی PMA[1] ہی میں تھے کہ ہنگامے شروع ہو چکے تھے۔ خود ہی ہم اپنا خون بہا رہے تھے۔ یہ کہہ دینا کہ کچھ باغیوں نے دشمن کے ساتھ مل کر سازش کی، جس کا یہ نتیجہ نکلا، جھوٹ کی چادر پر موہوم سے سچ کے پیوند سے زیادہ نہیں۔ ان کو کبھی اپنے جیسا سمجھا ہی نہیں۔ اگر ہم برابری کا سلوک کرتے تو یہاں تک نوبت ہی نہ آتی۔ ہم نے اپنے بھائیوں کو دھکیل کر اس مقام تک پہنچا دیا کہ انہوں نے دشمن کو اپنا غم گسار سمجھا۔ جو نفرتیں بوئی تھیں، کِھل گئیں۔ پھر اتنا خون بہا کہ دونوں بھائی آج تک منہ چھپاتے ہیں۔

کیا فوجی حکمران، کیا سیاستدان، طاقتوروں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ہزاروں کا خون بہایا، ملک کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کسی کو کسی نے نہ پوچھا۔ سب پردے میں رہے۔ سب محفوظ۔ فوجی حکومتیں بھی آئیں اور سیاسی بھی۔ سب خاموش۔ سب سازش میں شامل۔ عوام پھر بھی اپنے بچوں کو پالتی رہی، اہلِ ہوس کی ترجیحات پر خون بہانے کو۔ ہم نے آدھا ملک کھو کر بھی کچھ نہیں سیکھا۔ آج بھی اس ہی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ آج بھی آنکھیں بند کیے، کانوں میں انگلیاں ٹھونسے، آدھے سچ پر اپنا ہی خون بہا رہے ہیں۔

ہندوستان کے عزائم ۱۹۷۰ء میں مئی کے مہینے سے ہی دیکھنے والوں کو نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ جولائی کے مہینے تک ان کے تمام منصوبے تیار تھے۔ مگر ملک کی خفیہ ایجنسیاں، بجائے دشمن پر نظر رکھنے کے، حکمران کو مزید مستحکم کرنے کی ترکیبیں کر رہی تھیں۔ دہلی میں بیٹھے غیر ملکی سفیروں نے بھی بھانپ لیا تھا، مگر ہمارے حکمران اپنی کوتاہیوں سے فارغ ہوتے تو سچ پر دھیان دیتے۔ ان کا سچ آج بھی وہی ہے جو ان کے ذاتی عزائم پورے کرتا ہو۔ باقی سب کچھ وہ قیاس آرائی کہہ کر پھینک دیتے ہیں۔ آگاہ کرنے والے کو بھی شرمندہ کر چھوڑتے ہیں، کہتے ہیں، 'کیا تم سازشی نظریے (conspiracy theories) جھاڑتے رہتے ہو'۔

فوج کی حکمتِ عملی ان دنوں یہ تھی کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان میں ہے۔ یعنی اگر وہاں حملہ ہو گا تو اُس کا جواب یہاں سے دیا جائے گا، اور ہندوستان کی افواج کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مشرقی پاکستان سے پیچھے ہٹ جائیں۔ اس مفروضے کی بنا پر وہاں صرف ایک ڈویژن فوج ہوتی تھی اور برائے نام ہوائی جہاز۔ فوجی منصوبہ بھی باقی چیزوں کی طرح سوتیلے بھائیوں جیسا ہی تھا۔

جب ہنگامے شروع ہوئے تو مزید فوج وہاں بھجوائی گئی، اور جو مغربی پاکستان سے حملے کے منصوبے تھے اُن کے لیے سپاہ کافی نہ رہی۔ جب یہاں سے حملے کے احکامات دیے گئے، اس وقت مشرقی پاکستان کی صورتحال بھی ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ یہاں کچھ بھی کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ ویسے بھی نہ ہی اس سٹریٹیجی (strategy) میں کوئی جان تھی، نہ ہی اس کا وقت رہ گیا تھا اور نہ ہی سپاہ۔ جب حکمران ہوش میں آئے، چھت گر رہی تھی، بوکھلاہٹ میں مغربی پاکستان سے بھی بے مقصد حملہ شروع کروا دیا۔

فوج کی تاریخ اگر کسی نے سچ لکھی ہوتی تو صحیح پتہ چلتا، لیکن جو سنا اور پڑھا عقل حیران ہے۔ GHQ کی کارکردگی فوجی حکمران کی غفلت سے کافی حد تک متاثر ہو چکی تھی۔ وہ سیاست ہی میں مشغول رہتا۔ تاریخ لکھنے والے لکھتے ہیں: 'نااہل لوگ صرف دکھلائی ہوئی وفاداریوں اور مبالغہ آمیز مظاہرۂ مردانگی (machismo) پر ترقی پا رہے تھے۔ اور چہیتوں کا ٹولہ (جو ہر فرعونی حکمران کے گرد جمع ہو جاتا ہے) راج کرتا تھا۔ صدر صاحب جس کو جی کرتا احکامات دیتے، یا شاید جو سامنے ہوتا۔ جو شامیں اُن کے ساتھ گزارتے، مرضی کے احکامات حاصل کر لیتے۔ اہم مسائل پر غور و فکر کے بجائے، فیصلے یونہی متکبرانہ اور لاپروا (cavalier) انداز میں سنا دیے جاتے۔' ...... بس کہہ دیا، کتابوں سے تو یہی ملا ہے۔

۱۶ دسمبر کی دوپہر مشرقی پاکستان میں لیفٹیننٹ جنرل نیازی نے سپاہ کو حکم دیا کہ ہتھیار ڈال دیں۔ اُسی شام جنرل یحیٰ نے قوم سے خطاب کیا اور کہا کہ ایک محاذ پر نقصان اٹھانے کا یہ مطلب نہیں کہ جنگ ختم ہو گئی، ہماری جنگ جاری رہے گی۔ قوم کو خوب جوش دلایا، کہ آدھا ملک کھونے کا غم نہ ہو۔ کوئی حاکم کو ہارا ہوا نہ سمجھے۔ جانتے تھے کہ ہندوستان کی فوجیں اب بنگال سے بھی ادھر آنا شروع ہو جائیں گی۔ اور جو کچھ یہاں جنوبی صحرا میں ہماری فوج کے ساتھ

---

[1] پاکستان ملٹری اکیڈمی

ہو چکا تھا، اس سے بھی واقف تھے، لیکن نجانے کیوں، جب دباؤ کے نیچے آتے ہیں تو ڈکٹیٹروں کے دماغ کسی اور ہی دنیا میں ہجرت کر جاتے ہیں۔

پھر اگلے دن، ۱۷ دسمبر کو ساڑھے تین بجے ریڈیو پر مغربی پاکستان میں بھی جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا، جنگ جاری رکھنے کے اعلان کے چند گھنٹوں بعد۔ رات کو جنرل یحییٰ خان نے تقریر کی اور فرمایا کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ گھر بیٹھ کر سر پیٹو، ماتم کرو۔ جو تمہارے بچے میں نے آگ میں جھونک دیے وہ میرے غرور کی نذر ہوئے۔ فوجی تھے، اسی لیے انہیں پالا تھا کہ بادشاہوں کے کام آئیں۔ یہ جنگ کی خوراک ہوتے ہیں۔ بھلا بتاؤ، مردود بنگالی، دو ٹکے کا آدمی، مجھے آنکھیں دکھاتا تھا۔ حکومت کی رِٹ (writ) کو للکارتا تھا۔ کہتا تھا میں حکومت کروں گا! اُس کی یہ مجال؟! میں نے ہزاروں کو ذبح کر دیا۔ میں بادشاہ ہوں، میں نے کہا تھا۔

طاقت کی ہوس نے پاکستان کو دو ٹکڑے کر دیا۔ شیخ مجیب الرحمن کی طرح ذوالفقار علی بھٹو نے بھی سازش کا ایک جال بُنا، اور 'اُدھر تم، اِدھر ہم' کا نعرہ لگایا۔ مجیب نے دشمن کا سہارا لے کر نفرتوں کو سینچا، بھٹو نے ایک نااہل فوجی حکمران کے لالچ کو بھانپ کر، اسے اپنی انگلیوں پر نچایا۔ دونوں نے طاقتور ساتھی چنے اور لاکھوں انسانوں کو اپنی خود غرضی کے دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ملک کو دو لخت کر کے موروثی جائیداد کی طرح بانٹ لیا۔ ظالم پر اللہ کی گرفت سخت ہوتی ہے، دنیا ہی میں بدلے چکا دیتا ہے۔ یحییٰ ذلیل ہو کر قید میں ہی مر گیا، بھٹو پھانسی پر لٹکا، مجیب قتل ہوا، اور اندرا اپنے محافظ کے ہاتھوں ماری گئی۔

آج نئے رنگوں میں یہی کھیل پھر کھیلا جا رہا ہے۔ پھر اپنی رِٹ (writ) کی آڑ لے کر خون بہایا جا رہا ہے۔ اور قوم کا غم صرف پیٹ ہے، بھائی کی موت نہیں۔ نہ ہی اللہ کا خوف۔ صرف بھرے پیٹوں کی بھوک۔ اور حکمران، ہمیشہ کی طرح، اپنی طاقت برقرار رکھنے کو سب کچھ جلانے پر آمادہ!

۱۹۷۱ء میں تقریباً سب کچھ کھو چکنے کے بعد جب مشرقی پاکستان کے نام نہاد دفاع کی خاطر مغربی پاکستان سے ہندوستان پر حملہ کیا گیا تو اس حملے میں شاہد عزیز صاحب کی پلٹن بھی شامل ہوئی۔ یکم دسمبر کو اس پلٹن کو گارڈ ڈیوٹیوں سے ہٹا کر محاذِ جنگ کی جانب بھیجا گیا۔ راولپنڈی سے گجرات تک ریل کا سفر کیا، جس کی روداد اور اپنے احساسات کچھ یوں لکھتے ہیں:

''۱۹۶۵ء کی لڑائی میں بھی ایک ٹرین میں سفر کیا تھا۔ ان دنوں نور جہاں کے ترانے ہر جگہ سنائی دیتے اور لوگوں کا ابلتا ہوا جوش فضاؤں میں بلند نعروں کے ساتھ گونجتا۔ اب ہر طرف سناٹا تھا۔ راولپنڈی ریلوے سٹیشن پر بھی کوئی ہمیں الوداع کہنے نہ آیا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے انھوں نے بھی دیکھا اور نظریں پھیر لیں۔ راستے کے ہر سٹیشن پر بھی ویسا ہی سناٹا۔ بے اعتنائی۔ جب حاکم سیاسی مفاد میں اپنے ہی بچوں کا خون بہانا شروع کر دے تو عوام کس کا ساتھ دیں؟ آج پھر یہی ہو رہا ہے۔ حکومت کا چیخ چیخ کر گلا سوکھ گیا کہ یہ ہماری جنگ ہے۔ تمام ٹی وی چینلز بھی اسی ترانے میں شامل ہیں، بہت سے کرائے کے عالم دین بھی۔ فوج بھی امریکہ کے نام پر جان دینے والوں کے سینوں پر تمغے سجاتی رہی، خون بہاتی رہی، مگر قوم میں کوئی اس بات کو ماننے پر آمادہ نہیں کہ یہ جنگ ہماری جنگ ہے۔ سچ پر کتنا ہی جھوٹ کا لبادہ اڑھاؤ، سچ سچ ہے، آخر کھل ہی جاتا ہے۔''

لکھتے ہیں کہ گجرات پہنچنے تک جوانوں کے جذبے بلند تھے، چونکہ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ البتہ حکمرانوں اور قائدین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''کیا کبھی کسی حکمران نے بھی سوچا کہ یہ جنگ کیوں اپنی عوام پر ٹھونس رہا ہوں؟ یہ سوچا کہ میرے حکم پر کتنے ہی جوان جان ہتھیلیوں پر لیے، اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر، بغیر کسی مقصد کی آگ میں کود جائیں گے؟ نہیں۔ وہ تو گدھ کی طرح اِنھی کی لاشوں پر پلتے ہیں، آج بھی۔''

حملے کی تفصیلات، عسکری مجموعات کا آپس میں ارتباط نہ ہونے، اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈال کر جان چھڑانے اور ناقص منصوبہ بندی کے باعث حملے کے کامیاب نہ ہونے کا ذکر کرنے کے بعد چھمب کی اصلی دفاعی لائن پر دشمن کے دفاع اور ان کی جانب سے حملے کی تیاریوں کی اطلاع ملنے اور فوج کے مورال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''ہم مورچوں میں ڈٹ گئے۔ مورچے کیا تھے، بس کچھ فاصلوں پر کمر کمر تک گڑھے کھودے ہوئے تھے۔ موت کے انتظار میں سب اپنی اپنی قبروں میں کھڑے ہو گئے۔ جب حملے میں گئے تھے تو یہ کیفیت نہ تھی۔ حملے میں جوش تھا، ولولہ تھا۔ وقت ہم نے چنا تھا، اور دشمن بھی...اب... سر پر لٹکتی تلوار کے گرنے کے منتظر۔ سہمے ہوئے۔

کیا پتا تھا کہ چالیس سال اور گزرنے کے بعد پوری قوم اسی مقام پر پہنچ جائے گی۔ اپنے اپنے خوف لیے، اپنے اپنے مورچوں میں بند۔ تنہا۔ ماؤف دماغ، منجمد جسم۔ موت کے منتظر۔ صرف اپنی سوچیں گے۔ پھر کراچی میں بہتا خون راولپنڈی کو نہیں چھوئے گا۔ جب جھوٹے دلاسے دیتا، جابر حکمران بھی دشمن کا ہی ساتھی ہو گا اور ہم اس کو پہچان کر بھی چپ رہیں گے۔ جب ہمیں غلامی راس آ جائے گی اور صرف بھوک ہی ہمارا خدا ہو گی اور ہم خود کو بے بس سمجھیں گے۔ جب مسلمانوں کے قتلِ عام پر خراج ملے گا، مرنے پر شہادت کے فتوے دیے جائیں گے اور ہم چپ رہیں گے۔ پھر ہم اپنے بتوں کو پکاریں گے، ان کے آگے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں گے، اور اپنے بچے ان کے آستانوں پر بھینٹ چڑھا دیں گے۔''

لکھتے ہیں کہ تَوی دریا تک کا علاقہ تو پاکستانی فوج نے قبضے میں لے لیا، اب دریا کے پار حملہ کرنا تھا۔ منصوبہ تو بنایا گیا مگر اس پر عمل جس انداز سے کیا گیا، اس کی تفصیل اور افسرانِ بالا کی غیر ذمہ داری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہوا یوں کہ حملے کے لیے دو مختلف بریگیڈوں سے ایک ایک انفنٹری کی یونٹوں کا تعین کیا گیا، جن میں کوئی ہم آہنگی نہیں تھی۔ نہ ہی انہوں نے اکٹھے تربیت کی تھی اور نہ ہی ایک دوسرے سے واقف تھے۔ مختلف چھاؤنیوں سے آئے تھے۔ پھر انہیں آرمڈ بریگیڈ کے زیرِ کمان کر دیا گیا۔ کہا تم سنبھالو۔ آرمڈ بریگیڈ کئی میل پیچھے ایک رَکھ میں چھپا ہوا تھا۔ وہ وہیں رہا۔ اس کا

ہیڈ کوارٹر بھی اس ساری لڑائی کے دوران آگے نہ آیا۔ آرمڈ بریگیڈ نے، اپنی جان چھڑانے کو، ایک ایک پلٹن کو ایک ایک ٹینک یونٹ کے زیرِ کمان کر دیا۔ حکم ہوا، "اب حملہ کرو"۔ لڑائی کا یہ انوکھا انداز تھا، جو کتابوں میں کہیں نہیں ملتا۔ ڈویژن ہیڈ کوارٹر نے دونوں انفنٹری یونٹوں کو آرمڈ بریگیڈ کے زیرِ کمان کر دیا، اور تمام کارروائی کی ذمہ داری اسے سونپ دی۔ اگر دو بریگیڈ ہیڈ کوارٹر ہوتے تو ڈویژن ہیڈ کوارٹر کو کمانڈ سنبھالنی پڑتی۔ آرمڈ بریگیڈ نے دونوں یونٹیں ایک ایک ٹینک رجمنٹ میں بانٹ دیں، تاکہ اس کی ذمہ داری ختم ہو۔ سب اثاثے نچلی سطح تک تقسیم کر دیے۔ اپنی جان چھڑائی۔ سب نے اپنی اپنی ذمہ داری ماتحت کو دے دی اور چین پایا۔ سب خاموش تماشائی۔ جنگ کے بعد بھی اس موضوع پر سناٹا ہی رہا۔

اگر کامیابی ہوئی تو اعزاز لینے کے لیے بالا کمانڈر کھڑا ہو جائے گا۔ کہے گا، "دیکھا میرے ڈویژن کو!"، "دیکھا میرے بریگیڈ کو!"۔ اور اگر ناکامی ہوئی تو الزام لینے کے لیے ماتحت کی گردن حاضر ہے۔ حملے کا ایک تماشا بنا دیا۔ کوئی پوچھنے والا جو نہیں تھا۔ نہ ہی مشن پورا کرنے کی کوئی پروا تھی اور نہ ہی یہ فکر کہ کتنے سپاہی اس کوتاہی کی بھینٹ چڑھیں گے۔ کہا، "خیر ہے، تمغے لگا دیں گے۔ ان کے لیے ترانے گائیں گے، چوک پر نام لکھ دیں گے۔ چھ ستمبر کو قبروں پر سلامی دیں گے"۔ صرف اپنی بقا لازم سمجھی۔

ایسے حملے خاصے پیچیدہ ہوتے ہیں اور بہت سے اہم پہلوؤں کو منظم و مربوط کرنا پڑتا ہے، خاصی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے مرحلے میں نہ تو دونوں پیادہ فوج کی یونٹوں میں کوئی ربط تھا، نہ ہی حملے کی کارروائی کو کنٹرول کرنے والا کوئی ہیڈ کوارٹر دریا کے کنارے زمین پر موجود تھا۔"

جب حملہ شروع ہوا تو ناقص منصوبہ بندی اور غیر ذمہ دارانہ رویے کے نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے، اس بارے میں لکھتے ہیں:

"انہوں نے، حملے کی امداد میں ہتھیار ایسے لگائے کہ حملہ آور سپاہ پر ہی فائر کرتے رہے۔ جب حملے کے دوران بھاری ریکوئیلیس رائفل (106mm recoilless rifle) کے گولے ہمارے درمیان گرتے تو میں سوچتا کہ یہ گولے کہاں سے آ رہے ہیں کہ جب زمین پر لگ کر پھٹتے ہیں تو شعلہ صرف آگے کی ہی جانب جاتا ہے۔ مجھے وہیں احساس ہو گیا تھا کہ یہ ہمارا فائری مستقر ہے۔... پھر فائر ختم کر کے کمپنی کمانڈر صاحب اپنی کمپنی سمیت وہیں بیٹھے رہے، آگے نہ آئے کہ کہیں زک نہ پہنچے۔ نہ فائری امداد دینے کے وقت اپنے ساتھیوں کی پرواہ کی اور نہ ہی اس کے بعد۔ مگر انہیں کسی نے پوچھا نہیں۔ جھوٹ اور پردہ پوشی کی فضا میں کون کسے پوچھتا۔ حملہ ختم کرنے کے فوراً بعد ہی حملہ آور کو امونیشن پہنچانا لازم ہے تاکہ دشمن کی جوابی کارروائی سے پہلے ان کو مل جائے۔ ان کا زیادہ امونیشن تو حملے میں صرف ہو چکا ہوتا ہے۔ نہ ان کے ہتھیار ہی پہنچے، نہ ہمارے اور نہ ہی ہمیں امونیشن ملا۔"

لکھتے ہیں کہ رات دو بجے دریا پار سے کامیابی کا اشارہ دے دینے کے باوجود صبح دس بجے تک نہ ہی ہماری بھاری ہتھیاروں کی کمپنی پیچھے آئی اور نہ ٹینک اور نہ ہی وائرلیس پر کوئی خبر۔ پھر کمک نہ ملنے، افسرانِ بالا کی ذمہ داریوں سے جان چھڑانے کی تفصیل اور ایک مسلمان کی حیثیت سے اس نقصان کی اصل وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو پلٹن ہمارے ساتھ حملے میں گئی تھی، وہ دریا کے دوسرے کنارے پر ہی ٹھہر گئی، اور پھر چونکہ ٹینک نہیں آئے، ہم سے پہلے ہی واپس آ چکی تھی۔ جو بریگیڈ ہیڈ کوارٹر تھا، دریا سے میلوں پیچھے ہی رہا۔ دونوں ٹینک رجمنٹیں بہت دیر سے چلیں۔ پہلی رجمنٹ جب دریا پر پہنچی تو صبح پھوٹ چکی تھی۔ جب ان کا ٹینک دریا کے پار چڑھنے لگا تو اس پر فائر آیا اور وہ اس وجہ سے پیچھے نکل آئے کہ پار کا کنارہ محفوظ نہیں کیا گیا۔ نجانے انہوں نے دریا کہاں سے پار کرنے کی کوشش کی؟ دوسری رجمنٹ کو اتنی دیر ہو گئی کہ وہ دریا پر آئی ہی نہیں۔ پیچھے ہی رک گئی۔ جو بھاری ہتھیاروں کی کمپنی تھی اس کے کمانڈر نے کہا کہ پانی زیادہ تھا، میری جیپیں اسے پار نہ کر سکیں۔ حالانکہ ان سب نے مل کر دریا پار کرنے کی جگہ کا چناؤ کیا تھا۔ انجنیئر کمپنی کا افسر بھی اس میں شامل تھا۔ آپس میں ارتباط کی تفصیلات بھی یقیناً طے کی ہوں گی۔ پھر بھی سب تتر بتر ہی رہے۔

جب ڈویژن ہیڈ کوارٹر ہی حملے کا ذمہ نہ لے اور حملے کا بریگیڈ کمانڈر جگہ پر موجود ہی نہ ہو تو اتنا پیچیدہ حملہ کیسے کامیاب ہو؟ مگر کسی کو کچھ کہا نہ گیا، کسی سے سوال نہ ہوا۔ سب نے بہتری اسی میں دیکھی کہ معاملہ ڈھانپ دیا جائے۔ بتایا گیا کہ چونکہ GHQ کے احکام تھے کہ آگے آپریشن نہ کیے جائیں، اس لیے حملہ روک دیا گیا۔ دوسری پلٹن تو واپس بلالی تھی، ہمارے ساتھ وائرلیس کا ملاپ نہیں تھا اس لیے ہمیں یہ بتا نہ سکے۔ اور ہم بھاری ہتھیاروں اور توپ خانے کی امداد کے بغیر اور گنتی کے امونیشن کے ساتھ دشمن کے گھیراؤ میں بیٹھے ان ٹینکوں کا انتظار کرتے رہے جو چلے ہی نہیں۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ سچ کیا تھا۔ جنگ کے دن جھوٹ سے بھرے تھے۔ میدانِ جنگ میں کئی جگہ یہ بھی ہوا کہ سپاہ اپنی جگہ پر ہی رہیں اور کمانڈر وائرلیس پر اپنی کامیابیاں بتاتے رہے۔ ایک دوسرے پر الزام لگانا اور اپنی ذمہ داری سے منہ موڑنا عام تھا۔ وائرلیس تو کمزور تھے ہی، مگر ان کو بند کر کے خرابی کا بہانہ یا احکام نہ سمجھ آنے کی کئی مثالیں تھیں... تربیت کی کمی ہر طرف دیکھنے میں آئی۔ پھر سب نے اپنی اپنی کارکردگی سنہری الفاظ میں لکھی اور تاریخ جنگ کی کتاب بند کر دی۔

سترہ دسمبر کی شام جنرل یحییٰ نے ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا اور ہمیں بتایا کہ مشرقی پاکستان میں اس پاک فوج نے ناپاک دشمن کے آگے اپنے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ جان بچالی ہے۔ مسلمانوں کی فوج، جو اللہ اکبر کہتی تھی، کفر کے آگے جھک گئی۔ سر کا کام ہے جھکنا۔ جو اللہ کے آگے نہ جھکا، وہ کفر کے آگے ہی جھکے گا۔ جو سر اللہ کے آگے جھکتے ہیں وہ کٹ جاتے ہیں، کہیں اور نہیں

جھکتے۔ جو غرور سے اٹھے رہتے ہیں، جن کی گردنوں میں اللہ نے طوق ڈال رکھے ہیں، وہ بادشاہ کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں یا کسی بھی ایسی دنیاوی طاقت کے سامنے جو ان کو ڈرا سکے یا فائدہ پہنچا سکے۔ جنہوں نے بادشاہ کے حکم پر اپنے مسلمان بھائیوں کا قتل کیا، اور سمجھا کہ بادشاہ کا حکم اللہ کے حکم پر حاوی ہے، جو چپ رہے، جنہوں نے اللہ کی راہ چھوڑ کر اپنے آقا کا ساتھ دینا اپنے مفاد میں سمجھا، جنہوں نے اپنے گروہ کو اپنا کارساز مانا، وہ ذلیل کیے گئے۔ ہم نے ملک کا آدھا جسم آقا کی بقا کے لیے بیچ دیا تھا۔ پھر اپنی شرمندگی چھپانے اور نئے آقاؤں کا بھرم رکھنے کی خاطر سب پر پردہ ڈال دیا۔ ہمارا ملک ٹوٹ چکا تھا۔ ہماری عزتِ نفس بھی، غیرت بھی اور ہماری شرم بھی مٹی میں مل چکی تھی۔ ہم سب پھوٹ پھوٹ کر روئے۔"

پھر اتنا سب کچھ کھو کر بھی کسی کو کچھ افسوس نہ تھا۔ پھر بھی خیانتوں سے باز نہ آئے حالانکہ اسی غیر ذمہ دارانہ رویے کا بھیانک نتیجہ بھگت چکے تھے۔ چنانچہ جنگ کے بعد جب آڈٹ (حساب کتاب) شروع ہوا تو:

"جنگ میں جو کچھ سامان اور ہتھیار وغیرہ کھو گئے تھے، ان کا حساب کتاب چل رہا تھا... کسی کا کوئی حساب نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی خاصا سامان جنگ کی نظر ہو گیا تھا۔ پھر ایک ترکیب کی۔ ایک گاڑی دشمن کے ہوائی جہاز کا نشانہ بنی تھی۔ بس جس جس چیز کا کوئی حساب نہ بنا، گاڑی میں ڈال دی۔ آسان تھا۔ کہہ دیا کہ گاڑی کے ساتھ جل گئی۔ لسٹ اتنی لمبی ہو گئی کہ کسی نے کہا کہ یہ تو ایک کانوائے کا سامان ہے، ایک گاڑی میں کیسے آیا؟ مگر سب ہی کاغذی کارروائی پر آمادہ تھے۔ لکھ دیا گیا اور حساب ختم کیا۔"

★★★★★

بقیہ: ڈھاکہ......ڈوبنے سے ایک سال پہلے

میں مارشل لاء انتظامیہ کو مشورہ دوں گا کہ وہ حکومت کے اس فیصلے پر قائم رہے اور اس کی طرف ہمارا دروازہ کھلا رکھے۔ سوچئے تو سہی' آخر ہم اپنے ثقافتی قبلے سے کیسے پیٹھ موڑ سکتے ہیں۔"

جلسے کے بنگالی صدر نے جس کی اپنی وفاداری مشکوک تھی' میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور بنگالی دانشور کی نکتہ آفرینی پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اجلاس برخاست کر دیا۔

مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے بنگالی بھائیوں سے رابطہ قائم کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان ایک وسیع ذہنی خلیج حائل ہو چکی ہے۔ سوال یہ تھا کہ آیا یہ خلیج پاٹی جا سکے گی یا اس کا نتیجہ کچھ اور ہو گا۔ معاًمیرا ذہن پچیس ہزار فوجیوں کی طرف گیا جن کو مشرقی پاکستان میں قومی سالمیت کی حتمی گارنٹی سمجھا جاتا تھا۔

[اس حتمی گارنٹی سے متعلق صدیق سالک نے اپنی کتاب کے اگلے باب میں گفتگو کی ہے۔ لیکن اس حتمی گارنٹی کی اصلی کیفیت اور حقیقت وہی ہے جو ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ساری دنیا کے سامنے آگئی، اس گارنٹی کے لیے کچھ مزید تفصیل درکار نہیں۔ (مدیر)]

★★★★★

چار سال بعد ملاقات!

شیخ ہاشم عبد اللہ حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں، کہ جب امارتِ اسلامیہ افغانستان کا اکتوبر ۲۰۰۱ء میں سقوط ہوا تو اکثر عرب ساتھی اور مشائخ افغانستان سے اس عالَم میں نکلنے پر مجبور ہوئے کہ اپنی خواتین اور بچوں کا بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں؟ عرب مجاہدین مشکل راستوں سے سفر کرتے کرتے پاکستان پہنچے۔ انہی میں سے ایک 'شیخ ابو صابر' بھی تھے۔ یہ پاکستان آئے اور کبھی ایک جگہ تو کبھی دوسری جگہ پناہ کی تلاش میں پھرتے رہتے، کہ پاکستانی فوج اور ایجنسیاں ہر طرف 'عرب مجاہدین' کی بو سونگھ رہی ہوتیں اور ان مہاجر مجاہدین کو اپنی جگہیں تبدیل کرنا پڑتی تھیں۔

شیخ ابو صابر کو اپنی اہلیہ اور بچوں سے جدا ہوئے چار سال ہونے کو آئے تھے اور اب بھی کچھ اتہ پتہ نہیں تھا۔

شیخ ہاشم کہتے ہیں کہ ایک روز شیخ ابو صابر کو ہم نے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا تھا، سو میں ایک ہائی ایس گاڑی لے کر شیخ ابو صابر کے پاس گیا اور ان کو گاڑی کی اگلی سیٹ پر بٹھا لیا۔ پیچھے کچھ مہاجر خواتین بیٹھی تھیں جو خود سالوں سے اپنے شوہروں کی جدائی برداشت کر رہی تھیں اور بچوں کو مشکل حالات میں پال رہی تھیں۔

گاڑی روانہ ہوئی تو پیچھے ایک خاتون نے اپنے بچے کو اشارہ کیا اور اس بچے نے آگے بیٹھے شیخ ابو صابر کے کندھے کو اپنے ہاتھ سے ہلایا، شیخ ابو صابر متوجہ ہوئے تو پیچھے سے ایک نسوانی آواز نے ان کی توجہ حاصل کر لی۔ شیخ ابو صابر نے ایک دم نعرہ بلند کیا اور کہا کہ گاڑی روکو۔ گاڑی رکی تو پچھلی سیٹ پر سوار یہ خاتون اور بچے جلدی سے گاڑی سے نیچے اترے...... اور بچے شیخ ابو صابر سے لپٹ گئے۔

یہ خاتون اور بچے، شیخ ابو صابر کی اہلیہ اور بچے تھے جو اپنے شوہر اور باپ سے چار سال بعد ملے تھے۔ بعد ازاں شیخ ابو صابر پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کی جاسوسی کے سبب ایک امریکی ڈرون حملے میں شہید ہو گئے۔ اللہ پاک آپ کی اور آپ کے خاندان کی قربانیاں قبول فرمائیں، آمین۔

عزت والے کون؟

[جنگی قیدی(Prisoner of War)یاغیر قانونی جنگجو(Unlawful Combatant)]

عامر سلیم خان

یہ تحریر ایک غیرتِ ایمانی رکھنے والے، افواجِ پاکستان سے وابستہ ایک سکیورٹی آفیسر کی ہے، جنہوں نے ایمان کی پکار پر لبیک کہا اور افواجِ پاکستان کو ترک کر کے کاروانِ جہاد میں شمولیت اختیار کی۔(ادارہ)

"وہ بزدل یا ڈرپوک نہیں تھے۔ وہ(Prisoner of war) جنگی قیدی تھے۔ میرے والد بھی انڈیا کی قید میں رہ چکے ہیں۔ آپ نے ان کے بارے میں صحیح نہیں کہا۔" یہ کہہ کر لیفٹیننٹ یاسر میس کا دروازہ زور سے بند کر کے چلے گئے۔ میں بھی سوچ میں پڑ گیا کہ ہو سکتا ہے میں نے یاسر کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہو۔ بے چارے یاسر کے والد پر انڈیا کی قید میں کتنا ظلم ہوا ہو گا۔ میں نے یہ کہہ کر کہ "پاکستانی فوج بہت بزدل وڈرپوک تھی کہ مشرک ہندوؤں کے سامنے اس نے ہتھیار ڈال دیے"، اچھا نہیں کیا۔(POW) جنگی قیدی کا لفظ میں نے پہلے سنا تھا، لیکن آج میرے لیے یہ لفظ نیا سا تھا۔ کیا تسلیم ہونے والے جنگجو (ہتھیار ڈالنے والا فوجی) کو(POW) جنگی قیدی کہہ کر اس کا یہ عمل لائقِ عزت بن جاتا ہے؟ تھوڑا سوچنے کے بعد میں اپنی روٹین میں مصروف ہو گیا اور اس معاملے کو بھول گیا۔ لیکن آج لیفٹیننٹ یاسر سمیت تمام فوجی اہلکاروں کے سامنے چند حقائق بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے حق بات کہنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جنگ کیوں ہوتی ہے؟

جب کبھی دو یا دو سے زائد فریقوں کے مقاصد باہم متصادم ہوں اور کوئی فریق اپنے مقصد سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ ہو تو ایک تنازعہ کھڑا ہو جاتا ہے اور اگر تنازعے کے حل کے لیے عسکری قوت کا استعمال عمل میں آ جائے تو ایسی صورت کو جنگ کہتے ہیں۔ اب قوت کے استعمال کے بعد جو فریق اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے وہ جیت جاتا ہے، جبکہ اس کے مدِ مقابل جو فریق اپنے مقصد کے حصول سے پیچھے ہٹ جائے وہ ہار جاتا ہے۔

۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کی ہارنے کی اصل وجہ:

اگر ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستانی فوج کو مکمل ہارا ہوا فریق مانا جائے گا۔ کیونکہ پاکستانی فوج کا مقصد اپنی سرزمین کا دفاع اور بنگلہ دیش کی علیحدگی کو روکنا تھا۔ جبکہ بھارت کا مقصد پاکستان کو توڑنا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بھارت کے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے خود پاکستانی جرنیلوں کے کرتوت ہی کافی تھے۔ لیکن بھارت بہر حال اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

سوال یہ نہیں کہ بھارت کامیاب ہوا، سوال یہ ہے کہ بھارت اتنی جلدی (تقریباً دس دن میں) کیونکر کامیاب ہوا؟ جبکہ پاکستانی فوج کے مطابق ابھی پاکستانی فوج بغیر کسی بیرونی مدد کے تیس دن اور لڑ سکتی تھی! کیوں ۹۳۰۰۰ ہزار کی فوج، جبکہ وہ ابھی لڑ سکتی تھی، ہندو جرنیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے؟ کیا لیفٹیننٹ یاسر کے والد سمیت تمام ۹۳۰۰۰ ہزار فوجیوں کے پاس اسلحے کی کمی تھی؟ یا راشن کی کمی تھی؟ یا افراد کی قلت تھی؟ جو اتنی جلدی ہندوؤں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے جاتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ قلت مادے کی نہیں بلکہ ایمان کی تھی۔ جنگ نظریے سے لڑی جاتی ہے۔ یہ ایمان تھا جو ۳۱۳ کی تعداد میں سامانِ جنگ کی قلت کے باوجود ۱۰۰۰ کے بھاری بھر کم لشکر کو ہرا دیتا ہے۔ یہ نظریہ تھا کہ مادی و افرادی لحاظ سے کمزور فریق (صحابہ کرامؓ) وقت کی دو بڑی قوتوں (روم و فارس) کو زیر کر دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ یہ پرانی باتیں ہیں، لہٰذا عصرِ حاضر کی مثال پیش خدمت ہے، بے سروسامان مجاہدین پہلے روس اور پھر امریکہ کو شکست دیتے ہیں۔ یہ ہے اصل فرق۔

Prisoner of war/ جنگی قیدی:

چلیں مان لیا کہ جنگ میں جنگجو قید ہوا کرتے ہیں۔ لیکن کیا قید ہونا شکست ہوا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل شکست اپنے نظریے سے، اپنے مقصد سے پیچھے ہٹنا ہوتا ہے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے پاکستانی فوج کے قیدی Simla Agreement/ شملہ معاہدہ ۱۹۷۲ء کے تحت رہا ہوئے۔ اس اگریمنٹ کی بنیادی شرط کیا تھی؟ بھارت کی طرف سے بنیادی شرط یہ تھی کہ پاکستان بنگلہ دیش کو اقوام متحدہ میں باضابطہ طور پر تسلیم کرے گا (مطلب یعنی اس دعوے سے پیچھے ہٹے گا کہ بنگال اب بھی مشرقی پاکستان ہے)۔ اس کے بدلے پاکستان کے ۹۳۰۰۰ فوجی جن کے ساتھ (بھارت کے مطابق) جنیوا کنونشن کے مطابق سلوک کیا گیا، رہا کر دیے جائیں گے۔ اب آپ بتائیے کہ اس رہائی کو کیا نام دیا جائے اور اس قیدی (POW) کی عزت کیسے کی جائے؟

Unlawful combatant/ غیر قانونی جنگجو:

افغانستان کا صوبہ پکتیکا۔ دنیا کی بہترین ائیر وارفیر (air warfare) ٹیکنالوجی سے لیس امریکی ہیلی کاپٹر فضا میں گھوم رہے ہیں۔ نیچے دشت میں سادہ لباس میں، ہلکے اسلحے (کلاشن کوف وغیرہ) کے ساتھ فریقِ آخر، امارت اسلامی افغانستان کے مجاہدین کھڑے ہیں۔ ایک ہیلی کاپٹر زمین پر اترتا ہے اور امریکی اس میں سے نکلتے ہیں۔ ایک امریکی وہاں موجود طالب سے ہاتھ ملاتا ہے۔ طالب ایک امریکی قیدی[(POW)، (برگڈال / Bergdahl)] کو اس کے حوالے کرتا ہے اور وہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ پتا ہے کس شرط پر؟ ذرا شرط کے مفہوم پر غور کیجیے، "امریکہ ہمارے پانچ بڑے رہنما (جو ہزاروں میل دور کیوبا کی سرزمین پر

قائم امریکی قید خانے گوانتاناموبے کے حراستی مرکز میں تھے) رہا کر دے۔ جب ہمارے پانچ رہنما، ہمارے سیاسی دفتر (قطر) بحفاظت پہنچ جائیں گے، ہم آپ کے قیدی کو آپ کے حوالے کر دیں گے"۔

ان پانچ شخصیات کو کون نہیں جانتا۔ ہر ایک عزیمت کا پہاڑ ہے۔ ہم صرف اس خاطر کہ ایمان کی قوت کا اندازہ ہو، ان میں سے ایک کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں۔ جناب خیر اللہ خیر خواہ، امارت اسلامی کے، تمام افغانستان پر حکومت کے وقت (۱۹۹۶-۲۰۰۱ء) وزیر داخلہ تھے۔ جب امریکہ نے حملہ کیا تو آپ گرفتار ہوئے (یاد رہے امریکہ کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق گوانتاناموبے میں قید ۸۰ فیصد قیدی پاکستانی ایجنسی آئی ایس آئی اور افغانستان کی امریکی ساختہ فوج نے گرفتار کر کے ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالے کیے ہیں)۔ آپ پر کتنے مظالم ڈھائے گئے۔ آپ کے ایک ساتھی شیخ عبد البصیر صاحب فرماتے ہیں کہ گرفتاری کے ابتدائی دنوں میں قندھار کی جیل میں امریکیوں نے آپ پر اتنا تشدد کیا، اتنی تعذیب دی کہ آپ نے ارادہ کیا کہ میں زمین پر پڑی ریت کھا کر اپنی جان لیتا ہوں، لیکن صرف اس وجہ سے کہ امریکی کہے گا کہ ایک مسلمان نے تعذیب کی سختی برداشت نہ کرنے کی غرض سے اپنی جان لے لی، میں رک جاتا تھا۔

گوانتاناموبے میں قیدیوں پر کیے جانے والے مظالم سے کون واقف نہیں؟ کون کیمپ ڈیلٹا کی اذیت سے لاعلمی دکھا سکتا ہے؟ واٹر بورڈنگ، کسی خاص شکل (shape) کے کنٹینر میں لمبے عرصے کے لیے بند کر دینا، رگوں میں کئی کئی لیٹر پانی کے ڈرپ لگا کر قضائے حاجت سے روکے رکھنا، انتہائی زیادہ یا انتہائی کم درجۂ حرارت میں کلوز کنٹینر میں بند کرنا، زخمی کر کے کتوں کو قیدیوں پر چھوڑ دینا، قیدیوں کو برہنہ کرنا، قیدیوں کے ساتھ بد فعلی کرنا، مار پیٹ کے وہ طریقے اپنانا جو تاریخ میں نہ ملیں اور تو اور ایک مسلمان کے لیے سب سے زیادہ اذیت والا عمل، اس کے سامنے قرآنِ کریم کی بے حرمتی کرنا اور جب ان سے کوئی جنیوا کنونشن کی بات کرے تو ان (امریکیوں) کا کہنا ہے کہ یہ لوگ (القاعدہ اور طالبان قیدی) Unlawful combatant غیر قانونی جنگجو ہیں نہ کہ Prisoner of war۔ اس لیے ان پر وہ قوانین نافذ نہیں ہوتے جو دنیا کے باقی قیدیوں کے لیے ہیں بلکہ ان کے ساتھ ہر طرح کا سلوک روا ہے۔ یہ اس وقت کی سب سے مہذب (عقل کے اندھوں کے مطابق) کہلانی والی قوم کے کرتوت ہیں جو انہوں نے ان قیدیوں پر کیے۔ لیکن مجال ہے کہ یہ مجاہدین قیدی اپنے نظریے سے ایک انچ پیچھے ہٹنا پسند کریں۔

عزت کن کے لیے؟

اللہ رب العزت کا فرمانِ مبارک ہے، "اور عزت تو اللہ اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے، لیکن منافقین نہیں جانتے"۔ (سورۃ المنافقون)

آج وہی خیر اللہ خیر خواہ صاحب ہیں جن کے پاس گوانتاناموبے کا وہی ظالم کمانڈنٹ (جنرل سکاٹ ملر) آتا ہے اور مذاکرات کرنا چاہتا ہے۔ آج وہی ملا برادر، جو دس سال تک ظالم پاکستانی فوج کی قید میں رہے لیکن اپنے نظریے سے ایک لمحے کے لیے پیچھے ہٹنا پسند نہ کیا، جن کو مذاکرات پر آمادہ کرنے کے لیے آج اسی فوج، جس نے انہیں کل تک قید کر رکھا تھا، کی ٹاپ سیکیورٹی ایجنسی، آئی ایس آئی کا ڈی جی، لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید انہیں اسلام آباد آنے کی دعوت دیتا ہے، ان کا استقبال کرتا ہے۔

کل تک حقانی نیٹ ورک[1] سمیت تمام مجاہدین Unlawful combatant غیر قانونی جنگجو قیدی تھے۔ آج سزائے موت کے قیدی، انس حقانی سمیت ان کے بڑے کمانڈرز اپنے اسی نظریے کے ساتھ باعزت بلکہ بزور قوت رہا ہو رہے ہیں، جس نظریے کی وجہ سے ان کو گرفتار کیا گیا تھا۔ آج بھی گوانتاناموبے، بگرام، پل چرخی اور دسیوں اور جیلوں میں ہزاروں کی تعداد میں مجاہدین قید ہیں جو صرف اس لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں کہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا ان کو گوارا نہیں (اللہ ہمارے ان مجاہد بھائیوں کو جلد عزت کے ساتھ رہائی عطا فرمائے، آمین)۔

اسی طرح پاکستان میں کتنے ہمارے مجاہد بھائی ہیں جو صرف اس لیے کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہو، پابندِ سلاسل ہیں، اور لاکھوں لاپتہ ہیں اور طرح طرح کے مظالم کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے جسموں میں ڈرل مشینوں سے سوراخ کر دیے جاتے ہیں اور یہ شہید ہو جاتے ہیں، لیکن اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتے (اللہ ہمارے ان بھائیوں کو جلد رہائی عطا فرمائے اور ان کے اس عظیم مقصد کو جلدی پورا فرمائے، آمین)۔

عزت صرف الفاظ اور القاب سے نہیں ملا کرتی۔ اگر صرف الفاظ ہی میں عزت ہوتی تو ۹۳۰۰۰ Prisoners of war کو آج لوگ عزت سے یاد کرتے اور لاکھوں مجاہد قیدی جن کو Unlawful combatant غیر قانونی جنگجو کہا گیا، کی کوئی عزت نہ ہوتی۔ اصل میں عزت اس دین میں ہے، جس کو عزت و جلال والے رب نے معزز ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیامت تک کے لیے انسانوں کے لیے نازل فرمایا۔ اب جو اس دین کو اپنائے گا، اس پر عمل کرے گا اور اس کے غلبے کے لیے کوشش کرے گا اس کو ہی عزت ملے گی، چاہے دنیا والے اس کو کوئی بھی لقب دے دیں یا جس بھی نام سے اسے پکاریں!

---

[1] حقانی نیٹ ورک، جس کا اصلاً کوئی تنظیمی وجود نہیں اور جس کی طرف جن مجاہدین کی نسبت کی جاتی ہے وہ دراصل امارتِ اسلامی افغانستان سے وابستہ مجاہدین ہیں۔

جو بھاگ گیا وہ جنرل نیازی!

لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی، برِّ صغیر کی جنگی تاریخ کے نمایاں لوگوں میں سے ایک ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ اس کا نمایاں ہونا اس محاورے کی مانند ہے کہ 'بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا'۔ جنرل نیازی کی سپہ سالاری میں پاکستانی فوج کو ہونے والی تاریخی شکست کے بعد ایک اور محاورہ بھی وجود میں آیا جو پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے...... 'جو مارا گیا وہ شہید... جو بچ گیا وہ غازی... اور جو بھاگ گیا وہ جنرل نیازی!'

ذیل میں جنرل نیازی کے دو مختصر انٹرویو پیش کیے جا رہے ہیں۔ پہلا انٹرویو، ہتھیار ڈالنے سے کچھ دن پہلے کا ہے جبکہ دوسرا، ہتھیاڑ ڈالنے کے ایک یا دو دن بعد کا ہے۔ پہلا انٹرویو ایک مغربی صحافی کو دیا گیا تھا، جو کہ ایک ویڈیو انٹرویو ہے اور یوٹیوب پر دستیاب ہے۔ جبکہ دوسرا انٹرویو اس وقت 'میجر' کے عہدے پر تعینات، آئی ایس پی آر کے شعبے کے تحت کام کرنے والے صدیق سالک کو دیا گیا۔ صدیق سالک نے یہ انٹرویو اپنی کتاب، 'میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا' میں شائع کیا۔ (ادارہ)

پہلا انٹرویو

نیازی: "ہم یہ جنگ آخری مرحلے تک لڑیں گے"۔

صحافی: "مگر ایسے تو بہت سے لوگ مارے جاسکتے ہیں!"

نیازی: "(بہت سے لوگوں کا مارا جانا) یہ آزادی کی قیمت ہے!"

صحافی: "مگر کیسی آزادی؟ یہ آزادی آپ کی آزادی تو نہیں؟!"

نیازی: "میری (آزادی/خود مختاری)...... میرے وطن پاکستان (کی خود مختاری)!"

صحافی: "کیا آپ ابھی بھی بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) کو 'پاکستان' کا حصہ سمجھتے ہیں؟"

نیازی: "پاکستان قائم رہے گا، ان شاء اللہ پاکستان قائم رہے گا!"

دوسرا انٹرویو

صدیق سالک: "کیا آپ نے جنرل یحیٰ[1] یا جنرل حمید[2] کو کبھی صاف صاف بتایا تھا کہ آپ کو جو وسائل دیے گئے ہیں وہ مشرقی پاکستان کے دفاع کے لیے ناکافی ہیں؟"

نیازی: "کیا وہ سویلین ہیں؟ کیا انہیں نہیں معلوم کہ اندرونی اور بیرونی خطرات سے مشرقی پاکستان کو بچانے کے لیے تین انفنٹری ڈویژن ناکافی ہیں؟"

صدیق سالک: "مگر یہ الزام تو ہمیشہ آپ پر ہی رہے گا کہ مشرقی پاکستان کا دفاع نہ کرسکے۔ اگر کم وسائل کے پیش نظر آپ کے خیال میں دفاعی قلعوں والی اسٹریٹیجی بہترین حکمت عملی تھی، تو کیا وجہ ہے کہ آپ نے ڈھاکہ کو دفاعی قلعہ نہ بنایا جہاں فوج کی ایک کمپنی بھی نہ تھی؟"

نیازی: "یہ سب راولپنڈی والوں کا قصور ہے۔ انہوں نے مجھے نومبر کے وسط میں آٹھ پلٹنیں بھیجنے کا وعدہ کیا تھا' مگر صرف پانچ بھیجیں۔ میں باقی تین کا انتظار کرتا رہا کہ وہ آئیں تو انہیں ڈھاکہ کے دفاع کے لیے استعمال کروں گا۔"

صدیق سالک: "لیکن ۳ دسمبر کو جب آپ پر واضح ہو گیا کہ اب مزید نفری آنا ناممکن ہے تو آپ نے کیوں نہ اپنے وسائل میں سے کچھ جمعیت ڈھاکہ کے لیے مخصوص کرلی؟"

نیازی: "دراصل اس وقت حالات ایسے ہوگئے تھے کہ کسی محاذ سے ایک کمپنی بھی نکالنا مشکل تھا۔"

صدیق سالک: "جو تھوڑے بہت وسائل آپ کے پاس ڈھاکہ میں موجود تھے، اگر آپ ان کو بھی صحیح طور پر استعمال کرتے تو جنگ کچھ دن اور جاری رہ سکتی تھی؟"

نیازی: "مگر اس کا کیا فائدہ ہوتا؟ ڈھاکہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی' گلیوں میں لاشوں کے انبار لگ جاتے' نالیاں اٹ جاتیں' شہری زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی۔ لاشوں کے گلنے سڑنے سے طاعون اور دوسری بیماریاں پھوٹ پڑتیں۔ اس کے باوجود انجام وہی ہوتا۔ میں تو نوّے ہزار بیواؤں اور لاکھوں یتیموں کا سامنا کرنے کے بجائے نوے ہزار قیدی واپس لے جانا بہتر سمجھتا ہوں۔"

صدیق سالک: "اگرچہ انجام وہی ہوتا، مگر تاریخ مختلف ہوتی۔ اس سے پاکستان کی عسکری تاریخ میں ایک سنہرا باب لکھا جاتا۔ آئندہ دشمن کو ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی۔"

..............جنرل نیازی خاموش رہے!

★★★★★

[1] صدرِ پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر آف پاکستان

[2] چیف آف آرمی سٹاف

ہتھیار ڈالنے اور بھارت کے تابع ہونے کی دستاویز: 16 دسمبر 1971ء

ذیل میں وہ شرمناک دستاویز پیش ہے جس کے ذریعے 'رسماً' مشرقی پاکستان 'کا سقوط ہو گیا اور جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش وجود میں آیا۔ اولاً 'بنگلہ دیش پیپرز: ۱۹۷۱ء' نامی دستاویز میں موجود 'انسٹرومنٹ آف سرینڈر' کا عکس ہے۔ یہ 'معاہدۂ بے غیرتی و ذلّت' انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا، جس کے آخر میں لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا اور لیفٹیننٹ جنرل نیازی کے دستخط درج ہیں۔ یہ دستاویز 'بنگلہ دیش لبریشن وار میوزیم' میں رکھی گئی ہے۔

اس دستاویز کے عکس کے بعد اس کا اردو ترجمہ درج ہے جو ڈاکٹر حقی حق صاحب کی کتاب 'ہوئے تم دوست جس کے' سے لیا گیا ہے۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ○ (سورۃ آلِ عمران: ۱۳) "بیشک اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔" (ادارہ)

INSTRUMENT OF SURRENDER

The PAKISTAN Eastern Command agree to surrender all PAKISTAN Armed Forces in BANGLA DESH to Lieutenant-General JAGJIT SINGH AURORA, General Officer Commanding in Chief of the Indian and BANGLA DESH forces in the Eastern Theatre. This surrender includes all PAKISTAN land, air and naval forces as also all para-military forces and civil armed forces. These forces will lay down their arms and surrender at the places where they are currently located to the nearest regular troops under the command of Lieutenant-General JAGJIT SINGH AURORA.
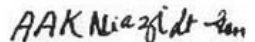
The PAKISTAN Eastern Command shall come under orders of Lieutenant-General JAGJIT SINGH AURORA as soon as this instrument has been signed. Disobedience of orders will be regarded as a breach of the surrender terms and will be dealt with in accordance with the accepted laws and usages of war. The decision of Lieutenant-General JAGJIT SINGH AURORA will be final, should any doubt arise as to the meaning or interpretation of the surrender terms.

Lieutenant-General JAGJIT SINGH AURORA gives a solemn assurance that personnel who surrender shall be treated with dignity and respect that soldiers are entitled to in accordance with provisions of the GENEVA Convention and guarantees the safety and well-being of all PAKISTAN military and para-military forces who surrenders. Protection will be provided to foreign nationals, ethnic minorities and personnel of WEST PAKISTAN origin by the forces under the command of Lieutenant-General JAGJIT SINGH AURORA.

(JAGJIT SINGH AURORA) Lieutenant-General General Officer Commanding in Chief India and BANGLA DESH Forces in the Eastern Theatre 16 December 1971.	AAK Niazi Lt Gen (AMIR ABDULLAH KHAN NIAZI) Lieutenant-General Martial Law Administrator Zone B and Commander Eastern Command (Pakistan) 16 December 1971

ہتھیار ڈالنے اور بھارت کے تابع ہونے کی دستاویز

بنگلہ دیش میں پاکستان کی مشرقی کمان میں تمام مسلح افواج، بھارتی اور بنگلہ دیشی افواج کے جنرل آفیسر کمانڈنگ لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہیں۔ اس ہتھیار سپردگی کا اطلاق یکساں طور پر پاکستان کی جملہ مسلح افواج پر ہو گا، جن میں برّی، بحری، فضائی افواج، نیم فوجی ادارے اور سول آرمڈ فورسز شامل ہیں۔ یہ افواج جن مقامات پر موجود ہیں، وہیں لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کی زیرِ کمان بھارتی افواج کے نزدیک ترین فوجیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گی۔

اس دستاویز پر دستخط ہوتے ہی، پاکستان کی مشرقی کمان، لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے زیرِ احکام آجائے گی۔ عدم عمل درآمدِ احکامات کو سقوط کی شرائط کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا جس سے قابلِ قبول مستعمل جنگی قوانین کے مطابق نبٹا جائے گا۔ سقوط کی شرائط کے معانی و تشریح میں کسی بھی ابہام کی صورت میں لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کا فیصلہ حتمی ہو گا۔

لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا، اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ ہتھیار ڈالنے والوں سے جنیوا کنونشن کے مطابق عزت و احترام کا سلوک کیا جائے گا، جس کے وہ مستحق ہیں اور ہتھیار ڈالنے والے پاکستانی فوجی و نیم فوجی افراد کی سلامتی اور بہبود کی ضمانت دی جاتی ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کی زیرِ کمان افواج، غیر ملکی افراد، مخصوص اقلیتوں اور مغربی پاکستان کے باشندوں کا تحفظ کریں گی۔

دستخط	دستخط
جگجیت سنگھ اروڑا	امیر عبداللہ خان نیازی
لیفٹیننٹ جنرل	لیفٹیننٹ جنرل
جنرل آفیسر کمانڈنگ ان چیف	مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی
افواج بھارت و بنگلہ دیش، مشرقی محاذ	کمانڈر ایسٹرن کمان (پاکستان)
۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء	۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء

(بنگلہ دیش لبریشن وار میوزیم: بنگلہ دیش پیپرز: ۱۹۷۱)

ڈھاکہ......ڈوبنے سے ایک سال پہلے!

صدیق سالک

یہ تحریر (۱۹۷۰ء) میں میجر اور بعد ازاں بریگیڈیئر صدیق سالک کی لکھی ہوئی ہے۔ اصلاً یہ تحریر صدیق سالک کی انگریزی کتاب Witness to Surrender اور صدیق سالک ہی کے نظر ثانی شدہ اس کتاب کے ترجمے 'میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا' کا پہلا باب (chapter) ہے جسے ہم ضروری ترمیمات اور نئے عنوان کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اور شائع کی گئی تحریر میں بھی کئی مقامات پر ہمیں 'صدیق سالک' کی بات اور انداز سے اتفاق نہیں۔ مشرقی پاکستان اور بعد کے بنگلہ دیش کے یہ احوال پڑھ کر دِل لرز جاتا ہے اور بعض دفعہ آنکھوں سے جھڑی سی لگ جاتی ہے۔ یہ تحریر بھی اسی خاطر شاملِ اشاعت کی جا رہی ہے تا کہ اندازہ لگایا جاسکے کہ مشرقی پاکستان میں کیسے حالات تھے اور وہاں کے مسلمانوں سے ہمارے حکمران کیسا رویہ رکھے ہوئے تھے۔ اسلام تو دور کی بات، حقوقِ مساوات اور ایسے خوشنما نعروں والے جدید انسانی معاشرے میں بھی ایسے رویوں کا وجود نہیں ملتا، جیسا کچھ مشرقی پاکستان میں 'فوجی حکومت' کے تحت کیا جا رہا تھا۔ یہاں یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ جب فوج کے مظالم کا ذکر آتا ہے تو اس کا مطلب مجیب الرحمان جیسے لادین اور مکتی باہنی جیسے جتھوں کی حمایت نہیں۔ بلکہ حقیقت میں سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ دولادینوں، دوبے دینوں اور ظالموں کی لڑائی تھی جو محض اقتدار کے بھوکے تھے اور جو محض مسلمان عوام اور ان کے وسائل کا استحصال کرنا چاہتے تھے۔ ۴۷-۷۱ء کی تاریخ جہاں فوجی اور غیر فوجی حکمرانوں کی بے حسی اور ناانصافی و ظلم کی داستان ہے تو ۷۱ء میں نام نہاد آزادی مل جانے کے بعد، 'پاکستانیوں' کی بجائے 'بنگلہ دیشی' حکام کے باوجود عام بنگالی مسلمان آج بھی ویسا ہی بدحال ہے جیسا کہ کل تھا۔ نہ پاکستان میں کسی قسم کی عوامی خوشحالی ہے، نہ بنگلہ دیش 'شونار بنگلہ' ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان و برما سمیت تمام عالَم کے مسلمانوں پر رحم فرمائے اور ان کے لیے بہترین چارہ ساز اس امت میں پیدا فرمائے، آمین۔ (مدیر)

پاکستان میں دوسرے ملک گیر مارشل لاء کی پہلی سالگرہ تھی۔ شیخ مجیب الرحمٰن ایک انتخابی جلسے سے خطاب کرنے صوبے کے اندرونی علاقے میں جا رہے تھے۔ ان کی کھڑ کھڑاتی کار کی پچھلی سیٹ پر ان کے ساتھ ایک بنگالی صحافی بیٹھا تھا جو شیخ صاحب کی انتخابی مہم کی خبریں اپنے اخبار کو بھیجتا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں انہیں کسی نازک سیاسی مسئلے پر چھیڑا اور چپکے سے اپنا چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر چلا دیا۔ بعد میں وہ یہ ٹیپ سنا کر دوستوں کی تواضع کیا کرتا تھا۔ اس نے یہ ٹیپ مجھے بھی سنایا۔ مجیب کی جانی پہچانی اور گرجدار آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''ایوب خان نے مجھے مقبولیت کی ایسی معراج پر پہنچا دیا ہے کہ اب کوئی شخص میری مرضی کے خلاف نہیں جاسکتا۔ کوئی شخص مجھے ''نہ'' نہیں کہہ سکتا حتیٰ کہ یحییٰ خاں بھی میرے مطالبات کو رد نہیں کر سکتا۔''

مجیب کے مطالبات اور عزائم کیا تھے؟ اس کی نشاندہی ایک اور ٹیپ سے ہوتی ہے جو یحییٰ خان کے محکمۂ سراغ رسانی نے چوری چھپے تیار کی تھی۔ اس میں مجیب کی آواز بند تھی۔ موضوع ایل ایف او...... یہ قانونی ڈھانچہ عملاً ایک دستوری خاکہ تھا جس میں قومی سلامتی کی ضمانت دی گئی تھی۔ اس کی وہ شقیں جو چھ نکات کی راہ میں حائل ہوتی تھیں، مجیب کو سخت ناپسند تھیں۔ اس دستوری خاکے کے متعلق مجیب نے انجانے میں اپنے قریبی حلقوں میں حسب ذیل رائے کا اظہار کیا تھا:

''میرا مقصد بنگلہ دیش کا قیام ہے۔ انتخابات ختم ہوتے ہی ایل ایف او کو پرزے پرزے کر دوں گا۔ کون ہے جو انتخابات کے بعد میرے سامنے ٹک سکے۔''

جب یحییٰ خاں نے یہ الفاظ سنے تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس کا فوری ردعمل یہ تھا:

''اگر اس نے مجھے دھوکا دیا تو میں اس کو سیدھا کر دوں گا۔''

مجیب اور یحییٰ کے یہ خیالات بعد کی باتیں ہیں، ان کا صحیح پس منظر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ بات جنوری ۱۹۷۰ء سے شروع کی جائے جب میں پہلی بار دو سال کے لیے ڈھاکہ گیا۔

میں جب راولپنڈی سے ڈھاکہ روانہ ہوا، تو رختِ سفر بڑا مختصر تھا۔ مگر میرے ذہن میں خیالات کا وزن بہت بھاری تھا۔ یہ خیالات ملکی سالمیت سے متعلق تھے، مگر اس وقت مجھے اس سلسلے میں ہندوستان کی امکانی جارحیت کی بجائے اندرونی سیاست کے مدوجزر کا زیادہ احساس تھا کیونکہ مغربی پاکستان میں جہاں میں نے بیس پچیس سال گزارے تھے، یہ تاثر عام تھا کہ مجیب کے چھ نکات، علیحدگی کی درپردہ سکیم کا دوسرا نام ہے اور اب بعض حلقوں میں یہ بات بھی اکثر سننے میں آئی تھی کہ ۱۹۶۸ء کی اگر تلا سازش بھی اس سکیم کو بروئے کار لانے کے لیے عملی اقدام تھی۔ ان باتوں میں کہاں تک صداقت تھی اور کہاں تک تعصب، اس کا مجھے علم نہ تھا۔ میں نے سوچا کہ بنگالی بھائیوں سے براہ راست ملوں گا، تو صورتِ حال خود بخود واضح ہو جائے گی۔

ان دنوں مشرقی پاکستان میں پچیس ہزار کے لگ بھگ فوجی تعینات تھے۔ میں سرکاری فرائض کے سلسلے میں انہی میں شامل ہونے جا رہا تھا مگر ۱۸۰۰ کلو میٹر میں پھیلے ہوئے وسیع ہندوستانی علاقے کے اوپر پرواز کرتے ہوئے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر ہندوستان نے ہم پر حملہ کر دیا تو کیا یہ پچیس ہزار فوجی مؤثر طور پر مشرقی پاکستان کا دفاع کر سکیں گے؟

میں سچے پاکستانی کی طرح ان خیالات سے آنکھیں بچانے کے لیے ماضی کی ان بوسیدہ دلیلوں میں پناہ ڈھونڈنے لگا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈھاکہ ہی میں تو رکھی گئی تھی۔ قرار دادِ پاکستان جو ۱۹۴۰ء میں لاہور میں منظور ہوئی ایک بنگالی لیڈر ہی نے تو پیش کی تھی۔ پھر ڈر کاہے کا؟

انہی خیالات کے جھرمٹ میں میں تیج گاؤں (ڈھاکہ) ایئر پورٹ پر اترا۔ زمین پر سبزے کے قالین بچھے تھے اور آسمان پر نقرئی بادل مسکرا رہے تھے۔ بدلیاں تو بہت تھیں، مگر بکھری بکھری۔ ان کی اوٹ اتنی گھنی اور گہری نہ تھی کہ ہنستے ہوئے سورج کا چہرہ مکمل طور پر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ فضا معتدل سی اور ماحول سکون آمیز سا۔ میرے ساتھ اسی جہاز سے بعض فوجی افسر، جو مارشل لاء ڈیوٹی سے متعلق تھے، وہ کسی اور ہی ہوا میں تھے۔ دراتے ہوئے وی آئی

پی لاؤنج میں گئے اور گہرے اور دبیز صوفوں میں سستانے لگے۔ باہر بنگالی قلی ہانپتے ان کا سامان گورنمنٹ ہاؤس کی نقرئی پلیٹوں والی گاڑیوں میں لادنے لگے۔ آناًفاناًوہ باہر نکلے اور گاڑیوں میں بیٹھ کر ائیر پورٹ سے نکل گئے۔

میں دوسرے برآمدے میں کھڑا کسی مناسب سواری کا انتظار کرنے لگا (راستے میں جہاز کی خرابی کی وجہ سے میں نے فلائیٹ بدل لی تھی، مگر اس کی اطلاع ڈھاکہ نہ پہنچا سکا تھا)۔ تھوڑی دیر بعد ایک فوجی جیپ میرے قریب آکر رکی۔ حوالدار نے مجھے سمارٹ سا سلیوٹ کیا اور پاس سے گزرتے ہوئے ایک بنگالی لڑکے کو جھک دار لہجے میں حکم دیا۔ ''صاحب کا اٹیچی کیس جیپ میں رکھو۔''

سہمے ہوئے لڑکے کو یہ جھک ناگوار تو گزری مگر اپنے آقا پر ایک احتجاجی نگاہ ڈالتے ہوئے سہمے بجا لایا۔ اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ اس کے سیاہ چہرے کے چوکھٹے میں سفید سفید آنکھیں وحشت کا احساس لیے ہوئے تھیں۔ میں نے اپنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چند سکے اس غریب لڑکے کو دینا چاہے، مگر حوالدار نے پرزور لہجے میں کہا۔ ''سر'' ان حرامزودوں کی عادت نہ بگاڑیے۔'' میں نے مشورہ مان لیا اور بنگالی لڑکا ایک بار پھر نفرت بھری نگاہیں مجھ پر ڈالتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

ائیرپورٹ کی بلند بالا عمارت پر پرچم ستارہ و ہلال پوری آب و تاب سے لہرا رہا تھا۔ میں چھاؤنی روانہ ہو گیا۔ جو دوست مجھے ائیر پورٹ پر لینے نہ پہنچ سکے تھے، شام کو آفیسرز میس میں آئے۔ بڑے تپاک سے ملے۔ اپنی غیر حاضری کی معافی مانگنے لگے۔ رسمی گفتگو کے بعد مشرقی پاکستان کی صورتِ حال زیرِ بحث آئی تو انہوں نے اس غیر مناسب موقع پر، جبکہ حالات دگرگوں ہو رہے ہیں، مشرقی پاکستان میں تقرری پر مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ چند پند و نصائح سے بھی نوازا۔ نمونے کے چند موتی حاضر ہیں:

''یہاں عملی طور پر مارشل لاء کا کوئی وجود نہیں ہے''

''گھرداری کے لیے ہرگز بھاری بھاری چیزیں نہ خریدنا، کیا معلوم کب اور کن حالات میں یہاں سے بستر اگول کرنا پڑے۔''

''اپنا روپیہ پیسہ شہر کے کمرشل بنک کے بجائے چھاؤنی کے نیشنل بنک میں رکھوانا۔''

''اور ہاں اپنے پیش رو کے فلیٹ ہی میں ٹکے رہنا، یہ صندوق نما فلیٹ بڑا محفوظ ہے۔ اس میں کوئی شرپسند آسانی سے بم نہیں لڑھکا سکتا۔''

میرے خیال میں یہ سب وہم تھے، ورنہ کسی بنگالی کو کیا پڑی ہے کہ میرے گھر میں بم پھینکے۔ صورتِ حال خراب سہی، مگر اتنی تو نہیں کہ شعلے اچانک بھڑک اٹھیں۔ میں نے دوستوں کے مشوروں کو نظر انداز کرتے ہوئے مغربی پاکستان سے کمک یعنی بیوی بچوں کو بلوانے کے لیے تار بھیج دیا۔ چند روز میں وہ پہنچ گئے، تو انہیں اپنے مورچہ نما فلیٹ میں متعین کر دیا۔ بچوں کے آتے ہی اگلے روز بنگالیوں کا ایک ہجوم ہمارے گھر پر ٹوٹ پڑا، مگر وہ شرپسند نہ تھے محض محنت مزدوری کرنے والی عورتیں تھیں جو ''آیا'' کے طور پر ملازمت کرنے کی خواہش مند تھیں۔ بنگالی عورتیں مغربی پاکستانیوں کے گھروں میں ملازمت کو ترجیح دیتی تھیں جیسے تقسیم ہند سے پہلے ہندوستانی خانسامے اور بیرے کسی انگریز کے ہاں نوکری کو بہتر سمجھتے تھے۔ دوسرے تیسرے دن معلوم ہوا کہ میری بیوی نے دو نوکرانیاں ملازم رکھ لی ہیں۔ بظاہر یہ سراسر فضول خرچی تھی مگر جب بیوی سے جواب طلبی کی تو وہ کہنے لگی، فکر نہ کیجیے ان دونوں کی تنخواہ ہمارے راولپنڈی والے واحد ملازم کی تنخواہ سے کم ہو گی۔ میں نے فکر کرنا چھوڑ دیا۔

گھر آباد کرنے کے لیے برتنوں کی ضرورت پڑی، تو میں ڈھاکہ سے ۱۲ کلو میٹر دور ٹونگی میں پاکستان سرامک انڈسٹریز گیا۔ راستے میں افلاس اور ناداری کے ایسے ایسے دردناک مناظر دیکھنے میں آئے کہ ملازمت کے لیے ماری ماری پھرتی آیاؤں کی بے چینی سمجھ میں آگئی۔ راستے میں جو عورتیں نظر آئیں، ان کے پاس ستر پوشی کے لیے چند چیتھڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو مرد دکھائی دیے وہ عموماً کوتاہ قامت اور فاقہ زدہ تھے۔ ان کی سیاہ جلد میں منڈھی ہوئی پسلیاں چلتی گاڑی سے بھی گنی جا سکتی تھیں۔ بچوں کی حالت بڑوں سے بدتر تھی۔ ان کی ہڈیاں کمزور اور جسم نحیف تھے۔ کمزور ٹانگوں کے اوپر ابھری ہوئی توندیں باہر کو اُمڈ رہی تھیں۔ بعض بچوں کی کمر کے گرد گندہ سا دھاگا بندھا تھا جس سے ایک گھنٹی لٹک رہی تھی، یہ ان کا واحد کھلونا تھا۔

راستے میں جہاں جہاں رکا، بھک منگوں کے غول کے غول مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ بنگال کا عام غریب آدمی مغربی پاکستان کے انتہائی غریب آدمی سے بھی غریب تر ہے۔ مجھے مشرقی پاکستان کی معاشی بدحالی کے بارے میں سنی ہوئی باتوں میں وزن نظر آنے لگا۔ میں اپنے آپ کو مجرم محسوس کرنے لگا۔

مجھے خیال ہونے لگا کہ چند روز پہلے میرے دوست شاید ٹھیک ہی کہہ رہے تھے، کیونکہ اگر یہ بھوکے ننگے لوگ انبوہ در انبوہ مشتعل ہو جائیں، تو واقعی بازار لوٹ سکتے ہیں، چھاؤنی پر ہلہ بول سکتے ہیں اور میرے گھر میں بم پھینک سکتے ہیں۔

فیکٹری کے دروازے پر ایک لمبا تڑنگا آدمی ملا۔ وہ کوٹ پتلون پہنے تھا اور وضع قطع سے پنجابی لگتا تھا۔ اس نے بھی میرے خدوخال سے میرے علاقائی تعلق کا اندازہ لگایا۔ وہ مسٹر نیازی تھا، جو فیکٹری میں سیکورٹی اسسٹنٹ کا کام کرتا تھا۔ بڑے تپاک اور محرمانہ انداز میں باتیں کرنے لگا۔ جب میں نے وہاں آنے کا مقصد بتایا تو کہنے لگا، میری مانیے تو برتنوں کا آرڈر خود نہ دیجیے۔ یہاں کے بنگالی مزدور مغربی پاکستان کے افسروں سے کدرکھتے ہیں۔ ان کے آرڈر کے برتن بھی جان بوجھ کر خراب کر دیتے ہیں۔ آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیجیے۔

ڈھاکہ واپس پہنچ کر میں نے دن بھر کے تجربات ایک پرانے پنجابی دوست سے بیان کیے۔ خاص کر غربت کے دردناک مناظر کا ذکر بڑے پر اثر انداز میں کیا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ الٹا بنگالیوں کو ان کی کاہلی اور نااہلی کے لیے کوسنے لگا۔ اس نے نفرت آمیز انداز میں کہا۔ ''یہ صرف ایک کام میں طاق ہیں۔ اور وہ ہے خاندانی منصوبہ بندی کے اصولوں کی بے دریغ

خلاف ورزی۔ آپ ان کی غربت کا اتنا اثر نہ لیں، میں آپ کو تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کسی دن شہر (ڈھاکہ) لے چلوں گا۔'' کیپٹن چودھری واقعی اپنی پہلی فرصت میں مجھے گاڑی پر بٹھا کر شہر لے گیا۔ پہلے ہم شہر کے شاندار علاقوں میں گھومتے رہے جن میں اسٹیٹ بنک، گورنمنٹ ہاؤس، ہائیکورٹ، انجینئر انسٹیٹیوٹ، ریلوے اسٹیشن، یونیورسٹی کیمپس، بیت المکرم، اسٹیڈیم، نیو مارکیٹ اور ایسی ہی بارعب عمارتیں شامل تھیں۔ ان عمارتوں کا چکر لگانے کے بعد کیپٹن صاحب نے اہانت آمیز لہجے میں کہا۔ ''پہلے یہاں کچھ بھی نہیں تھا، یہ سب کچھ ۱۹۴۷ء کے بعد بنا۔''

''اور وہ بھی سالانہ سیلابوں، سمندری طوفانوں اور قیامت خیز سائیکلونوں کے باوجود! ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی شخص زرِ مبادلہ کے آمد و خرچ کے اعداد و شمار جمع کرے اور مجیب کی طرف سے عائد کردہ اقتصادی استحصال کے الزامات کی قلعی کھول دے۔''

میں کیپٹن چودھری کی باتیں سن کر سوچنے لگا کہ اگر یہ سب کچھ سچ ہے اور حقائق مجیب کے خلاف ہیں، تو پھر ڈر کس بات کا؟ اس کے علاوہ مجیب کا توڑ مولانا عبدالمجید بھاشانی بھی تو ہیں جو ایک بااثر اور متوازی جماعت کی قیادت کر رہے ہیں۔ اور ہاں، دائیں بازو کی کئی جماعتیں بھی تو مجیب کے خلاف ہیں جو اکثر و بیشتر ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان اسلامی رشتے پر زور دیتی رہتی ہیں۔ بھلا ان حالات میں مجیب کس طرح من مانی کر سکتا ہے۔ اگر اس کا سب سے بڑا ہتھیار رائے عامہ ہے تو اس کا اندازہ تو انتخابات کے بعد ہی ہو گا۔ دیکھیے انتخابات میں کیا ہوتا ہے۔

انتخابات کے لیے سیاسی سرگرمیوں پر سے یکم جنوری ۱۹۷۰ء سے پابندی اٹھالی گئی۔ سالِ نو کا خیر مقدم بائیں بازو کے طلبہ کی جماعت نے آدھی رات کو مشعل بردار جلوس نکال کر کیا جس میں انہوں نے سرخ انقلاب کے نعرے لگائے۔ ان کی حریف جماعت، ایسٹ پاکستان اسٹوڈنٹس لیگ نے (جس کا الحاق عوامی لیگ سے تھا) اگلے روز ایک جلسہ عام میں یہ اعلان کیا کہ ہماری نجات کا راز چھ نکات میں ہے، صرف نکات میں۔ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے طالب علموں نے اپنا کوئی زور نہ دکھایا۔

سیاسی جماعتوں میں عوامی لیگ، جماعت اسلامی اور نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) بہت سرگرم تھیں۔ عوامی لیگ نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز ۱۱ جنوری کو پلٹن میدان میں ایک عظیم الشان جلسے سے کیا۔ یہ جلسہ تنظیم اور تعداد کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ اخباری اصطلاح میں وہاں لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ تعداد کے علاوہ گفتار و افکار کے لحاظ سے بھی یہ اجتماع یادگار تھا۔ اس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ بنگالیوں نے ۱۹۵۶ء کے دستور میں برابری کے اصول کو تسلیم کر کے سخت غلطی کی تھی۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر ''بنگلہ دیش'' پر یہ اصول دوبارہ ٹھونسنے کی کوشش کی گئی، تو اس کی مزاحمت کی جائے گی اور عوام کے حقوق کے لیے تحریک چلائی جائے گی۔

بعد میں بنگال میں ممتاز سیاست دان تفضل حسین عرف مانک میاں کے سپوت بیرسٹر معین الحسین نے مجھ سے کہا۔ ''میرے والد کی زندگی میں ۱۹۵۶ء کے آئین کو بنگالیوں کے لیے قابل قبول بنانا ممکن تھا، مگر اب گاڑی چھوٹ چکی ہے۔'' میں نے اس دعوے کی تصدیق بعض بزرگ سیاست دانوں سے چاہی تو انہوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا، جی ہاں حسین شہید سہروردی کی موت کے بعد اگر کسی کا اثر و رسوخ مجیب پر تھا، تو وہ مانک میاں ہی تھے۔

ایک ہفتے بعد جماعت اسلامی نے اسی پلٹن میدان میں اپنا جلسہ منعقد کیا جہاں عوامی لیگ نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔ جماعت اسلامی نے بھی اپنے اجتماع کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی، مگر یہ جلسہ ہلڑبازی کا شکار ہو گیا۔ نوبت مار کٹائی تک پہنچی جس میں دو آدمی ہلاک اور پچاس زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں سے پچیس کی حالت تشویش ناک تھی۔ امیر جماعتِ اسلامی، مولانا سید ابو اعلیٰ مودودی، جو جلسے سے خطاب کرنے خاص طور پر لاہور سے ڈھاکہ پہنچے تھے، تقریر کیے بغیر جلسہ گاہ سے واپس آ گئے۔

اس خوں ریز جھڑپ میں جماعت اسلامی ایک مظلوم اور ستم رسیدہ جماعت بن کر نکلی۔ جماعت نے خون خرابے کی ذمہ داری عوامی لیگ پر ڈالی کیونکہ جلسہ گاہ کے ایک حصے سے ''جوائے بنگلہ'' (بنگلہ دیش زندہ باد) کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ عوامی لیگ یہ کہہ کر اس الزام کی بھرپور تردید کرتی تھی کہ تشدد اس کے مفاد میں نہیں، کیونکہ اس سے انتخابات التوا کا شکار ہو سکتے تھے۔

فریقین میں یہ بحث اپنی جگہ بجا، مگر سوال یہ ہے کہ اس گڑبڑ کو روکنے کے لیے انتظامیہ نے کیا کیا۔ خوں ریز جھڑپوں کے دوران پولیس کہاں تھی، اس نے بروقت اور موثر مداخلت کر کے امن و امان بحال کیوں نہ کیا؟ میں نے یہ سوال مارشل لاء انتظامیہ کے ایک اعلیٰ افسر کے سامنے اٹھائے تو اس نے کہا: ''حکومت نے جماعتِ اسلامی کو ضروری تحفظ کی پیش کش کی تھی، مگر جماعت نے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہمارے پاس انتظام ہے۔'' اس سے انتظامیہ یہ سمجھی کہ غالباً جماعت یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ اگر عوامی لیگ اپنے بل بوتے پر اتنا شاندار جلسہ کر سکتی ہے تو ہم بھی کسی سے کم نہیں، کیونکہ حکومت کی پناہ تو ہمیشہ کمزور جماعتیں ڈھونڈتی ہیں۔'' میں نے جب یہ بات جماعت کے ایک ہمدرد سے کہی تو اس نے جواب دیا: ''یہ سراسر جھوٹ ہے۔ جماعت نے کوئی پیشکش نہیں ٹھکرائی۔ درحقیقت حکومت اپنی غیر جانبداری قائم رکھنے کے لیے سربام بیٹھی تماشا دیکھتی رہی۔''

جنوری ۱۹۷۰ء کا تیسرا اہم سیاسی واقعہ سنتوش میں کسانوں کی ریلی تھی جس کا اہتمام مولانا بھاشانی کی نیشنل عوامی پارٹی نے کیا تھا۔ اس میں شرکت کے دعوت نامے ان تمام پارٹیوں کو دیے گئے جو سوشلزم میں اعتقاد رکھتی تھی۔ حکومت نے اس ریلی کو کامیاب بنانے کے لیے خصوصی گاڑیاں چلائیں اور جلسہ گاہ تک بجلی پہنچانے کے انتظامات کیے کیونکہ گورنمنٹ ہاؤس

میں بیٹھنے والے بعض سیاسی پنڈتوں کا خیال تھا کہ مجیب الرحمٰن کا اثر زائل کرنے کے لیے نیپ (بھاشانی) کو کامیاب اور فعال بنانا ضروری ہے۔

اس کے باوجود ریلی ناکام ہوگئی۔ ناکامی کی وجہ کسی حریف جماعت کی دخل اندازی کے بجائے اس کا اپنا اندرونی انتشار تھا۔ کئی دنوں کے شور شرابے کے بعد اگر اس تقریب سے کچھ برآمد ہوا تو چند نعرے تھے۔

خون اور آگ...... آگ! آگ! آگ!!!

پرچی یا گولی...... گولی! گولی! گولی!!!

نیپ (بھاشانی) کا انتہا پسند گروپ جس کی قیادت پارٹی کے سیکرٹری جنرل مسٹر طلحہ کے ہاتھوں میں تھی، سرے سے انتخابات میں یقین ہی نہیں رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انتخابات سے حکومت تو بدل سکتی ہے، مگر سماجی و اقتصادی تبدیلی نہیں آسکتی جس کا واحد ذریعہ سرخ انقلاب ہے۔ ایک شام ایک اخبار کے دفتر میں میری ملاقات مسٹر طلحہ سے ہوگئ' وہ نیپ (بھاشانی) سے تازہ تازہ الگ ہوئے تھے' اپنی علیحدگی پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا: ''میں نے پہلے عوامی لیگ کو اس لیے چھوڑا تھا کہ اس میں کوئی انقلابی شعلہ باقی نہیں رہا تھا' چنانچہ میں نے انقلابی نصب العین حاصل کرنے کے لیے نیشنل عوامی پارٹی کی بنیاد رکھی' مگر اب یہ پارٹی بھی اپنے نصب العین سے بھٹک گئی ہے۔ اب اس میں بھی عوامی لیگ کی طرح کوئی چنگاری باقی نہیں رہی۔ میں اپنا آئندہ کا لائحہ عمل انتخابات کے بعد وضع کروں گا۔

ان تین سیاسی پارٹیوں کے علاوہ چند اور سیاسی جماعتیں اور گروہ بھی تھے جن میں کرشک سرامک پارٹی' پاکستان نیشنل لیگ' پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی' جمعیت العلمائے پاکستان اور مسلم لیگ (تین گروہ) شامل ہیں۔ یہ سب سیاسی اکھاڑے میں اترے' مگر افتاں و خیزاں۔

قدریں روندی جارہی تھیں' قومی سالمیت کے منافی نعرہ بازی روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ اس آندھی کو روکنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ حکومت کی گدی پر بیٹھنے والے آندھی سے بے خبر تھے یا دیدہ دانستہ اسے نظر انداز کر رہے تھے۔

سیاسی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد میں اقتصادیات کے وڈیروں اور بنگال کے دانشوروں کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ میرے خیال میں یہ دو طبقے کسی ملک کی سیاسی تقدیر بدلنے میں خاموش' مگر اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تجارتی حلقوں میں مسٹر رحمٰن' مسٹر احمد' مسٹر بھوئیاں اور چند دوسرے حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان کا زورِ بیان اس بات پر ٹوٹتا تھا کہ جناب! مغربی پاکستان میں جتنی ترقی ہوئی ہے' مشرقی پاکستان کے پیسے سے ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں وہ عوامی لیگ کی زیر سرپرستی چھپنے والے لٹریچر کا اکثر حوالہ دیتے جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ پاکستان کی مجموعی آمدنی کا ساٹھ فیصد حصہ مشرقی پاکستان سے حاصل ہوتا ہے' مگر اس پر قومی آمدنی کا صرف بیس فیصد خرچ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مغربی پاکستان قومی آمدنی کا صرف چالیس فیصد کماتا ہے مگر کل آمدنی کا پچھتر فیصد کھا جاتا ہے۔

اعداد و شمار کے علاوہ یہ حضرات بعض عملی دشواریوں کا بھی اکثر ذکر کرتے اور روزمرہ زندگی سے ایسی مثالیں دیتے کہ سارا تجارتی نظام مضحکہ خیز نظر آتا۔ مثلاً وہ کہتے کہ ایک جہاز مشرقِ وسطیٰ سے ربڑ وغیرہ لے کر چٹاگانگ روانہ ہوتا ہے' پہلے سیدھا کراچی جاتا ہے پھر کراچی سے چٹاگانگ آتا ہے جس سے کرایہ بھی بڑھتا ہے اور وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔ اسی طرح فوج کے استعمال میں آنے والی چھل جالیاں (Camouflage Nets) عموماً پٹ سن سے بنتی ہیں۔ پٹ سن فیکٹریاں یہاں ہیں' مگر پہلے یہ تیار شدہ مال رنگائی کے بہانے مغربی پاکستان بھیجا جاتا ہے اور پھر واپس منگوا کر یہاں کے یونٹوں کو دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک مشرقی پاکستان کے لیے مناسب نہیں سمجھی جاتی جب تک اس پر مغربی پاکستان کی قبولیت کی مہر ثبت نہ ہو جائے۔

خواہ یہ تجارتی مال ہو' سیاست دان ہوں یا انتظامیہ کے افسر۔

ذہنی اور فکری محاذ پر بھی کیفیت تشویشناک تھی۔ چند ذاتی تجربے پیش کرتا ہوں۔ پڑھے لکھے لوگوں میں جس شخص سے سب سے پہلے رابطہ قائم ہوا، وہ پاکستان کونسل برائے قومی یکجہتی کی ڈھاکہ شاخ کے ریزیڈنٹ ڈائریکٹر تھے۔ وہ میری خواہش پر مجھے سنٹر کی لائبریری دکھانے لگے۔ چلتے چلتے آرٹ سیکشن کے سامنے رک گئے۔ شیلف سے ایک اعلیٰ طباعت والی خوبصورت کتاب نکالی اور بنگالی لہجے میں نفرت سے کہنے لگے: ''ذرا ملاحظہ ہو، راولپنڈی میں ہمارا ہیڈ آفس ہمیں کیا بھیج رہا ہے؟ یہ قومی دولت کا سراسر ضیاع نہیں تو کیا ہے؟ کیا آپ نے کسی بنگالی شاعر کے بارے میں بھی اس پائے کی کوئی کتاب شائع کی ہے؟'' ان کی برہمی کا باعث مرقع چغتائی تھا جس میں یکتائے روزگار شاعر اسد اللہ خان غالب کے منتخب اشعار کی مصور ترجمانی کی گئی تھی۔

لائبریری کے اس چکر میں وہ ایک جگہ اور رکے اور شیلف کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا: یہ سارا شیلف تمہارے قائدِ اعظم سے متعلق کتابوں سے بھرا پڑا ہے۔ زور ''تمہارے'' پر تھا۔ جس کی چبھن مجھے محسوس ہوئی اور میں ٹیس کو دل میں سمیٹ کر واپس چلا آیا۔

چند روز بعد مجھے فلم سنسر بورڈ ڈھاکہ کی میٹنگ میں ایک اور یادگار تجربہ ہوا۔ یہ میٹنگ بلانے کا مقصد چربہ فلموں کی روک تھا جن کا اکثر مواد فلموں اور ناولوں کی شکل میں کلکتہ سے آتا۔ اس اجلاس میں ڈھاکہ کی فلمی صنعت کے تمام نمائندے یعنی پروڈیوسر' ڈائریکٹر' فنکار اور قلمکار موجود تھے۔ صدر مجلس نے ابتدائی کلمات میں قومی وقار اور اخلاقی اقدار کے نام پر سرقہ اور چربہ کی لعنت ختم کرنے پر زور دیا اور تمام حاضرین سے تعاون کی اپیل کی۔ اس پر فلم انڈسٹری کے بااثر ڈائریکٹر، جو خود اچھے قلمکار بھی تھے' اپنے ساتھیوں کے جذبات کی ترجمانی کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے فرمایا:

''پاکستان کی فلمی صنعت کے بارے میں ایک اعلیٰ سطحی مذاکرہ پہلے بھی یہاں منعقد ہوا تھا جس میں یہاں کی فلمی صنعت کے مفاد میں ایک یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ حکومت اس کی نشوونما کے روایتی سرچشموں میں مداخلت نہیں کرے گی۔ (باقی صفحہ نمبر 46 پر)

پاکستان کے دوست و دشمن کون؟

عامر سلیم خان

یہ تحریر ایک غیرتِ ایمانی رکھنے والے، افواجِ پاکستان سے وابستہ ایک سکیورٹی آفیسر کی ہے، جنہوں نے ایمان کی پکار پر لبیک کہا اور افواجِ پاکستان کو ترک کر کے کاروانِ جہاد میں شمولیت اختیار کی۔(ادارہ)

اگر آپ سے باہر کی دنیا میں کوئی پوچھے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟ تو آپ کا پہلا جواب کیا ہو گا؟ یہی کہ میں پاکستانی ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ آپ کا پہلا جواب ہرگز یہ نہیں ہو گا کہ میں پنجابی، سندھی، بلوچ یا پشتون ہوں۔ ٹھیک اسی طرح آج سے ۴۸ سال پہلے جب کسی بنگالی سے یہ سوال کیا جاتا تو ان کا بھی جواب یہی ہوتا کہ میں پاکستانی ہوں۔ لیکن ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کہ بعد ان کا جواب بدل جاتا ہے اور وہ پاکستانی سے بنگلہ دیشی بن جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟

اپنے مقصد کے ساتھ بے وفائی کا نتیجہ

برِّ صغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پاکستان بنانے کا مقصد کیا تھا؟ ہم سب کو پتا ہے کہ برِّ صغیر کے شرق و غرب کے مسلمانوں نے صرف اس لیے اپنے مال و جان کی قربانی دی کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ ''لا الہ الا اللہ!''۔ لیکن انگریز سے برائے نام آزادی لینے کے فوراً بعد مسلمانوں کی اس عظیم قربانی کے ساتھ حکمران طبقے اور حکمران طبقے پر غالب انگریز کی بنائی ہوئی فوج نے کتنی غداری اور بے وفائی کی، اس کو بیان کرنا اس وقت راقم کا مطمحِ نظر نہیں۔ لا الہ الا اللہ کے نظام کے بجائے جمہوری نظام کا نفاذ کیا گیا، جس پر بھی انگریز کی بنائی ہوئی فوج کو غلبہ حاصل تھا، کہ جب چاہیں خود براہ راست امور سنبھالیں، تو کبھی کٹھ پتلی حکمرانوں اور پارلیمنٹ کے ذریعے معاملات چلائیں۔

نتیجہ کیا نکلا؟ برِّ صغیر میں ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دور بسنے والے مشرقی و مغربی پاکستان کے مسلمانوں کو جس کلمے ، نعرے اور مقصد نے جوڑا تھا اس ظالم فوج اور کرپٹ حکمران ٹولے نے اسی کے خلاف ہر قدم اٹھایا۔ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں فوج کا کردار کیا تھا؟ حمود الرحمان کمیشن رپورٹ دیکھ لیجیے۔ بدکاریاں، شراب نوشیاں، مال و جائیداد کے حصول کی حرص اور ان سب عیاشیوں کو پانے کے لیے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھانا۔ یہ ہیں 'ہمارے' فوجی 'بھائیوں' کے کرتوت......اور جب اس ظلم کے خلاف مظلوم عوام آواز اٹھائے یا اپنے بچنے کی کوئی تدبیر کرے تو وہ انڈیا کے ایجنٹ۔

جمہوری کھیل تماشے سے معاملہ خراب ہوتا ہے، مجیب الرحمان کی واضح جیت کو فوج و مغربی پاکستان کا حکمران ٹولہ پسند نہیں کرتا، بنگال کے عوام احتجاج کرتے ہیں تو اپنی فوج کا بنگالی عوام کے خلاف آپریشن سرچ لائٹ کا آغاز ہوتا ہے۔ قصابِ بنگال اور قصابِ بلوچ کے القابات پانے والا جنرل ٹِکا خان فوج کو آرڈر دیتا ہے کہ '' مجھے زمین چاہیے، نہ کہ عوام!''۔ میجر جنرل فرمان کو دیکھیے کیا لکھتا ہے کہ ''ہم بنگال کی ہری زمین کو سرخ میں تبدیل کر دیں گے''۔ یہ اپنے عوام کے ساتھ اس فوج کا رویہ کل بھی تھا، آج بھی ہے۔ لیکن جب انڈیا میدان میں آتا ہے اور پناہ گزین بنگالی عوام میں مکتی باہنی گوریلا موومنٹ کی حمایت کرتا ہے تب پاکستانی فوج کی بہادری کی حقیقت سامنے آتی ہے۔ ۳دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنرل یحییٰ خان پاکستان ایئر فورس کو آرڈر دیتا ہے کہ انڈیا کی ایئر بیسوں کو نشانہ بنایا جائے اور یوں آپریشن چنگیز لانچ کر کے پاک بھارت جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے سے تیار انڈیا کی افواج کا ردِ عمل آتا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مقابلہ قوت کا قوت کے ساتھ ہے اور اس میں انڈیا کو برتری حاصل ہے۔ جبکہ مسلمان تو ایمان کی قوت کے ساتھ میدانِ جنگ میں اترتا ہے۔ ایمان نہ ہو تو پھر کیا ہوتا ہے؟ آیئے جنگ کے نتائج سے اندازہ لگاتے ہیں۔

مغربی پاکستان کے بارڈر پر پاکستانی آرمی نے پیش قدمی کرنی چاہی، لیکن انڈین آرمی نے جلدی سے ردِ عمل دکھا کر نہ صرف پیش قدمی کو ناکام بنایا بلکہ کشمیر، پنجاب اور سندھ کے پاکستانی علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب بھی ہوئی [جس کا رقبہ پندرہ ہزار دس (۱۵۰۱۰) مربع کلومیٹر ہے]۔ اس مقبوضہ پاکستانی زمین سے (۱۳۰۰۰ مربع کلومیٹر) شملہ اگریمنٹ ۱۹۷۲ء میں نیک جذبات (بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی شرط پر) کے تحت پاکستان کو واپس دی گئی۔ باقی پر ہندوستان نے قبضہ جمائے رکھا۔ جب کہ مشرقی پاکستان پورا کا پورا ہاتھ سے چلا گیا۔ اسی طرح پاکستان آرمی نے اپنی ایک تہائی تعداد بھی کھودی۔

ائیر فورس پہلے حملے کے بعد انڈین ائیر فورس کی جوابی کارروائی کے سامنے بالکل بے بس ہو گئی۔ مغربی پاکستان میں ائیر فورس کو یہ کام دیا گیا کہ انڈین ائیر فورس کے حملوں کا دفاع کیا جائے۔ جبکہ مشرقی پاکستان میں ٹیکنیکل سٹاف کی بغاوت کی وجہ سے تقریباً تمام ہوائی اڈے (air bases) جنگ شروع ہوتے ہی ڈی کمیشن[1] حالت میں چلے گئے تھے۔ غیر جانب دار ذرائع کے مطابق پاکستان کے ۷۵ جنگی طیارے اور انڈیا کے ۴۵ جنگی طیارے جنگ میں تباہ ہوئے۔ انڈین ائیر فورس نے کراچی کے آئل ٹرمینلز اور کوسٹل سٹیشن (coastal station یعنی ساحلی مرکز) کو کامیابی سے نشانہ بنایا، جس کی وجہ سے پاکستان میں تیل کی قلت پیدا ہو گئی۔ اس جنگ میں پاکستان نے ایک چوتھائی تعداد ائیر فورس کی کھودی۔

---

[1] Decommission، یعنی فوجی خدمت سے فراغت

پاکستان نیوی کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ تقریباً آدھی نیوی اس جنگ میں کام آئی۔ دو جنگی بحری جہاز (destroyers)ڈیسٹرائیرز (خیبر اور شاہ جہان) جس میں سے ایک کو دشمن جبکہ دوسرے کو اپنی ایئر فورس کے جہاز نے فرینڈلی فائر کرکے میزائیل سے نشانہ بنایا۔ ایک آبدوز (غازی)، ایک مائن ناکام بنانے والا جہاز (minesweeper)، تین گشتی کشتیاں (patrol boats) اور سات توپ دار کشتیاں (gunboats) جنگ کی نذر ہوئیں۔ نیز انڈیا نے مشرقی و مغربی دونوں طرف پاکستان کے سمندری راستوں کو بلاک کیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے سامان اور تیل دونوں کی رسد منقطع ہو گئی تھی۔ پاکستان نیوی کی آبدوز (ہنگور) نے بحرِ ہند میں ایک انڈین بحری جنگی جہاز (کھوکڑی) کو نشانہ بنایا۔

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو آخر کار پاکستانی فوج ۹۳۰۰۰ کی تعداد میں ڈھاکہ کے رمنا ریس کورس میں لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کی قیادت میں انڈین فوج کے سامنے، جس کی قیادت لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کر رہا تھا، ہتھیار ڈال دیتی ہے اور وہ جنگ، جس کو خود انہوں (پاکستانی فوج) نے شروع کیا تھا، ۱۲ دن کے مختصر عرصے کے بعد ہار کر مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیتی ہے۔ یوں دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔

یہاں پر پاکستان میں اسلامی نظام کے مخالفین سے ایک سوال کرتا ہوں۔ جس لا الٰہ الا اللہ نے سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان، مہاجر، بہاری اور بنگالی اقوام کو برِّصغیر کے اہلِ کفر کے سامنے یکجا کیا تھا، اس کلمے کو، اس دین کو چھوڑ کر ہمیں کیا ملا؟ کیا ہم نے مقصدِ پاکستان (لا الٰہ الا اللہ) کو چھوڑ کر پاکستان کو نقصان پہنچایا یا فائدہ؟ آج اگر کشمیر میں "کشمیر بنے گا دارالاسلام" کا نعرہ "کشمیر بنے گا پاکستان" کی جگہ لے رہا ہے تو آخر کیوں؟ اگر پاکستان میں اسلامی نظام ہوتا تو کیا ہمارے کشمیری بھائی یہ نعرہ لگاتے؟ کیا اب بھی وقت نہیں کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ ہماری بقا، ہماری عزت، اور ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اپنے مقصد، پاکستان کا مطلب کیا......لا الٰہ الا اللہ کی طرف رجوع کریں اور پاکستان میں صحیح معنوں میں اسلامی نظام نافذ کریں؟

پاکستان کے دوست و دشمن کون؟

حمود الرحمان کمیشن رپورٹ (جس کے بارے میں غیر جانب دار ذرائع کا کہنا ہے کہ اس رپورٹ میں بھی بہت سارے فوجی جرائم پر پردہ ڈالا گیا ہے) کے مطابق سقوطِ ڈھاکہ کے اصل ذمہ دار پاکستانی فوج کے وہ جرنیل ہیں جو عیاشیوں میں مگن تھے اور بنگالی مسلمانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ کمیشن نے حکومت کے سامنے کئی سفارشات رکھیں۔ جن میں ایک سفارش اس بدبخت جرنیل ٹولے (یحییٰ خان، نیازی، ٹکا خان، جمشید، عبد الحمید خان وغیرہ) کی پبلک ٹرائل اور کورٹ مارشل (جو کہ اس جرمِ عظیم کے مقابل بہت ہی کم سزا ہے) کی بھی تھی، جس پر بھی عمل نہ ہو سکا۔

آج بھی پاکستانی فوج کا اعلیٰ طبقہ ہی ہے جو پاکستان کو مزید توڑنے (حالانکہ ان کا دعویٰ حب الوطنی کا ہے) کے درپے ہے۔ کشمیر، جس کو یہ اپنی شہ رگ کہتے تھے، بھارت کے سپرد کس نے کیا؟ کون ہے جس نے بھارت کو اجازت دی کہ بارڈر پر باڑ لگائی جائے؟ بلکہ اب تو بھارت نے سرکاری طور پر گلگت بلتستان اور میرپور و مظفر آباد کو بھی اپنے نقشے میں شامل کر دیا ہے۔ ہندوستان کھلم کھلا مسلمانوں پر ظلم کر رہا ہے، کشمیر میں تاریخ کا بدترین کرفیو نافذ کرکے اپنے جابرانہ فیصلے بزور قوت منوائے گئے ہیں۔ بابری مسجد کو رام مندر بنانے کی جرأت کی گئی ہے، اور ادھر ہمارے ڈی جی آئی ایس پی آر صاحب کی ٹویٹ آتی ہے کہ "ہمیں اسلاموفوبیا کو ختم کرنا ہوگا"۔ کون ہے جس کی وجہ سے کشمیری نوجوانوں نے پاکستانی فوج کو محسن کہنا چھوڑ دیا ہے؟ کون ہے کہ جس کے مظالم کی وجہ سے پی ٹی ایم اور بی ایل اے بنتی ہے[1]؟

پاکستان کے دوست وہ لوگ ہیں جو آج بھی اسی کاز کے لیے قربانی دے رہے ہیں جس کے لیے یہ ملک بنایا گیا تھا کہ پاکستان کا مقصد کیا لا الٰہ الا اللہ۔ یہ مجاہدین، یہ علمائے کرام یہ مسلمان عوام جو یہاں اسلامی نظام کی بہاریں دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کاز کی خاطر جان و مال کی عظیم قربانیاں دے رہے ہیں، یہی پاکستان کے، پاکستان کے بننے کے مقصد کے اور پاکستان کو متحد رکھنے کے اصل خواہشمند ہیں۔

جہاں تک فوجی جرنیلوں اور ان کے کٹھ پتلی حکمران ٹولے کی بات ہے تو ان کے کرتوت ہی اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ اس ملک، اس ملک میں بسنے والی عوام اور اس ملک کے مقصد (لا الٰہ الا اللہ) کے دشمن ہیں۔ سوات سے وزیرستان تک جہاں بھی کسی نے مقصدِ پاکستان (لا الٰہ الا اللہ) کی صدا لگائی ہے، اس فوج نے اس کے خلاف بدترین تشدد کا استعمال کیا ہے۔ مقصدِ پاکستان (لا الٰہ الا اللہ) کے خواہش مندوں کو لاپتہ کرنا، ان کو شہید کرنا، ڈرل مشینوں سے ان کے جسموں میں سوراخ کرنا، ان کی لاشوں کو سڑکوں پر پھینکنا، علمائے حق کے خون سے اپنے دامن تر کرنا، کشمیری مسلمانوں سے دھوکہ کرنا، لال مسجد سے لے کر سوات و وزیرستان تک مساجد کو مسمار کرنا (دوسری طرف دشمنانِ کشمیر، ہندوستانی سکھوں کے لیے گردوارے میں آنے کے لیے بارڈر کھولنا) یہاں تک کہ مقصدِ پاکستان (لا الٰہ الا اللہ) کی صدا اگر جامعہ حفصہ کی طالبات نے بھی لگائی تو ان کو بھی فاسفورس بموں سے جلانا جس فوج کا کام ہو، تو آپ خود فیصلہ کیجیے کہ اس فوج اور فوجی جرنیلوں سے بھی کوئی بڑا دشمن پاکستان ہو سکتا ہے؟

[1] ہم ان تنظیموں کے قوم پرستانہ ایجنڈوں کی حمایت نہیں کر رہے بلکہ ظلم کے ردِّ عمل میں ان کی تاسیس کا ذکر کر رہے ہیں۔

دعوت کا اسلوب اور منہجِ جہاد کی حفاظت و فروغ

(بالخصوص انٹرنیٹ اور بالعموم سب داعیانِ جہاد کو مخاطب تحریر)

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

داعیانِ جہاد کی خدمت میں گزارشات

امورِ دعوت کی طرف لوٹتے ہیں اور دعوت و اعلام کے میدان میں مشغول بھائیوں کی خدمت میں یہاں چند گزارشات رکھتے ہیں۔ اللہ سے امید ہے کہ یہ نکات منہجِ جہاد کے فروغ و تحفظ میں معاون ہوں گے اور اہلِ جہاد کی حفاظت کے بھی ان شاءاللہ کام آئیں گے:

۱. دعوت کے میدان میں تحریکِ جہاد محض سیاسی تحریک کی شکل کبھی اختیار نہ کرے کہ یہ ایک طبقۂ حکومت کو ہٹانے اور ایک دوسرے کو قوت و اختیار دلوانے کی محض ایک سیاسی جدوجہد ہو۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور یہ تب ہی جہاد و عبادت رہ سکتا ہے جب اس کے ہر پہلو میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ ایک زندہ تعلق اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی کوشش ہو۔ پس اللہ کے ساتھ یہ تعلق اور سنت رسول ﷺ کے ساتھ یہ لگاؤ ہماری دعوت، اعلام اور دیگر اعمالِ جہاد کے ہر گوشہ میں واضح نظر آنا چاہیے۔

۲. داعیٔ جہاد صرف فکری موضوعات کو زیرِ بحث نہ لائے۔ قلب و روح کو پاکیزہ رکھنا اور اخلاق و کردار کو سنت نبوی ﷺ میں ڈھالنا بھی انتہائی اہم ہے، یہ بھی دعوت کے بنیادی اہداف ہیں۔ لہٰذا داعیٔ جہاد کو تزکیہ و احسان اور سیرت و اخلاق بہتر بنانے کے موضوعات کو بھی دعوت کا مستقل حصہ رکھنا چاہیے۔ اس سے خود داعی کو بھی فائدہ ہو گا اور اس کے مخاطبین کو بھی۔ اگر یہ اہتمام نہ ہو تو دل سخت ہو جاتے ہیں اور قلب کی یہ قساوت پھر زبان کی سختی اور کردار کی ایسی بدصورتی میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ جس سے داعی خود بھی تباہ ہو جاتا ہے اور دعوت و جہاد کو بھی وہ نقصان پہنچاتا ہے۔

۳. گو کہ قول اور فعل دونوں ہی کی درستی کے لیے علمِ شرعی کا ہونا ضروری ہے، مگر دعوت کا معاملہ ایک پہلو سے زیادہ حساس ہے اور وہ اس طرح کہ اس میں دوسروں کو بھی ایک خاص فکر و سعی کی طرف بلایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دعوت کے لیے درست علم کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے (انٹرنیٹ پر) دعوتِ جہاد کا محاذ جن بھائیوں نے سنبھالا ہوا ہے، انہیں علمِ دین اور فہمِ جہاد بڑھانے اور اسلوبِ دعوت بہتر کرنے کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ ان امور کے لیے دیگر اہلِ علم کے علاوہ تحریکِ جہاد کے معتمد علماء کرام اور ان کی کتب کی طرف رجوع ضروری ہے۔ بہتر ہو گا کہ دعوت و اعلام کا پورا کام اہلِ علم ہی کی نگرانی میں ہو، اس لیے کہ سطحیت کے سبب بے کار اور غلط بحث و مباحثہ تو ہو سکتا ہے مگر مطلوب و مفید دعوت نہیں دی جا سکتی۔ داعیٔ جہاد کے لیے کم از کم یہ تو بہر صورت لازم ہے کہ جس موضوع پر اس نے بات کرنی ہو، اس کے فرائض و مستحبات اور اصول و آداب کا اُسے علم ہو۔

۴. دعوت میں درشتی، لعن طعن، غلط القابات اور ہر طرح کی بدزبانی سے مکمل طور پر پرہیز ہو۔ ضروری ہے کہ داعی کی گفتگو شائستگی، نرمی اور دل و ذہن کو کھینچنے والے دلائل اور اسلوب کی آئینہ دار ہو۔ مدِ نظر رہے کہ دعوت میں جن کے ساتھ بحث و مجادلہ چل رہا ہو، صرف وہ افراد ہی دعوت کے مخاطبین نہیں رہتے، مخاطبین وہ سامعین و قارئین بھی ہوتے ہیں جو ہوتے تو غیر جانبدار ہیں مگر وہ فریقین کے دلائل اور اسلوب کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر تو صبر اور اخلاق کا دامن نہ چھوٹے اور داعی بس مبنی بر دلیل گفتگو ہی کرے تو اِن غیر جانبدار افراد پر بھی اثر ہوتا ہے اور اللہ کے اذن سے ان میں سے بھی کئی دعوت کے حامی بن جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا اسلوب مشروط قطعاً نہ ہو کہ مخالف نرم ہو تو ہم بھی نرم... اور وہ اگر دائرۂ اخلاق سے نکلتا ہے تو ہم بھی اس کے اندر نہیں رہیں گے۔ مخالف کی مخالفت برائے مخالفت اور ضد و ہٹ دھرمی کے مقابل بھی ہمارے لیے بہر حال بداخلاقی سے بچنا لازم ہے۔

۵. داعیٔ جہاد پر خواہشِ نفس، نری جذباتیت، غصہ اور انتقامی نفسیات کبھی حاوی نہ ہوں۔ اس کا پورا دعوتی عمل عقل و حکمت، علم و عدل اور اہلِ خیر کی باہمی مشاورت کے تحت ہو۔ وہ پہلوان نہیں کہ مخاطب کو پچھاڑتا ہو۔ داعی تو وہ حکیم ہوتا ہے جس کو ہر وقت فکر لاحق رہتی ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی کے سبب مریض کے مرض میں اضافہ نہ ہو جائے۔ وہ علم و حکمت سے کام لیتا ہے اور مسلسل اس کوشش میں رہتا ہے کہ کسی طرح مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر اس میں اپنی بات اتار دے۔

۶. داعی کو مخاطب کے قلب اور ذہن دونوں کو مائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی گفتگو مدلل بھی ہو جو عقل کو مخاطب کرے اور ساتھ ہی وہ دل کی تاروں کو بھی چھیڑنے والی ہو جو جذبات و احساسات کو ابھارے۔ ہر وقت اور سب کے سامنے صرف عقلی باتیں مؤثر نہیں ہوتیں اور ہمیشہ سب مخاطبین کے لیے جذباتی اسلوب بھی مفید نہیں رہتا۔ داعی کو حکمۃ اور موعظۃ حسنۃ دونوں سے کام لینے کا امر ہے۔ حکمت سے مراد وہ اسلوب و انداز ہے جو عقل کو اپیل کرے جبکہ موعظہ حسنۃ اس بیان کو کہتے ہیں جو دل پر اثر ڈالے۔

۷. عوام کے سامنے ہمارا خطاب قوی ہو، کمزور نہ ہو، یعنی ایسا بیان ہو کہ جو نجات و فلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہو اور ضعف و ذلت سے چھٹکارے کا باعزت راستہ دکھاتا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ کوشش بھی ہو کہ مخاطب کو ہمارے اس بیان و انداز میں عُجب و کبر کا شائبہ تک نہ ملے بلکہ اُسے اس میں اپنے لیے شفقت اور تواضع ہی محسوس ہو۔

۸. ہمارے ساتھ اختلاف رکھنے والے اہل دین کے نام دعوت میں درد، سوز، ہمدردی اور خیر خواہی کا غلبہ ہو۔ تحقیر و تکفیر، طنز و تشنیع اور سبّ و شتم سے مکمل طور پر اجتناب ہو۔ دعوت کا یہی اسلوب عوام کے سامنے بھی ضروری ہے۔

۹. داعی مدارات اور مداہنت کے درمیان فرق جانتا ہو اور ان دونوں کو جدا کرنے والی سرحد پر اس کی نظر بھی ہو، یعنی ضروری ہے کہ اس کی دعوت پر نرمی تو غالب ہو، مگر اس نرمی میں کسی ناحق کو وہ کبھی حق نہ کہے، بلکہ تمام تر نرمی اور لحاظ کے باوجود بھی وہ حق کو حق اور باطل کو باطل ہی کہتا ہو۔

۱۰. نظامِ کفر، اس کی قیادت اور اس کی حفاظت کرنے والی افواج کا شرعی حکم اور دیگر کفریہ اعمال کی تفصیل سمجھنا اور دوسروں کو یہ سمجھانا یا اس دائرے میں تنبیہ کرنا ایک موضوع ہے، اور اس کو معتمد علماء کرام کی کتابوں کی روشنی میں (ایک خاص سطح پر) دعوت کے اندر رکھنا چاہیے تاکہ ان اعمال کی سنگینی و خطرناکی کا بھی احساس ہو اور نظامِ کفر سے کماحقہ دشمنی و نفرت بھی دلوں میں راسخ ہو... لیکن تعین کے ساتھ افراد کی تکفیر کرنا دوسرا موضوع ہے اور یہ ایک طرح سے قضا کا معاملہ ہے جو رسوخ فی العلم رکھنے والے متقی، فہیم اور معتمد علماءِ کرام پر چھوڑنا ضروری ہے۔ تکفیرِ معیّن کے متعلق زبان کھولنے میں واجب ہے کہ بس مذکورہ علماء کرام ہی کی پیروی ہو اور خود سے کسی خاص فرد یا گروہ کو کافر نہ کہا جائے۔ اگر اس معاملے میں احتیاط نہ برتی جائے تو خود اپنے ایمان کے لیے یہ رویہ خطرناک ثابت ہوتا ہے اور دعوت و جہاد میں بھی اس کے سبب بہت بڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔

۱۱. اہلِ دین میں، سیاسی مذہبی جماعتوں اور دیگر اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ تعامل میں یہ اہم اصول ہمارے سامنے ہو کہ ان کے اچھے کاموں کی تعریف و حوصلہ افزائی ہو جبکہ غلطیوں پر نقد و نصیحت ہو، خفیہ غلطیوں پر خفیہ نصیحت اور علانیہ پر علانیہ نصیحت۔ ان جماعتوں اور طبقات کی کوتاہیوں اور غلطیوں کے سبب ان کے اچھے اور نیک کاموں کا انکار بالکل نہ ہو۔ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا عدل ہے اور مجاہد داعی کے لیے اس عدل کا دامن تھامنا دوسروں سے زیادہ ضروری ہے۔ یہ طرزِ عمل ہو گا تو ایک تو ہم خود ظلم سے بچیں گے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا حاصل ہو گی اور دوسرا یہ کہ ان کی اچھائیوں کا جب اعتراف اور حوصلہ افزائی ہو گی تو یہ تعصب کا شکار نہیں ہوں گے اور ان کے دل ان شاء اللہ حق کے لیے کھلیں گے۔[1]

۱۲. دعوت میں یہ تذکیر کراتے رہنا چاہیے کہ ہم ہدایت کی طرف بلانے والی تحریک ہیں، لوگوں کی صلاح و فلاح کے لیے ہم اٹھے ہیں اور ہمارا ہدف بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے رب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت و رحمت میں لانا ہے۔ اپنے تعارف کا ذریعہ چند سزاؤں کے نفاذ کو ہم نہ بنائیں اور نہ ہی دوسروں کی زبانی ہم اپنا یہ تعارف قبول کریں۔ یہ سزائیں بھی ہم نافذ کریں گے کہ یہ شریعت کا اہم حصہ ہیں اور اس کی بیش بہا برکات ہیں مگر سزاؤں کا نفاذ ہی پوری شریعت قطعاً نہیں ہے۔ شریعت میں خدا خوفی کا تصور زندہ رکھنا، عدل و احسان، عفت و حیا کا فروغ، مساوات و خدمتِ خلق، اسلامی معاشرت و معیشت کا احیاء، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ناداروں اور مسکینوں کے لیے زکوٰۃ و صدقات کا نظام اور حدود اللہ کے نفاذ سمیت کئی دیگر اہم امور بھی ہیں۔ سزائیں تو صرف مجرمین کو دی جاتی ہیں اور ایک معاشرہ جس کی معیشت و معاشرت اسلام پر قائم ہو، اس میں کتنے جرائم وقوع پذیر ہوتے ہیں؟ دوسری طرف اس معاشرت و شریعت کا فائدہ کتنے لوگوں کو ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی تناسب ہی نہیں ہے۔ ایک استثنائی عمل سے، جس سے کروڑوں کی قوم میں سے چند افراد اپنی ہی غلطی کے سبب گزرتے ہیں، کیا کسی نظام کا تعارف کرایا جاسکتا ہے؟ نہیں، بلکہ جو امور اکثر اور غالب ہوں، وہی پہچان کا ذریعہ بنتے ہیں۔ نفاذِ شریعت / اقامتِ دین کے جو بے شمار فوائد، اعلیٰ ترین محاسن اور ان گنت برکات ہیں، چونکہ وہ ایسی عام، ہمہ گیر اور دور رَس ہیں کہ ان سے پوری انسانیت مستفید ہوتی ہے، اس لیے ان کے ذریعے ہی ہم اپنا تعارف کرائیں۔ نظامِ باطل میں مجرمین کے لیے کیا کیا سزائیں نہیں ہیں؟ مگر کیا اس کے داعی اس کی پہچان ان سزاؤں کی بنیاد پر کراتے ہیں؟ نہیں! اس کے لیے وہ سزاؤں کا نہیں، نام نہاد فوائد کا اشتہار لگاتے ہیں۔

۱۳. دعوت میں تدریج اور "الأهم فالأهم"، یعنی پہلے سب سے زیادہ اہم بات اور اس کے بعد دوسرے درجہ کی اہم بات کرنے کا اصول مدِ نظر ہو۔ کم اہم بات پر اگر ہم پہلے زور دیں جبکہ زیادہ اہم بات ابھی نہیں کی ہو تو اس سے دعوت کا اثر کم ہو جاتا ہے یا مخاطب غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً فوج کے ساتھ وجہِ عداوت جب بتانی ہو تو سب سے بڑا جرم اس کا نظامِ کفر و ائمۂ کفر کی حفاظت و دفاع ہے، اللہ کی جگہ روپے پیسے کی بندگی ہے اور اس غلامی میں ہر طرح کا ظلم و جبر روا رکھنا ہے۔ اب اگر ڈھول کی تھاپ پر سپاہیوں کے ناچنے کو ہی پہلا جرم بتایا جائے اور

---

[1] شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ دینی جماعتوں کے ساتھ تعامل کے اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الف: جن امور میں ہمارے مابین اتفاق ہو ان میں ہم ایک دوسرے سے تعاون کریں اور جن میں اختلاف ہو ان میں ایک دوسرے کو نصیحت کریں۔ ب: ہمارا اولین معرکہ اسلام کے دشمنوں اور اسلام سے مخاصمت رکھنے والے عناصر کے خلاف ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ ہمارا دینی جماعتوں کے ساتھ اختلاف، عسکری، دعوتی، فکری اور سیاسی سطح پر دشمنانِ اسلام سے رخ پھیرنے کا سبب بن جائے۔ ج: دینی جماعتوں کی طرف سے صادر ہونے والے ہر صحیح قول و فعل پر ہم ان کی تائید کریں اور ان کا شکریہ ادا کریں اور ان سے صادر ہونے والی ہر خطا پر انہیں نصیحت کریں، پوشیدہ خطا پر پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور اعلانیہ خطا پر اعلانیہ طریقے سے نصیحت۔ نیز اس بات کا اہتمام ہو کہ اخلاق سے گرا ہوا انداز اختیار کرنے اور شخصی حملے کرنے سے اجتناب کیا جائے اور باوقار علمی انداز میں دلائل بیان کیے جائیں کیونکہ قوت دلیل میں ہوتی ہے کردار کشی یا ہجو میں نہیں!" (توجيهات عامة للعمل الجهادي)

اس پر تفصیلی گفتگو ہو تو مخاطب جہاد کا سبب سپاہیوں کا بھنگڑا ہی سمجھے گا۔ ناچنے گانے یا سپاہیوں کو داڑھیاں منڈوانے جیسے گناہوں پر مجبور کرنے جیسے جرائم پر بھی بات ہونی چاہیے، مگر اس کا اپنا محل ہو... اسی طرح ایک شخص نماز نہیں پڑھتا اور وہ جہاد بھی نہیں کرتا۔ ایسے فرد کو جہاد کی دعوت دینا اہم ہے یا نماز کی؟ ظاہر ہے نماز زیادہ اہم ہے اور اس کے لیے بھی پہلے زندگی بعد الموت اور آخرت کی فکر پیدا کرنا اہم ہے، لیکن اگر یہ سب کیے بغیر بس جہاد کی فرضیت اور اس میں نہ نکلنے کی وعید سے ہی بات ہو، تو اُس پر کیونکر اثر ہوگا؟

۱۴. گفتگو کا آغاز اختلافی امور سے نہ ہو، بلکہ ضروری ہے کہ اتفاقی امور سے بات شروع ہو۔ مخاطب جن امور کو حق اور باعثِ خیر سمجھتا ہو، بالخصوص جن کا وہ خود مدعی ہو، ان کا اعتراف ہو اور حوصلہ افزائی بھی۔ ان اتفاقی امور کو بنیاد بنا کر پھر اُن نکات پر بات ہو جن کی طرف بلانا مقصود ہے اور جن پر اختلاف کا امکان ہو۔ اگر آغاز میں ہی اختلافی بات ہو، بالخصوص اپنوں کے سامنے، تو مخاطب کے لیے دعوت سمجھنا اور سننا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تمام حساس نکات پر بات ایک مجلس اور ایک نشست میں نہ ہو، دعوت میں تدریج ہو اور مخاطب کے ہاضمے، ٹمپریچر اور طبیعت کو دیکھتے ہوئے خوراک دینی چاہیے۔

۱۵. مخاطب کی مخالفت پر صبر اور اس کے شرعی حقوق نظر انداز نہ کرنا... پھر زیادتی سے بچنا اور آگے بڑھ کر اچھائی کرنا احسان ہے۔ جس قدر تقویٰ اور احسان کا معاملہ ہوگا اُسی قدر مخالف کا دل دعوت کے لیے کھلے گا، یا دوسری صورت میں اُتنا آپ کی دعوت دلیل اور حجت کے میدان میں غالب ہوگی۔

۱۶. جہادی میڈیا میں دعوت کا اسلوب عوامی ہو۔ چونکہ ہمارے مخاطبین میں اکثریت عوام کی ہے، اس لیے ہمارا کلام بھی ان کے فہم کے مطابق ہو، ان کی سطح سے اوپر بالکل نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ مجاہدین خواص کو خطاب نہ کریں، انہیں بھی خطاب ہو اور وہ ان کے ذوق کے مطابق ہو مگر عمومی دعوت پر عوام کی فکری سطح کی رعایت ہی غالب ہونی چاہیے۔

۱۷. جہادی میڈیا اور دعوت میں کوئی بھی غیر شرعی ذریعہ استعمال نہ ہو۔ مقاصد و ذرائع دونوں میں شریعت کی جتنی اتباع ہوگی اسی قدر اللہ کی مدد شاملِ حال ہوگی اور دعوت بابرکت رہے گی۔ یہ یقین ہو کہ جو امور شریعت میں منع ہیں، ان سے دعوت کو کبھی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں جھوٹ و فریب سے مکمل طور پر اجتناب ہو۔ شریعت نے اس کی جس دائرے میں اجازت دی ہے وہ میدانِ دعوت نہیں، میدانِ جنگ ہے، لہٰذا اس کو بطور استثناء رکھتے ہوئے عمومی دعوت میں اس سے بالکل گریز کیا جائے۔ اس سے متصل گزارش یہ بھی ہے کہ ہمارے اعلام میں ایسے مبالغوں سے بھی اجتناب ہو جن کے حقائق تصدیق نہیں کرتے ہوں۔ اس قسم کے مبالغوں کے سبب نقصان خود اپنی دعوت کو پہنچتا ہے اور ہماری دعوت میں موجود صدق اور حقائق بھی الٹا مشکوک ٹھہرتے ہیں۔

۱۸. جس طبقہ سے کلام کرنا ہو اپنے آپ کو ان کے بیچ انہی کا ایک فرد تصور کرنا چاہیے، اس کے برعکس مخاطبین کی ذہنیت، جذباتی کیفیت اور احوال جانے بغیر ہی اگر انہیں دعوت دی جائے تو نہ تو وہ بات سمجھیں گے اور نہ ہی ان کے دل اس دعوت کے لیے کبھی کھل سکیں گے۔ مریخ پہ بیٹھا فرد مریخ ہی کے احوال میں ڈوب کر اگر زمین والوں کے مسائل کا حل بتا رہا ہو تو زمین والے کیونکر اس کی بات کو قابلِ اعتناء سمجھیں گے؟ ضروری ہے کہ عین اُس زاویہ سے حالات کو آپ بھی سمجھیں جس سے مخاطبین اپنے مسائل کو دیکھتے ہوں۔ اُن رکاوٹوں اور مجبوریوں کا آپ کو بھی احساس ہو جو مخاطبین اپنے سامنے کھڑی محسوس کرتے ہوں۔ اس احساس و نظر کے بعد ہی پھر اُس امر کی دعوت ہو جو مطلوبِ شریعت بھی ہو اور قابلِ عمل بھی۔ مرض کی تشخیص اور اس کے اسباب جانے بغیر ہی اگر کوئی دوا پر دوا دیتا جائے تو یہ علاج کیونکر کامیاب ہوگا اور مریض ایسے فرد کو اپنا معالج کیسے قبول کرے گا؟ داعی لوگوں کے بیچ ہو اور ساتھ میں وہ بیدار بھی ہو تو وہ جان لیتا ہے کہ کس وقت کیا بات اثر ڈالتی ہے؟ مخاطبین کے چہروں کا بدلتا رنگ ہی اُسے بہت کچھ سمجھا دیتا ہے۔ لیکن میلوں دور انٹرنیٹ پر بیٹھے مخاطبین جب نظر بھی نہ آتے ہوں اور داعی ان کے احوال و ردعمل سے لاپرواہ بس اپنے جذبات میں اتر کر بات کرتا ہو تو ایسی دعوت کا اثر کم ہی مثبت ہوتا ہے۔

۱۹. اہتمام ہو کہ دعوت میں ہمارا دشمن بس نظامِ کفر، اس کی قیادت اور ان کے مسلح محافظین ہوں، انہی کے خلاف جہاد و قتال کی تحریض ہو۔ اسی طرح لادینیت (سیکولرازم) کا پرچار کرنے والے بھی ہمارے اصل حریف ہوں۔ جہاں تک اُن علماء اور اہل دین کا تعلق ہے جو ہمارے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں، تو انہیں ہم اپنی عداوت کا نہیں، بلکہ دعوت کا ہدف رکھیں۔

۲۰. دعوت میں جہاد فی سبیل اللہ کا بنیادی مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ یعنی مطمحِ نظر یہ ہو کہ فرد سے معاشرہ اور معاشرے سے حکومت تک اطاعت کا پورا نظام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے خاص ہو جائے۔ جہاں تک مظلوموں کی نصرت اور زمین کی آزادی کا تعلق ہے، تو یہ بھی مقاصدِ جہاد ہیں اور ان کا ذکر بھی ہوتا رہنا چاہیے، مگر یہ سب اس اساسی مقصد غلبۂ دین (نفاذِ شریعت) ہی کے تابع ہیں۔

۲۱. اسلامی مقبوضات اور بالخصوص بیت المقدس اور حرمین کی آزادی کو دعوت کے بنیادی نکات کے طور پر رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح فلسطین پر یہود کے قبضہ میں امریکہ و طواغیتِ عرب کا کردار واضح کرتے رہنا اور اس ضمن میں پھر امریکہ دشمنی اور اس کے خلاف دنیا بھر میں کارروائیوں کی تحریض کو بھی حصہ دینا چاہیے۔ کشمیر امت مسلمہ کا رِستا زخم ہے۔ اس لیے

جہادِ کشمیر کی بھی دعوت ہو اور اس میں اسے ایجنسیوں کی ماتحتی سے نکالنے[1] اور نفاذ شریعت کے مقصد کے تابع کرنے کی کوشش ہو[2]۔ امارتِ اسلامی افغانستان کی مدد و نصرت تو بہر حال دعوت کا بنیادی اور اہم حصہ ہو۔

۲۲. دعوت میں تحریکِ جہاد کے دشمنوں کی تعداد کم کرنے اور بڑے دشمن (نظامِ کفر کے سرداروں اور محافظین) کے خلاف امت کو اکٹھا کرنے کی سعی ہو۔

۲۳. پاکستان میں جہاں تک دعوتِ قتال کی بات ہے تو یہ صرف ملکی طواغیت (فوج و حکمرانوں) کے خلاف قطعاً نہ ہو۔ ان کے خلاف بھی ہو اور آج کے حالات میں یہ لازم ہے، مگر صرف ان کے خلاف نہ ہو[3]۔ ضروری ہے کہ اولاً یہ اُن ائمۂ کفر کے خلاف ہو جن کے ظلم و کفر اور مسلم دشمن ہونے پر مسلمان عوام پہلے سے متفق ہیں۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے مطابق، جس دشمن کا کفر واضح ہو، عام مسلمان اس کے خلاف دعوتِ جہاد آسانی سے قبول کرتے ہیں، جبکہ اس کے برعکس اگر ایک دشمن، اسلام کا لبادہ اوڑھے، دجل و فریب سے کام لیتا ہو، تو باوجود اس کے کہ اس کا کفر کافرِ اصلی کے مقابل "اَغلظ" (بدتر) ہوتا ہے، اس کے خلاف عام عوام دعوتِ جہاد کو اُس طرح آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرتے ہیں۔ امریکہ اور بھارت عالمِ کفر کے ایسے سرغنہ ہیں کہ جن کے کفر، ظلم، جارحیت اور مسلم دشمن ہونے پر عام عوام میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہیں۔ ان دونوں کے خلاف جہاد خود مطلوب ہے اور بدرجۂ اولیٰ لازم ہے، لیکن یہ جہاد تحریکِ جہاد کو تقویت دینے، مقامی سطح پر نظامِ باطل کو سمجھانے اور اس کے خلاف مسلمانوں کو کھڑا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ امریکہ اور بھارت کے خلاف جہاد مقامی طواغیت (فوج و حکمرانوں) کے چہرے پر سے نفاق کا نقاب بھی اتارتا ہے اور اس کے سبب ان کی دین دشمنی واضح ہو جاتی ہے۔ ایسے میں پھر یہ امت کے ان متفق علیہ دشمنوں کا بھی دفاع شروع کرتے ہیں۔

۲۴. ہمارا ہر قول و ہر عمل تحریکِ جہاد کے مبنی بر عدل اعلیٰ مقاصد اور دعوؤں کی تصدیق و تشریح کرنے والا ہو۔ دعوت میں کوئی ایسی بات یا قتال میں کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنی چاہیے جس سے ہمارے جہادی مقاصد عوام کے ذہنوں میں مبہم ہو جائیں اور ان کے لیے وہ اقوال و افعال نا قابل فہم رہ کر فتنے کا باعث بنیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ما أنت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة[4]۔ "لوگوں کے سامنے اگر ایسی بات کرو گے جو ان کی سمجھ سے باہر ہو تو وہ بات ان کے لیے فتنے (حق سے دور کرنے) کا سبب بن سکتی ہے"۔ لہٰذا ایک بات چاہے صحیح ہو لیکن اگر وہ مخاطبین کو غلط فہمی میں مبتلا کرتی ہو تو اس کو نہیں کرنا چاہیے۔ یہی عمل کا معاملہ بھی ہے کہ کوئی ایسی کارروائی یا کام جو چاہے صحیح ہو مگر وہ عوام کو ایسا پیغام دینے کا باعث ہو جو مقاصد جہاد کے خلاف ہو، تو اس سے دور رہنا چاہیے۔

۲۵. کارروائی کی ذمہ داری فی الحقیقت دعوت ہوتی ہے۔ جہاں ایک طرف یہ جہاد و مجاہدین کے حق میں نافع ثابت ہو سکتی ہے وہیں دوسری صورت میں یہ نا قابل تلافی نقصان بھی دے سکتی ہے۔ اگر تو یہ مجاہدین کا مبنی بر عدل ہونا واضح کرتی ہو کہ ان کا جہاد بامقصد ہے، وہ بے گناہوں کا خون نہیں بہاتے ہیں اور صرف اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں تو یہ ان کے حامیوں میں اضافے کا سبب ہوتی ہے اور مخالفین میں کمی لاتی ہے، لیکن اگر یہ مجاہدین کو ان کے اعلان کردہ مقاصد کے برعکس دکھاتی ہو، تو یہی ذمہ داری دشمنانِ جہاد کے کام آتی ہے۔ کارروائیوں کی ذمہ داری لینا چونکہ انتہائی حسّاس اور بہت ہی ذمہ داری کا کام ہے، اس لیے اگر یہ ذمہ دار افراد کے ہاتھوں میں نہ ہو تو یہ ایک کام ہی دعوتِ جہاد کی تباہی کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

---

[1] جہاد کو طاغوتی ایجنسیوں سے آزاد جبکہ مقاصدِ شرعیہ ہی کے تابع رکھنا بہر حال مطلوب ہے، اسی طرح شرعی حدود میں رہ کر طواغیتِ عالم کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے... یہ دونوں امور ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ جو امر تحریک جہاد کے لیے زہر قاتل ہے اور جس کا تدارک بہر حال ضروری ہے، وہ یہ کہ طواغیت کی باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے اٹھاتے کسی ایک طاغوت کی ماتحتی قبول کر لی جائے اور پھر جہاد کے مقاصد و طریقۂ کار یعنی اس کے راستہ و منزل میں طاغوت ہی کی ہدایات و اوامر کی پابندی ہو۔ ایسا جب ہوتا ہے تو تحریک جہاد خود بھول بھلیوں میں بھٹک جاتی ہے جبکہ طاغوت اہل ایمان کی قربانیوں کے ثمرات لوٹ کر لے جاتا ہے اور امتِ مظلومہ کے حصے میں یوں محرومی کے سوا کچھ نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء جہاد نے دائرۂ شریعت کے اندر رہنے کی شرط کے ساتھ طواغیت کی باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھانے کو جائز، جبکہ طاغوت کی ماتحتی کو بالکل ناجائز قرار دیا ہے۔

[2] اس دعوت میں بھی اس نزاکت کا بھرپور خیال رکھا جائے کہ اپنے امور کو ایجنسیوں کے ماتحت رکھنے پر تو بھرپور نقد ہو مگر جو کشمیری تنظیمیں ان کے زیر اثر مصروفِ جہاد ہیں، ان کا نام لے کر مخالفت سے اجتناب ہو۔ ان تنظیموں میں مخلصین بہت ہیں اور ضروری ہے کہ وہ ہماری عداوت کے نہیں بلکہ دعوت کے مخاطب ہوں۔ جو اسلوب عام اہلِ دین کے ساتھ دعوت میں رکھنا ضروری ہے یہ جہادی تنظیمیں اس کی بدرجہ اولیٰ حق دار ہیں، اور وہ یہ کہ ان کی خوبیوں کا اعتراف ہو جبکہ خامیوں پر دردمندانہ نصیحت ہو۔ ایسی نصیحت جس میں خیر خواہی و ہمدردی اور اخلاق و دلیل کا غلبہ ہو، جبکہ بدکلامی، طنز و تشنیع اور اختلاف برائے اختلاف سے مکمل طور پر گریز ہو۔

[3] پاکستانی نظامِ باطل کے خلاف دعوت اور اعداد (یعنی قتال کی تیاری) کی بات نہیں ہو رہی، کہ دعوت و اعداد تو جب تک نظام باطل قائم ہو اور یہاں شریعت نافذ نہ ہو، بہر صورت جاری رکھنا ہے۔ بات یہاں قتال کی ہو رہی ہے اور ظاہر ہے مسلم معاشروں پر مسلط نظامِ باطل کے خلاف قتال کا آغاز کرنے میں تحریکِ جہاد اور اس کی دعوت کی مصلحت بھی دیکھی جاتی ہے۔ تو آج پاکستانی فوج اور حکمرانوں کے خلاف قتال بھی ضروری ہے۔ اس قتال کو امریکہ کی غلامی میں خود اس فوج نے شروع کیا اور آج بھی یہ پہلے سے کہیں زیادہ ظلم کے ساتھ مجاہدین و اہل دین کے خلاف لڑ رہی ہے۔ آج نظامِ باطل کے خلاف دعوت اور ائمۂ کفر تک کے خلاف اعداد یہاں سنگین ترین جرم ہے، بے شمار مجاہدین اور داعیانِ دین سلاخوں کے پیچھے بدترین تعذیب سے گزر رہے ہیں اور وہ قبائلی علاقے، جنھوں نے ہمیشہ مجاہدینِ اسلام کے لیے پناہ گاہ کا کردار ادا کیا، آج فوج کے قبضے میں ہیں اور جہاد، مجاہدین اور اسلام کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔ ایسے میں دعوت و تحریکِ جہاد کا دفاع ہو یا مظلوموں کی نصرت ہر لحاظ سے فوج کا فساد روکنے کے لیے میدان قتال میں اترنا ضروری ہے۔

[4] رواه مسلم في مقدمة صحيحه

۲۶۔ دعوت واعلام میں صرف وہ الفاظ، مناظر اور انداز استعمال ہوں جن کے موافقِ شرع ہونے اور دعوتِ جہاد کے لیے مفید ہونے کا مکمل یقین ہو۔ جہاں بھی اس لحاظ سے شک ہو سکتا ہو، اس سے گریز کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے؛"دَعِ ما يُريبُكَ إلى ما لا يُريبُكَ"، یعنی، چھوڑ دو اس چیز کو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اختیار کرو اس چیز کو جس کے موافقِ شرع ہونے اور مفید ہونے کا تمہیں یقین ہو۔ نیز دعوت میں ایسے کسی لفظ یا منظر کا استعمال نہ ہو جس کے دو معانی اور دو مطالب ہوں۔ آپ اچھا مطلب لیں گے، مگر دوسرے غلط معنی لیں گے اور مخالفین کو پراپیگنڈا کرنے کا موقع ملے گا۔ دعوت واعلام (جہادی میڈیا) میں عموماً صرف اُس مفہوم کا اعتبار ہوتا ہے جو لوگ لے رہے ہوں، چاہے وہ آپ کے اپنے مفہوم سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا آپ کی بات سے لوگوں کو کیا پیغام ملتا ہے، یہ اصل ہے اور اسی کو ہی صحیح اور مفید رکھنے کا اہتمام ہو۔ اسی ضمن میں جواسیس اور فوجیوں کے ذبح ہونے کی تصاویر بھی آتی ہیں۔ ایسی تصاویر نشر کرنے سے دعوتِ جہاد کا نقصان ہوتا ہے اور مجاہدین کو بے رحم و وحشی ثابت کرنے والوں کو موقع مل جاتا ہے[1]۔

۲۷۔ عوام کے ساتھ ان کے دکھ، غم اور پریشانی میں ہم شریک ہوں اور ان سے ہماری بات اور خطاب موقع و محل کے مطابق ہو، مثلاً سیلاب و زلزلوں جیسی قدرتی آفات کے موقع پر ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم ان کے زخموں پر مرہم رکھیں اور عملاً اگر کچھ نہ کر سکیں تو چند اچھے بول ہی بولیں۔ لیکن اس کی بجائے ایسے موقع پر جبکہ ان کے گھر بار تباہ ہو گئے ہوں اور وہ بچوں کو اٹھائے محفوظ مکان کی تلاش میں ہوں، ہمارا انہیں یہ کہنا کہ "یہ سب تمہاری ہی بداعمالیوں کی وجہ سے ہے اور اللہ کا عذاب ہی ہے کہ جس کو تم بھگت رہے ہو"، بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے اور ایسے میں کون پھر ہماری بات سنے گا؟ گناہوں کی طرف توجہ دلانے کے لیے دوسرا موقع اور اسلوب بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان کے دکھوں کا مداوا کریں اور ہمدردی دکھائیں۔

۲۸۔ مظلومین کی نصرت بلاشبہ ہماری دعوت کا بنیادی نکتہ ہے مگر نصرتِ مظلوم کی اس پکار میں قومی یا لسانی (پشتون، بلوچ وغیرہ) تعصبات کا سہارا بالکل نہ لیا جائے۔ کوئی ایسی بات یا اسلوب اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے ان تعصبات کا فروغ یا اقرار ہو۔ اس کے بجائے دعوت میں وطنی، قومی، لسانی اور ہر قسم کے تعصب کی نفی ہو اور ایک امت کا تصور اجاگر ہو۔ یاد رہے کہ ایسے تعصبات کا سہارا کبھی بھی جہاد و امت کے حق میں نہیں رہا ہے، انہیں ہمیشہ جہاد اور امت کے دشمنوں نے استعمال کیا ہے۔ ہمارے ہاں حمایت و مخالفت کا معیار بس اسلام ہو۔ وہ اسلام، جو دیارِ غیر سے آئے صہیب و سلمان کو بھائی بناتا ہے اور اپنے وطن و برادری کے ابوجہل اور ابولہب کو دشمن بتاتا ہے۔

۲۹۔ جہادی میڈیا کی ذمہ داری صرف دعوتِ جہاد اور تحریضِ جہاد نہیں ہے، اس کا ایک اہم کام فہمِ جہاد عام کرنا، اصلاحِ جہاد اور تربیتِ مجاہدین بھی ہے۔ لہٰذا نظامِ کفر کے ہر پہلو، ہر فساد پر نقد

---

[1] فوجی یا جاسوس کو ذبح کرنے کی فلم بندی کرنا دعوت و جہاد کے لیے بالکل بھی مفید نہیں ہے۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ، شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ اور دیگر قائدین جہاد سمیت، امارت اسلامی افغانستان کے ہمارے علماء کرام و مسئولین بھی اس قسم کے افعال سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں۔ یمن میں القاعدہ کے شہید قائد شیخ نصر آنسی رحمہ اللہ اپنے ویڈیو انٹرویو میں فرماتے ہیں:"اس میں شک نہیں کہ نیٹ پر پھیلی ویڈیوز سے متاثر ہو کر ہمارے بھی بعض ساتھیوں نے فوجیوں کے سر کاٹے اور ان کی ویڈیوز بنائیں، لیکن ہم اس عمل کو بالکل بھی صحیح نہیں سمجھتے ہیں اور اس سے سختی کے ساتھ ساتھیوں کو منع کرتے ہیں۔ اس قسم کے مناظر کی ویڈیو بنانا اور انہیں عام لوگوں میں دین اور جہاد کے نام سے تقسیم کرنا، ہم بڑی خطا سمجھتے ہیں اور اسے کسی بھی طور پر قبول نہیں کرتے، چاہے اس کے لیے کتنی بھی حجتیں پیش کی جائیں۔ بیشک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہر معاملے میں احسان کا حکم دیا ہے، یہاں تک کہ قتل کرنے میں بھی، اور قتل کرنے یا ذبح کرنے کی تصویر بنانا اور اسے نشر کرنا قطعاً احسان نہیں ہے، ظاہر ہے یہ تصاویر مقتول کے بیٹے، بیٹیاں اور دیگر رشتہ دار بھی دیکھیں گے جو انتہائی بری بات ہے۔ بنو قریظہ کے دن بلال رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے چچا کی بیٹی کو یہود کی لاشوں کو دکھانے کے لیے گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے برا مانا اور فرمایا"ذهبت بجارية حديثة السن إلى القتلى لقد ذهبت منك الرحمة" "تیرے دل سے رحمت ختم ہو گئی کیا کہ تم کم عمر لڑکی کو لاشوں کے پاس لے گئے؟" بلال رضی اللہ عنہ نے معذرت کی اور کہا:"مامررتُ بها إلا إرادة أن ترى مسارع قومها و لم أدري أنك تكره يا رسول الله"، "میں اس کو بس اس لیے لے گیا تھا کہ یہ اپنی قوم کا انجام دیکھے۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ اس پر برا مانیں گے"۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"أنزعت منك الرحمة يا بلال حيث تمر بامرأتين على قتل رجالهما؟"، "بلال! کیا تیرے سینے سے رحمت چھن چکی ہے کہ تم عورتوں کو ان کے مردوں کی لاشیں دکھانے لے گئے؟" تو اس قسم کے مناظر کی ویڈیو بنانا اور انہیں پھیلانے کا معاملہ بلاشک زیادہ سنگین ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے لوگ ان ویڈیوز کو بعد میں دیکھیں گے اور بچوں، عورتوں اور کمزوروں میں سے بھی کتنے ہوں گے جو یہ دیکھنا برداشت نہیں کریں گے مگر وہ بھی دیکھیں گے، حالانکہ انہیں نہیں دکھانا چاہیے... میں نہیں سمجھتا کہ یہ عمل (قتل یا ذبح کی ویڈیو) سلیم فطرت قبول کرتی ہے۔ اس موقع پر میں چاہوں گا کہ ایک واقعے کا ذکر کروں اور یہ میں اللہ کے لیے گواہی کے طور پر کہتا ہوں کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے بندۂ فقیر، مجھے (یعنی شیخ نصر آنسی کو) فلپائن کے مجاہدین کے پاس چند اہم امور کے لیے بھیجا تھا۔ شیخ کی نظر میں ان میں جو سب سے زیادہ اہم کام تھا اور جس کی شیخ نے بہت تاکید بھی کی، وہ قتل کرنے کی تصاویر کا معاملہ تھا۔ شیخ اسامہ رحمہ اللہ اس سے انتہائی سختی سے منع کرتے تھے اور تاکید کرتے تھے کہ فطرتِ سلیم رکھنے والا کبھی اس قسم کے مناظر پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا میں یہ تاکید کرتا ہوں کہ ہماری جماعت میں سے اگر کسی نے یہ فعل کیا تو وہ شیخ اسامہ بن لادن، شیخ ایمن اور شیخ ابو بصیر کے احکامات کی نافرمانی کرتا ہے اور یہ ایسا منکر ہے کہ جس کو مجاہدین میں سے کوئی بھی ٹھیک نہیں کہتا بلکہ مجاہدین اس سے روکتے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے ساتھیوں کو شرعی اور واقعاتی دلائل کے سبب منع کرتے ہیں۔ اس فعل کے شرعی حکم اور اس میں اختلاف کو ایک طرف رکھ کر بھی دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ افعال دشمن، مجاہدین کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں خصوصاً جب ان کی ویڈیو بنائی جائے اور اسے میڈیا میں نشر کیا جائے۔" (الملاحم۔ المؤتمر الصحفي الدولي الأول للشيخ نصرآنسي رحمه الله)۔

اور اس کے خلاف تحریضِ جہاد جہاں ہو، وہاں ساتھ ہی مجاہدین کی فکری و اخلاقی تربیت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام بھی ہو۔

۳۰. معاصر تحریکِ جہاد کے مبنی بر عدل منہج اور افراط و تفریط پر مبنی افکار و اعمال کے درمیان فرق خود سمجھنا اور پھر دوسروں کو سمجھانا داعیانِ جہاد کی ذمہ داری ہے اور انٹرنیٹ پر دعوت میں مصروف بھائیوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی یہ ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ اسی طرح کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، کس کی جان و مال مباح ہے اور کس کی غیر مباح، کون سے کام دعوت و جہاد کے لیے مفید ہیں اور کون سے جائز ہونے کے باوجود بھی غیر مفید؟ داعیانِ جہاد کے لیے انٹرنیٹ پر اس علم کی ترویج و تذکیر کراتے رہنا بھی ضروری ہے۔ مکرر عرض ہے کہ اس مقصد کے لیے تحریکِ جہاد کے صرف معتمد علماء کرام اور قائدین جہاد کی کتب و ارشادات کی طرف رجوع ہو[1]۔

۳۱. داعیٔ جہاد کے لیے علمِ شرعی کے بعد اہم علم، علمِ تاریخ ہے۔ اگر داعی تاریخ جہاد سے آگاہ ہو اور اس کے اسباق کھلے دل سے قبول بھی کرتا ہو... تو اللہ سے امید ہے کہ وہ غلطیوں سے بڑی حد تک محفوظ ہو گا۔ ایک بزرگ جہادی عالم کا قول ہے کہ "وہ شخص تحریک جہاد کی قیادت کا اہل نہیں ہے جو تاریخ کا علم نہ رکھتا ہو"۔ قیادت اور دعوت یقیناً علیحدہ امور ہیں مگر تحریکِ جہاد کو جہت دینے میں یہ مکمل طور پر جدا بھی نہیں ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "اللہ جب کسی کو سعادت و خوش بختی سے نوازتا ہے تو اسے دوسروں سے عبرت لینے کی توفیق عطا کرتا ہے، وہ پھر خاص اُس راستے پر چلتا ہے جس پر اُس سے پہلے چلنے والوں کی اللہ نے مدد و نصرت کی ہو اور اُس راستے سے پھر بچتا ہے جس پر ماضی میں چلنے والوں کو اللہ نے ناکام و نامراد کیا ہو"[2]۔ ماضی میں جہاد کا یہ قافلہ جہاں اور جن راستوں سے گزرا، ان راہوں کے نشیب و فراز کا داعیٔ جہاد کو علم ہونا چاہیے۔ وہ جانتا ہو کہ دعوت و قتال میں وہ کیا اقوال و افعال تھے کہ جو کامیابی و سرخروئی کا باعث بنے اور وہ کیا کوتاہیاں تھیں جن کے سبب دشمن کے مقابل اہل جہاد کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور مجاہدین مسلمان عوام کی نصرت و تائید سے محروم ہو گئے۔ یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ کل کی ناکامی کے اسباب آج کی کامیابی کے زینے کبھی نہیں بن سکتے، جس اسلوبِ دعوت اور جس طرزِ قتال سے ماضی میں نقصان اٹھانا پڑا، آج بھی اگر اسی ڈگر پر سفر ہو گا تو نتیجے میں کامیابیاں نہیں ملیں گی۔ آج جن مسائل کا ہمیں سامنا ہے، سب نہیں تو ان میں سے اکثر کا ہم سے پہلے والوں نے بھی سامنا کیا ہے، پھر افغانستان سے یمن و مالی اور الجزائر سے شام و عراق تک کی پھیلی اس تحریک جہاد کے تجارب بھی کچھ کم نہیں ہیں، داعیٔ جہاد میں اگر قبولِ حق کی تڑپ موجود ہو اور اس نے دل پر تعصب کا زنگ نہیں چڑھایا ہو تو اللہ سے امید ہے کہ تحریکِ جہاد کی تاریخ و تجارب میں اس کے لیے اسباق و عبر ہوں گے اور اس علم کی ترویج ان شاء اللہ تحریک جہاد کو نفع دے گی۔

۳۲. اپنے انٹرنیٹ صفحات پر صرف ایسی کارروائیوں کی تعریف و ترویج ہو جو علماء جہاد و قائدین کے ہاں متفقہ طور پر جائز اور مفید ہوں۔ ایسی کسی کارروائی کی تشہیر و تعریف نہ ہو جو متفقہ اہداف کی فہرست میں پہلے سے شامل نہ ہو یا جو علماءِ جہاد کے ہاں اختلافی سمجھی جائے۔

۳۳. غیر شرعی کارروائی پر خاموشی قطعاً نہ ہو بلکہ ضروری ہے کہ ایسی کارروائی کی علانیہ مذمت ہو۔ اگر کسی جہادی گروہ سے یہ سرزد ہوئی ہو تو گروہ کا نام لیے بغیر صرف فعل کی مذمت اور اس سے برأت ہو۔ ہمارے لیے اسوہ (نمونۂ عمل) رسول کریم ﷺ ہیں کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے شمشیر خدا سے بھی غلطی ہوئی تو آپ ﷺ خاموش نہیں رہے بلکہ خالق و مخلوق دونوں کے سامنے اعلان کیا کہ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ، "اے اللہ! جو خالد (رضی اللہ عنہ) نے کیا، اس سے میں تیرے سامنے برأت کرتا ہوں"۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ غیر شرعی کارروائی کو شرعی دکھانا اور اس کی ذمہ داری لے کر اسے جہاد و اہل جہاد سے منسوب کرنا شریعت کے خلاف انتہائی بڑی جرأت ہے اور اس پر خاموشی جہاں اللہ کی پکڑ کا موجب ہے وہاں یہ تحریکِ جہاد کی تباہی کا بھی یقینی باعث ہے۔ اگر غیر شرعی کارروائی مجاہدین نے نہ کی ہو تو ظاہر ہے یہ ایجنسیوں نے کی ہو گی، ایسے میں اس کی مخالفت و مذمت اس وجہ سے بھی پھر ضروری ہے کہ ایجنسیوں کی جہاد مخالف سازش ناکام ہو۔ یوں اس مذمت سے تحریکِ جہاد بدنامی سے بھی بچے گی اور اس کا رخ بھی ٹھیک رہے گا۔

۳۴. انٹرنیٹ پر مائل بہ غلو افکار پھیلانے والے افراد کی اصلاح ہو۔ اگر اصلاح ممکن نہ ہو تو انہیں اپنے صفحات پر جگہ دینے سے اجتناب ہو اور دیگر لوگوں کو بھی ان سے دور رکھنے کی سنجیدہ سعی ہو۔ اس مقصد کے لیے نیٹ پر دعوتِ جہاد میں مصروف اہل خیر کا مکمل طور پر معاون اور مربوط ہونا ضروری ہے۔ شر چاہے اہل غلو کی صورت میں ہو یا ایجنسیوں کے آلہ کاروں کی شکل میں، ان کے فساد کا راستہ تب ہی روکا جا سکتا ہے جب انٹرنیٹ پر موجود اہلِ خیر عملی طور پر آپس میں متحد اور منظم ہوں۔

---

[1] شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی جہادی عمل سے متعلق عمومی ہدایات (توجیهات للعمل الجهادي) اور اس کی رہنمائی میں تیار کردہ القاعدہ برِصغیر کا لائحۂ عمل اس حوالے سے پڑھنے کی درخواست ہے۔ اسی طرح دعوت و جہاد کا منہج سمجھنے کے لیے شیخ عطیۃ اللہ رحمہ اللہ کا الحسبۃ فورم کے ساتھ انٹرویو اہم ہے، اس طرح شیخ کے مقالات و صوتیات کا ذخیرہ 'مجموع الأعمال الكاملة' کا مطالعہ بھی ان شاء اللہ مفید ہو گا۔

[2] ومن أراد الله سعادته جعله يعتبر بما أصاب غيره؛ فيسلك مسلك من أيده الله ونصره، ويجتنب مسلك من خذله الله وأهانه (مجموع الفتاوى)

۳۵. دعوت میں جماعتی تعصبات ختم کرنے کی سنجیدہ کوشش ہو اور یہ شعور اجاگر کرنے کی سعی ہو کہ جماعتیں منزل و مقصود نہیں ہیں، بلکہ یہ منزل تک پہنچنے کے وسائل و ذرائع ہیں۔ ہمارا مقصود اتباعِ شریعت اور نفاذِ شریعت ہے۔ اگر تو جماعت اس مقصد کے حصول میں معاون ہو تو وہ محبوب ہو گی، لیکن اگر اپنی ہی جماعت اس مقصد سے ہمیں دور لے جاتی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس سے محبت کریں، اس کا دفاع کریں اور اس کے ساتھ جڑے رہیں۔ گویا دعوت میں جماعتوں کی اصل حیثیت اور مقام بھی خود سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا چاہیے کہ ان کی جائز اہمیت بھی ختم نہ ہو اور انہیں اصل مقصود سمجھنے کا بھی رد ہو، کہ مبادا شرعی اصول و مقاصد قربان کرکے اپنی اپنی جماعتوں کو برتر دکھانا ہی ہدف ٹھہرے۔

۳۶. چونکہ فتنہ و فساد کی جڑ اور ظلم و طغیان کا منبع نظامِ کفر ہے، یہ نظام ہی خیر کی ہر قوت و تحریک کو دباتا و ختم کرتا ہے جبکہ شر کی یہ حفاظت کرتا، اسے پھیلاتا اور عام کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اپنی نفرت و عداوت کا محور و مرکز اس نظام ہی کو رکھا جائے اور سب عوام و اہلِ دین کے قلم، تیروں اور زبانوں کا رخ اس کی قیادت و رکھوالوں کے خلاف ہی پھیرا جائے، یہی ہماری دعوت کا مقصد و ہدف ہو۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہماری دعوت ہر قسم کی مسلکی و گروہی تفریق سے پاک ہو اور اپنی دعوت میں ہم فروعی اختلافات کو بالکل بھی ہوا نہیں دیتے ہوں۔ ہمیں مدنظر رکھنا چاہیے کہ مسلکی اور گروہی منافرت پھیلانا جہاں نظامِ کفر کو تقویت دیتا ہے وہاں ساتھ ہی یہ دعوت و جہاد کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

۳۷. انٹرنیٹ پر جو صفحات مسلکی و گروہی تعصبات کو اجاگر کرتے ہوں، ان سے مکمل طور پر لاتعلق رہنا اور ان سے عوام کو دور کرنا ضروری ہے۔

۳۸. اعلام میں خصوصی توجہ دعوتِ جہاد کے موضوعات پر ہو مگر فی الاصل اس میں پورے دین کی دعوت ہو۔ پھر جن دینی امور پر نظامِ کفر کی طرف سے براہِ راست یلغار ہے، جیسے پردہ، عفت و حیا، اسلامی معاشرت... انہیں اعلام میں زیادہ اہمیت دی جائے۔ اسی طرح نظامِ کفر کے ہر ہر پہلو، جمہوریت، سیکولرازم، فحاشی و عریانی، خاندانی نظام کو تباہ کرنا، فوج کا ظلم، معاشی استحصال وغیرہ پر نقد ہو اور اس کے منبعِ شر ہونے کو واضح کرنے کی کوشش ہو۔ اس ضمن میں اس کے مقابل شریعت کے محاسن، فوائد و احکام اور اس کا قابلِ عمل ہونا بیان ہو[1]۔

۳۹. علمِ دین سے اپنی نسبت کرنے والے وہ بدنصیب جو حقیقت میں دنیا کی قیمت پر اپنا دین و ایمان بیچ چکے ہیں، ان پر اگر نقد ضروری ہو تو یہ نقد بس اجمالی اور مہذب ہو۔ یہاں مراد اختلاف رکھنے والے (قابلِ احترام) علماء کرام اور اہلِ دین نہیں ہیں، ان کے متعلق ذکر اوپر آ چکا ہے... یہاں مراد وہ علماءِ سوء ہیں جو اپنی دنیا پرستی، درباری ہونے اور برے کردار کے سبب مشہور ہوں۔

۴۰. کوئی شخصیت دین اور تحریکِ جہاد کے لیے مُضر ہو مگر عوام میں اس کی شہرت اچھی ہو اور وہ دین و ملت کی خدمت کی نسبت سے معروف ہو تو اپنے اعلام (جہادی میڈیا) میں اس فرد کا نام لیے بغیر بس اس کے کام کی برائی بیان ہو۔ اس طرح کرنے سے لوگ بالآخر اس فرد کا مضر ہونا بھی سمجھیں گے اور اس سے متنفر ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر لوگ اس کے فعل اور ظاہری کردار کو تو اچھا سمجھ رہے ہوں اور ہم اس کا نام لے کر (یا تصویر دکھا کر) اس کو برا بھلا کہیں تو وہ اُس کی عقیدت میں الٹا ہم سے بدظن ہوں گے اور ہماری دعوت نہیں سنیں گے۔

۴۱. دعوت میں ہر قسم کی جانبی لڑائی (نظامِ کفر اور اس کے محافظین کو چھوڑ کر کسی دوسرے دشمن، مثلاً روافض کے خلاف مسلح جنگ پر ابھارنے) سے گریز ہو۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے جانبی دشمنوں سمیت تمام تر فتنوں کی حفاظت و سرپرستی کرنے اور نفاذِ شریعت کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والا یہی اُم الخبائث باطل نظام ہے۔ اس نظام کی قیادت (فوج و حکمرانوں) کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ اہلِ دین کی توپوں کا رُخ ان کی جانب کبھی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ ہو یا یہ مقامی طواغیت، یہ اہلِ جہاد کو جانبی لڑائیوں میں دھکیل کر اپنے آپ کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ تحریکِ جہاد یکسو ہو کر تمام تر طاقت و وسائل خاص اس نظام اور اس کی قیادت (أئمة الكفر) کو گرانے پر اگر مرکوز کرے تو صرف اسی صورت میں دین و امت کا فائدہ ہے۔ جس دن نظامِ باطل کی یہ قیادت و افواج زیر ہوں گی، تب کوئی بڑے سے بڑا جانبی دشمن بھی سر نہیں اٹھا سکے گا، بلکہ وہ تسلیم ہو کر اپنی اصلاح کرنے یا خباثت چھپانے میں عافیت ڈھونڈے گا۔ لہٰذا دعوت میں توجہ مکمل طور پر نظامِ باطل کے خلاف ہو اور اگر کہیں جانبی دشمن حملہ آور ہو جائے تو صرف وہاں ہی جنگ ہو اور یہ جنگ بھی بس دفاع تک محدود ہو[2]، پھر جلد سے جلد دوبارہ اصل کی طرف، یعنی نظامِ کفر کے خلاف محاذ کی طرف لوٹنے کی سعی ہو۔ امارتِ اسلامی بھی افغانستان میں روزِ اول سے اسی حکمتِ عملی پر کاربند ہے اور اس کا بارآور ہونا الحمدللہ ثابت ہے۔

۴۲. تحریکِ جہاد میں شمولیت کو ہم، لوگوں کے لیے آسان بنائیں۔ اگر کوئی فرد جہاد کے بنیادی مقاصد و اصول کے ساتھ موافق ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک خاص دائرہ میں سپرد کر دیتا ہے تو اس پر بس اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جتنا وہ خوشی سے اٹھا سکتا ہے۔ مزید بوجھ اٹھانے کی استطاعت ہو، تو اچھے انداز میں ترغیب دینی چاہیے مگر یہ بالکل بھی مناسب نہیں ہو گا اگر ہماری

---

[1] اس باب میں ہمارے بھائی اور شیخ، استاد احمد فاروق رحمہ اللہ کا تحریر کردہ کتابچہ 'اہلِ پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر' پڑھنے کی گزارش ہے۔

[2] مدعا یہ ہے کہ روافض، قادیانیوں اور اسماعیلیوں جیسے دشمنوں کے ساتھ، جہاں یہ خود نہیں لڑ رہے ہوں، اپنی طرف سے مسلح جنگ چھیڑنے سے گریز ہو اور ایسی کسی جنگ کی دعوت و حوصلہ افزائی نہ ہو۔ جہاں تک دعوت میں ان کے عقائد و نظریات پر رد ہے، تو یہ رد بہر صورت ضروری ہے، اسی سے عامۃ المسلمین پر ان کا فساد واضح ہو گا۔ دعوت کے اس دائرے میں بھی اگر خاموشی اختیار کی گئی تو اس سے بہت بڑا نقصان ہو گا۔

طرف سے لوگوں کو پیغام ملے کہ تحریکِ جہاد بس اُسی کو قبول کرتی ہے جو اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہو اور جس میں یہ عزم نہ ہو اس کے لیے کوئی کام نہیں۔ جو جتنا ساتھ دے سکتا ہے، اسے بصد شکر یہ قبول کرنا چاہیے۔ لہٰذا سب کچھ اللہ کے راستے میں وارنے کی ترغیب دینا ایک بات ہے اور یہ ترغیب ہونی بھی چاہیے، مگر جو تھوڑا ساتھ دیتا ہے اسے بہت ساتھ دینے پر مجبور کرنا دوسری بات ہے، جو بالکل بھی اچھی نہیں ہے۔

۴۳. میدانِ دعوت کے شہسوار محض دعوت ہی کو اصل جہاد نہ سمجھیں اور نہ ہی بس اس دعوت پر مطمئن ہوں۔ ان کے لیے قتال و شہادت کی اہمیت و فضائل مستحضر رکھنا اور محاذ جنگ پر حاضری کی صدقِ دل سے خواہش و کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

۴۴. دعوت ہو، قتال ہو، یا داعی کی اپنی تربیت کا معاملہ... ان سارے اعمال میں سمع و طاعت اور کسی اچھے جماعتی نظم کے ساتھ مربوط ہونا لازم ہے۔ انٹرنیٹ کے داعیانِ جہاد خود بھی تحریک جہاد اور ذمہ داران جہاد کے ساتھ عملی طور پر جڑیں اور دوسروں کو بھی جوڑنے کی کوشش کریں۔ جماعتی نظم سے آزاد کام میں بے شمار مفاسد ہیں اور یہ کسی بھی طور پر اچھا نہیں۔

۴۵. انٹرنیٹ کا میدانِ دعوت، جہاد و مجاہدین کو نقصان پہنچانے کا بہترین، آسان اور مؤثر میدان ہے۔ یہاں داعیانِ جہاد کے روپ میں ایجنسیاں دعوتِ جہاد خراب کرنے، جہادی جماعتوں میں اپنے مخبر بھرتی کرنے اور مجاہدین کو گرفتار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لہٰذا اولاً خود محتاط رہنا اور دوسرے متعلقین کو بھی محتاط کرنا ضروری ہے اور جہاد کی طرف ہر بلانے والے پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ دشمن کے ایسے آلۂ کاروں کو ناکام بنانے کے لیے میدانِ جہاد کے رسمی نمائندوں کے ساتھ زمینی رابطہ بنانا، تزکیے کے معتمد نظام کو استعمال میں لانا اور خود منہجِ جہاد میں رسوخ حاصل کرنا ضروری ہے۔ نیٹ کی دنیا میں کسی پر بھی اندھا یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یہاں آپ کے اپنے مجاہد ساتھی کا اسلوب بھی نقل کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ یہ امکان بہر حال موجود رہتا ہے کہ آپ کے ساتھی کے اسلوب میں ایجنسیوں کا کوئی اہلکار خط لکھ رہا ہو۔ لہٰذا اپنوں کے ساتھ رابطے میں بھی ہوشیار رہنا چاہیے اور زمینی ذرائع سمیت دیگر تمام طریقوں سے اطمینان حاصل کرنا چاہیے۔

۴۶. مومن کا وقت اللہ کی طرف سے امانت ہے۔ پس داعی انٹرنیٹ پر بیٹھنے سے پہلے نیٹ پر اپنی مصروفیت کا دورانیہ اور کام کا تعین کیا کریں اور پہلے سے طے شدہ دورانیہ اور کام سے ہٹ کر آگے پیچھے بالکل نہ ہوں۔ اگر یہ خیال نہ رکھا جائے تو وقت ضائع کرنے یا کسی نامناسب شغل میں بھٹکنے کا امکان بڑھ سکتا ہے۔

۴۷. صرف انٹرنیٹ کی دعوت کو اصل خیال نہ کریں، داعی حضرات زمین پر سینہ بہ سینہ دعوت پھیلانے کا بھی اہتمام کریں اور یہ طریقہ زیادہ مؤثر اور محفوظ ہے۔

۴۸. دعوتی مواد کی تیاری میں تنوع پیدا کیا جائے تا کہ مکتبۂ دعوت و جہاد میں حجم اور معیار کے ساتھ ساتھ موضوعات کے لحاظ سے بھی اضافہ ہو۔ اسی طرح متصل گزارش یہ بھی ہے کہ تیار شدہ مواد کی ترتیب و حفاظت کا بھی اہتمام ہو۔ ہونا چاہیے کہ انٹرنیٹ پر ہمارا سارا مواد مرتب حالت میں موجود ہو اور اس میں مبتدی سے لے کر اعلیٰ سطح تک کے قاری کے لیے درکار مواد آسانی کے ساتھ دستیاب ہو۔

۴۹. انٹرنیٹ پر موجود دعوتی صفحات پر دائرۂ احباب بن جاتا ہے اور عموماً وہی دائرہ ہمارا مواد پڑھتا رہتا ہے۔ اس دائرے پر اکتفا نہ ہو بلکہ اس میں اضافے کی کوشش ہو اور اپنے مبادیات سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو آگاہ کرنے والے راستوں کی تلاش ہو۔

۵۰. نیٹ پر دعوت دینے والے بھائیوں کے لیے زمین پر نیک افراد کی صحبت میں رہنا ضروری ہے، تا کہ فتنوں سے حفاظت آسان ہو۔ نیز افکار کے ساتھ نگاہ کی حفاظت کا بھی اہتمام ہو کہ یہ خود مطلوب ہے۔ اس سے قلب میں نیکی اور عمل میں یکسوئی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہیں۔

۵۱. آخری گزارش یہ کہ اپنی دعوت اور اسلوب کا مسلسل محاسبہ کرتے رہنا اور اللہ سے زیادہ سے زیادہ مغفرت مانگنی چاہیے۔

یہ چند باتیں تھیں جو دعوت کے اسلوب اور منہجِ جہاد کی حفاظت کے ضمن میں عرض کرنی تھیں۔ یہاں پر اس تحریر کو ختم کرتے ہیں، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اخلاص عطا کریں، ہمارے قول و عمل سے اپنے دین و امت کی نصرت فرمائیں، دعوت و قتال کے ہر ہر عمل اور ہر ہر لمحہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں توفیق دیں کہ ہم دین و جہاد کی صحیح معنوں میں نصرت کر سکیں۔ اللہ ہماری تمام مساعی قبول فرمائیں اور اپنے دیدار اور رسول اللہ ﷺ کی معیت سے ہمیں محروم نہ کریں، آمین۔

سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك، أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك
وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسول الله

◆◆◆◆◆

کرتارپور......اور قادیانی

”آغا شورش کاشمیری نے سنہ ۵۰ء کی دہائی میں کہا تھا کہ سیالکوٹ کی تحصیل نارووال میں ایک گاؤں ہے کرتارپور...... یہاں سے قادیان آنے جانے کے لیے قادیانی، سکھوں کی مذہبی یاترا کے نام پر راہداری بنوائیں گے!“

(مفتی کفایت اللہ صاحب)

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي ٱلَّذِينَ يَعۡلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟''

(تعلیم، حکمِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر بحث کرتا ایک مقالہ)

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

تعلیم میں درجہ بندی اور الاہم فالاہم کا اصول

[حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی اکرم ﷺ نے والی بنا کر بھیجا تو انہیں فرمایا:

إنك تأتي قوماً من أهل الكتاب فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلك، فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فتُرَدُّ في فقرائهم، فإن هم أطاعوا لذلك فإياك وكرائم أموالهم، واتق دعوة المظلوم فإنه ليس بينها وبين الله حجاب۔

''تم ایسی قوم کے یہاں جا رہے ہو جو کہ اہلِ کتاب ہیں۔ پس تم انہیں لا الٰہ الا اللہ کی گواہی اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں کی گواہی کی طرف دعوت دینا۔ تو اگر وہ مان لیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ تو جب وہ مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ واجب کی ہے جو کہ ان کے مالداروں سے لی جائی گی اور ان کے غریبوں کو لوٹا دی جائی گی۔ تو جب وہ مان لیں تو ان کے عزیز تر مال نہ لینا، اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔''(بروایت بخاری و مسلم)]۔

دینی اور دنیوی علوم کی تقسیم کی وضاحت

تعلیم کے حکم میں نیت کی اہمیت

مولانا بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے مگر اس کے معنیٰ دین و دنیا کی تفریق کے ہر گز نہیں۔ چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انہیں خدمت خلق، اصلاح معاشرہ اور تدبیر سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے۔

اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آ جاتے ہیں۔ اور اس کے لیے احادیث نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے:

من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله إلا ليصيب به غرضا من الدنيا لم يجد عف الجنة يوم القيامة. يعني ريحها۔

''جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہو سکتی ہے اور پھر اس کو متاعِ دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔'' (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے:

من طلب العلم ليجاري به العلماء او ليماري به السفهاء أو يصرف وجوه الناس إليه أدخله الله النار۔

''جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے۔''(مشکوٰۃ)

بہر حال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں، اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلب آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ پھر دین و دنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے۔ گویا اصل مدار مقاصد و نیات پر ہے، کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون و مددگار اور صنعت و حرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی، ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک صالح معاشرے کا قیام ہونا چاہیے۔ اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص جس شعبۂ زندگی سے منسلک ہو وہ اس شعبہ سے متعلق بقدر ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو۔ مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو۔ انجنیئر ہو تو عالم ہو۔ طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں، جو خلافت راشدہ کا تابناک دور ہے، ایک قانون یہ تھا:

لا يبع في سوقنا هذا من لم يتفقه في الدين۔

یعنی 'جو شخص فقہ یا دینی مسائل کا ماہر نہ ہو اس کو ہمارے بازار میں خرید و فروخت کی اجازت نہیں'۔

گویا دنیا کمانے کے لیے بھی علمِ دین کی ضرورت ہے تا کہ حلال و حرام اور جائز اور ناجائز کی تمیز ہو سکے، اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر و کمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا۔ اور اب ایک دور ایسا آگیا ہے، کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا۔ بلکہ اب تو اس میں بھی قدرے تنزل رونما ہوا کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہو کر رہ گئیں۔ اب تو واحد مقصد صرف "پیٹ" رہ گیا ہے۔ دنیا کے ہر علم و ہنر اور فضل و کمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ "جہنم" بھر جائے۔

علم دین ہر عمل کے لیے ضروری ہے

[ہم اپنی زندگی میں ہر لمحہ کسی نہ کسی عمل میں مشغول رہتے ہیں، اور کسی بھی عمل کا درست ہونا علم دین پر موقوف ہے۔ جسے ہماری شریعت درست یا جائز قرار دیتی ہے، اس میں دنیا کا بھی فائدہ ہے اور دین کا بھی۔ جسے غلط اور ناجائز قرار دیتی ہے اس میں دنیا کا بھی نقصان ہے اور دین کا بھی۔ چونکہ انسانی عقل ناقص ہے، اور انسانی قلب کجی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے عقل کے نقص اور دل کی کجی سے انسان کو محفوظ رکھنے کے لیے وحی نازل ہوئی۔ آخرت میں جزا اور سزا کا دار و مدار بھی یہ ہے کہ آیا انسان نے عقل کے نقص اور دل کی کجی سے محفوظ رہنے کے لیے وحی کو اختیار کیا یا نہیں؟ نیز وحی سے ہمیں علم ہوا کہ کوئی بھی عمل اسی وقت درست ہو گا اور آخرت میں کار آمد، جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں۔ باطن کی نیت میں اخلاص اور ظاہر کی شکل میں شریعت کی موافقت۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ذکر ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (الکہف:۱۱۰)

"کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے، چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

گویا رب کے ساتھ شرک نہ کرنا اخلاص ہے، اور عملِ صالح کرنا شریعت کی موافقت ہے، اور یہ دونوں شرطیں علم کے بغیر پوری نہیں ہوتیں۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "ہم میں سے ہر کسی کو حکم ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ کی خبر کی تصدیق کرے اور حکم کی تعمیل کرے۔ یہ تصدیق اور تعمیل پیغمبر ﷺ کی خبر اور حکم کے علم کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے امت پر صرف وہی امور لازم کیے ہیں جن سے ان کے دین اور دنیا کی حفاظت ہو اور دنیا و آخرت میں ان کا بھلا ہو۔ ان امور سے لاپرواہی سے امت کے مفادات ضائع ہوں گے اور معاملات خراب۔ دنیا میں تباہی محض جہل کی وجہ سے ہوتی ہے، اور دنیا کی آبادی محض علم سے ہوتی ہے۔ جس شہر یا محلہ میں علم پایا جاتا ہے تو وہاں کے لوگوں کی برائیاں کم ہو جاتی ہیں، اور جہاں علم نہیں ہوتا وہاں شر و فساد ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ جسے اس بات کی خبر نہیں تو اسے اللہ نے نور سے کچھ بھی عطا نہیں کیا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں: اگر علم نہ ہوتا تو لوگ جانوروں کی مانند ہوتے۔ پھر فرمایا: لوگ علم کے کھانے اور پینے سے زیادہ محتاج ہیں۔ اس لیے کہ کھانے پینے کی تو دن میں دو یا تین دفعہ ضرورت پڑتی ہے۔ جبکہ علم کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے۔ (اعلام الموقعین ج2 ص237-238)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ من عَمِل عملاً لیس علیه أمرنا فهو رَد۔ کوئی شخص ایسا عمل کرے جو ہمارے طریقہ کے موافق نہیں تو وہ مردود ہے (مسلم)۔ امام بخاریؒ نے اس پر عنوان باندھا ہے کہ: اگر کسی عام انسان یا حکمران نے اجتہاد کیا اور رسول ﷺ کے خلاف غلط فیصلہ کیا تو اس کا عمل مردود ہے۔ امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلام کے اصولوں میں سے شمار ہوتی ہے اور اس کے ضابطوں میں سے ایک ضابطہ ہے۔ (فتح الباری ج5 ص302) گویا جو بھی عمل شریعت کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر کام سے پہلے اس کے بارے میں علم حاصل کیا جائے۔]

علم دین دنیاوی ترقی اور علوم سے مانع نہیں

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس کی دلیل اول یہ ہے کہ: صحابہ کرام نے دنیوی ترقی کی۔ اگر کتاب و سنت اور علم شریعت ترقی میں مانع ہوتا تو حضراتِ صحابہؓ کبھی اس طرف نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھتے۔ دوم یہ کہ: دنیاوی ترقی کا دار و مدار چار چیزوں پر ہے۔ ۱. زراعت ۲. صنعت و حرفت ۳. تجارت ۴. اجارت (ملازمت)۔ اور شریعت نے ان میں سے کسی چیز کو بھی منع نہیں کیا بلکہ ان تمام امور کو مسلمانوں کے لیے فرض علی الکفایہ قرار دیا ہے۔ سوم یہ کہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کے کسب معاش میں مختلف طریقے رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام زراعت کرتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اجرت پر بکریاں چراتے، حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تاکہ جہاد میں دشمن کے وار سے بچاؤ ہو سکے۔ چہارم یہ کہ: قرآن کریم میں ہے کہ

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ...(الانفال:۶۰)

"اور کافروں کے ساتھ لڑائی اور مقابلہ کے لیے جو قوت اور طاقت تم فراہم کر سکتے ہو وہ کر گزرو۔ مثلاً گھوڑے پالو، اور ہتھیار جمع کرو۔ غرض یہ کہ اتنی قوت جمع کرو کہ جس سے تم اللہ کے دشمنوں کو مرعوب اور خوف زدہ بنا دو اور دوسری حکومتوں پر بھی اپنا رعب جما دو کہ جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔"

مطلب یہ کہ کافروں سے جہاد بھی فرض ہے اور سامان جہاد فراہم کرنا بھی فرض ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی سامان جہاد تھا اور آج کل بندوق اور توپ اور ہوائی جہاز اور آبدوز کشتیاں وغیرہ سامان جہاد ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے سامان کی فراہمی بھی اس آیت کے تحت داخل ہو گی اور عین منشائے خداوندی ہو گی۔ ان تمام امور کی ترغیب اور تاکید احادیث میں بکثرت آئی ہے۔ ان سب آیات اور احادیث کا مطلب ہی یہ ہے کہ دشمنان خدا کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے جس قدر مادی طاقت اور قوت

فراہم کر سکو اس میں دریغ نہ کرو۔ اور خوب سمجھ لو کہ شریعت نے بلاشبہ جہاد اور قتال کا حکم دیا اور اسلامی حکومت اور سلطنت حاصل کرنے کی تاکید کی مگر مقصود خود سلطنت نہیں بلکہ مقصود بالذات دین ہے، اور سلطنت اس کی حفاظت کے لیے ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ترقی کا دار و مدار جن امور پر ہے شریعت نے خود ان کی تاکید کی ہے۔

اور یہ نہ سمجھو کہ اس زمانہ میں قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹنا ناممکن ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ [تم بھی اپنے اسلاف کی] وہی روش اختیار کرو پھر [نتیجہ نکلے گا]۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لن يفلح آخر هذه الأمة إلا بما أفلح أولها، یعنی اس امت کے پچھلے لوگ فلاح نہیں پاسکتے مگر جس چیز سے پہلے لوگوں نے فلاح پائی ہے۔ صحابہ کے طریقہ پر چلو ان شاء اللہ صحابہ جیسی کامیابی ہو گی۔

اسی نقطے کی مزید تشریح کرتے ہوئے مولانا بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسلام تلوار بنانے پر کوئی پابندی نہیں لگاتا، ہاں اس کے استعمال پر ضرور پابندی عائد کرتا ہے۔ کہ صحیح طریق پر اس کو استعمال کیا جائے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ تلوار ایک ظالم و بے رحم قاتل سے قصاص لینے کے لیے بھی استعمال کی جاسکتی ہے، اور ایک بے قصور اور بے گناہ انسان کو اپنی شیطانی اغراض وخواہشات کی راہ سے ہٹانے کے لیے بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح عہد حاضر کے حربی اسلحے ٹینک، طیارہ شکن توپیں، بمبار طیارے، میزائل، راڈار، اور طرح طرح کے ہلاکت خیز بند بنانے سے منع نہیں کرتا۔ ہاں ان کے بے جا استعمال پر پابندی ضرور لگاتا ہے کہ یہ تمام سامان حرب اور آلات جنگ صرف ملک وملت کے دفاع اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ظلم وعدوان کا مقابلہ کرنے اور دنیا میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے استعمال کیے جائیں۔ استعماری اغراض، کمزور قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو اس حربی طاقت کے دباؤ اور زور سے مغلوب و مرعوب کر کے ان ملکوں کی پیداوار دولت و ثروت پر ڈاکے ڈالنے کے لیے ہر گز استعمال نہ کیا جائے۔ کہ یہ عمرانی عدل وانصاف اور مساوات کے منافی اور روئے زمین پر عالمگیر فتنہ وفساد برپا کرنے کا موجب ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ○ (التوبہ: ۱۲۲)

”کہ ہر قوم کے چند افراد کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ علم دین سیکھیں اور اپنی بقیہ تمام قوم کو دین سے واقف کرائیں۔“

غرض اسلام مقصد کی تعیین، نیت کی تصحیح، نفوس کے تزکیے کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرتا اور مقدس ترین فرض کو انجام دیتا ہے۔ تاکہ عمل خود بخود صحیح ہو جائے۔

نظام عالم کی بقاء کے لیے دونوں قسم کے علوم کی ضرورت ہے

حاصل یہ ہے کہ نظام عالم کو برقرار رکھنے کے لیے دونوں قسم کے علوم، عقلی اور فطری اور دینی اور آسمانی علوم کی بقا اور تحفظ ضروری اور ناگزیر ہے۔ عقلی اور صناعی علوم وفنون کی بقا تحفظ اور ارتقا کی کفیل انسان کی نو بہ نو حوائج وضروریات ہیں۔ اور وہ خود انسان کو معاشی، اقتصادی، سیاسی اور حربی امور کے وقت اور زمانہ کے تقاضوں کے تحت نو بہ نو فنون وصنائع، ایجادات و اختراعات اور مصنوعات کو عدم سے وجود میں لانے پر مجبور کرتی رہیں گی۔

علوم دینیہ الٰہیہ کو دنیا میں لانے اور محفوظ رکھنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے بعد ان انبیاء کے ورثاء یعنی حاملین علوم انبیاء، علماء حق ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام دینار و درہم، مال ومتاع، جائداد وجاگیر ترکہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ علوم نبوت کی وراثت چھوڑتے ہیں، جو ان کے نقش پر چلنے والے حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کے طبقہ میں قرناً بعد قرن منتقل ہوتی چلی آتی ہیں، اور نظام عالم کے توازن کو برقرار رکھتی ہیں۔ خاص کر خاتم النبیین سید الاولین والآخرین ﷺ کی امت کے علماء اور حاملین علوم کتاب وسنت، کہ ان کے متعلق تو سرکار کائنات کا ارشاد ہے العلماء ورثة الأنبياء۔ اس حدیث کے پیش نظر علماء امت کا کام وہی ہے جو انبیاء کا کام ہے۔

اس بحث وتنقیح سے یہ بات تو بالکل ہی صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع یا تصادم قطعاً نہیں ہے۔ ہاں دونوں کے مقاصد اور دائرہ کار جدا جدا ہیں۔ اس لیے یہ بالکل حقیقت ہے کہ اگر ان انسانی علوم وصنائع کو خالق کائنات کی مرضی اور منشا کی روشنی میں انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جائے تو یہ دنیا ساری دین بن جائے اور پھر دین اور دنیا میں تفریق جو محض ایک شیطانی مفروضہ اور منصوبہ ہے بالکل ہی مٹ جائے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ اگر انہیں علوم انبیاء کو حصول دنیا اور جلب خواہشات واغراض نفسانی کا وسیلہ بنالیا جائے تو نہ صرف یہ کہ پورا دین، دنیا بن جاتا ہے۔ بلکہ خالق کائنات کی امانت میں خیانت اور بہت بڑا جرم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اگر دنیا کا حصول دنیا کے وسائل کے ذریعہ ہو تو عین مصلحت اور عقل کا تقاضہ ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن اگر دین کو صرف حصول دنیا کا وسیلہ بنالیا جائے تو یہ وضع الشيء في غير محله کسی چیز کا بے محل استعمال ہے اور بہت بڑا ظلم اور انتہائی قبیح جرم ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ علوم نبوت کا اصلی مقصد آخرت کے ثمرات وبرکات تو ہیں ہی، لیکن آخرت سے پہلے اسی دنیاوی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی حیات طیبہ اور پاکیزہ ماحول کی تشکیل اور صالح وخدا شناس وخدا پرست معاشرے کی تخلیق بھی علوم انبیاء کا اہم فریضہ ہے۔ جس کے بارے میں وہ دنیا و آخرت دونوں میں مسئول ہیں۔ خدا شناسی، خدا پرستی، خدمت خلق، امن وامان کی ضمانت، انسانیت کی فلاح وبہبود، انسانی کمالات وفضائل اور وسائل سعادت ایک قابل رشک معاشرے کے وہ خدوخال ہیں جو انسان کو صحیح معنی میں مسجود ملائک

اور اشرف المخلوقات بنا دیتے ہیں، اور علوم آخرت کے ثمرۂ بے شمار اس دنیا کو بھی جنت بنا دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے علمی و عملی فتنے

ہر دور میں فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر فتنے دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک عملی فتنے دوسرے علمی فتنے۔

عملی فتنے: گناہوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ جو امت میں عام ہو جاتی ہیں۔ زنا اور شراب کی کثرت، سود خوری و رشوت ستانی، بے حیائی و عریانی، رقص و سرور، اس کے نتیجے میں استبداد، کذب و افتراء، بدعہدی و بدمعاملگی وغیرہ۔ یہ اخلاقی بیماریاں جو معاشرہ میں پیدا ہو جاتی ہیں ان کے مختلف اور متنوع وجوہ و اسباب ہوتے ہیں۔ بہر صورت ان بد اخلاقیوں اور بد اعمالیوں کے اثرات نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ سارے ہی اعمال صالحہ پر پڑتی ہے۔ جتنی ان برائیوں میں کثرت و ہمہ گیری پیدا ہوتی ہے اتنی ہی ان نیکیوں میں ضعف و اضمحلال اور کمی آجاتی ہے۔

علمی فتنے: وہ ہوتے ہیں جو علوم و فنون کی راہ سے آتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں ان علمی فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں۔ بہر صورت ان علمی فتنوں کا اثر براہ راست اعتقاد پر پڑتا ہے۔ ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ باطنیہ کا تھا جو قرامطہ کے دور میں ابھرا اور خوب پھلا پھولا۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا اور برا نتیجہ یہ نکلا کہ دین میں الحاد و تحریف کا دروازہ کھل گیا، اور اسلامی حقائق، ضروریات دین، متواترات اسلام، بنیادی عقائد و اعمال، مجمع علیہ شعائر اسلام میں تاویلوں اور تحریفوں کے دروازے کھل گئے۔

اس آخری دور میں یہ فتنہ بہت بڑے پیمانے پر تمام اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا۔ اور مستشرقین یورپ نے تو اس کو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، نشر و اشاعت، تحقیق و ریسرچ، غرض ہر دلکش اور پر فریب عنوان سے اس کے پیچھے پڑ گئے۔ اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف کر دیں، اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک کارگر ترین حربہ قرار دیا۔ یہاں تک کہ جو طلبہ اسلامی ممالک سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے یورپین ممالک کا سفر کرتے ہیں، ان درس گاہوں میں ان طلبہ سے اسلامی موضوعات پر ایسے مقالات و مضامین لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلبہ بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم از کم تشکیک کے اندر ضرور مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ دردناک داستانیں ہیں جن کی تفصیل کے لیے بے پایاں دفتر درکار ہیں۔

مجمع الزوائد میں حافظ نور الدین ہیثمی نے بحوالہ معجم طبرانی ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی رضی اللہ عنہ نقل کی ہے:إنه كان يتعوذ من فتنة المشرق. قيل: فكيف فتنة المغرب؟ قال: تلك أعظم وأعظم۔ یعنی نبی کریم ﷺ فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے۔ بہت ہی بڑا ہے۔ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آپؐ کی مراد فتنۂ مغرب سے کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ سقوطِ اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ غرق ہو گیا، اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا۔ تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہو گیا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ بلادِ مغرب کے اس فتنہ میں استشراق کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد و تحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہو گا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہو گا۔ بہر حال الفاظ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

بقیہ: نظامِ طاغوت سے برأت

علامہ سرخسیؒ نے اپنے مذکورہ بالا فتوے میں جو یہ فرمایا کہ ”اس سے کفر و شرک کی عظمت و شوکت ہو گی، جس کی اعانت حرام ہے“۔ تو دراصل اسی ضابطۂ شرعی کا اعلان فرمایا۔ محدث دہلویؒ کے جملے اسی اصلِ اصیل کے ترجمان ہیں، حضرت تھانویؒ نے ”تعلیمات وغیرہ“ کی نوکریاں بھی اگر ”کوئی اور صورت معاش کی نہ ہونے“ کی شکل ہی میں مباح ٹھہرائیں تو ان کی نگاہ بھی ولا تعاونوا على الاثم والعدوان کے تیور دیکھ رہی تھی۔ اور حق تو یہ ہے کہ نظام طاغوتی کی یہ نوکریاں اگر تعاون علی الاثم نہیں ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ تعاون علی الاثم ایک ایسا تصور ہے، جس کی خارج میں کوئی عملی تعبیر نہیں۔ پس حیرت اس بات پر نہ ہو گی کہ ان بظاہر معصوم نوکریوں کو اس عارض کی بنا پر ناجائز کہہ دیا جائے، بلکہ حیرت اس امر پر ہو گی کہ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان کی باترتیل و باتجوید قرأت کرتے رہنے کے باوجود اس کا کوئی محل نہ قرار دیا جائے، حتیٰ کہ نظامِ کفر کی گاڑی بانی بھی اس کی زد سے صاف نکل جائے۔ لیکن بااین ہمہ یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ برائی کے معاملے میں یہ تعاون کی سب سے ہلکی شکل ہے اور اس کی شناعت دوسری دونوں قسموں کے مقابلے میں کم اور بہت کم سزاوارِ نکیر ہے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

بقیہ: جمہوری ریاست کا حاکمِ اعلیٰ کون؟!

کیا اس ریاستی نظام کی گندگی میں رہتے ہوئے اس کی اصلاح میں اپنے آپ کو تختۂ دار کے لیے تیار کرنا ہے یا اس سے بغاوت کرتے ہوئے اس کے علمبرداروں کو تختۂ دار پر لا کھڑا کرنا ہے؟

[ان موضوعات کو مزید سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو: 'ادیان کی جنگ: دینِ اسلام یا دینِ جمہوریت، از مولانا عاصم عمر' اور 'عصر حاضر میں جہاد کی فکری بنیادیں، از ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان'۔ (ادارہ)]

نظامِ طاغوت سے برأت

حضرت مولانا صدر الدین اصلاحی رحمہ اللہ

نظامِ جاہلیت کے محکوم مسلمان

ان چند اصولی مقدمات کے بعد اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اگر شامتِ اعمال سے کوئی مسلم گروہ کسی نظامِ جاہلی کا محکوم بن جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ اس نظام کو کس نگاہ سے دیکھے؟ اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرے؟ تعاون کا یا عدمِ تعاون کا؟

مناسب ہوگا کہ اس مہتم بالشان مسئلے پر غور کرنے سے پہلے ہم نظامِ جاہلیت یا نظامِ غیر اسلامی کا مفہوم ذہن میں تازہ کرلیں، اور جس وقت ہم کوئی رائے قائم کرنے جارہے ہوں اس وقت یہ حقیقت ہماری نگاہوں کے سامنے اپنی پوری اہمیت کے ساتھ موجود ہو کہ کسی غیر اسلامی نظام میں حکومت وسیاست کی بنیاد وہ نہ ہوگی جو اسلام نے مقرر کی ہے، حقِ حاکمیت اللہ تعالیٰ کا تسلیم نہ ہوگا، منبع قانون کتاب وسنت نہ ہوگی، دیوانی اور فوجداری کے قانون اسلام کے نہ ہوں گے (اور بعض کی شکل اسلامی ہوئی بھی تو اس کی بنا ہرگز اسلام کی نہ ہوگی)، آئینی اور غیر آئینی امور یعنی حلال وحرام کی تعیین شریعت محمدی سے بے نیاز ہوگی، مختلف مسائلِ زندگی میں اربابِ اقتدار کا فیصلہ ہی فیصلہ ہوگا۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اس میں مشورہ دینے تک کا بھی کوئی اختیار نہ ہوگا، حتیٰ کہ خود مسلمانوں کے نجی اور اندرونی معاملات (پرسنل لاز) میں بھی انہیں "اسلام" پر عمل کرنے کی جو آزادی ہوگی وہ حقیقتاً اس بنیاد پر نہ ہوگی کہ یہ ان کے "حقوق" ہیں بلکہ اس لیے ہوگی کہ اس نظامِ جاہلیت نے اپنے مغلوب حریف (اسلام) کو ازراہِ شفقت اس حد تک سانس لینے کی اجازت دے رکھی ہے۔

جس نظامِ جاہلی کا ہیولیٰ یہ ہو، اس کی صورت کو خواہ کتنا ہی دل کش بنا کر کیوں نہ پیش کیا جائے، ایک مردِ مومن، مومن ہوتے ہوئے اس پر ریجھ جانے کے لیے آخر اپنے آپ کو کتنا فریب دے؟ جس نظام کے اندر دستوریہ، انتظامیہ، عدلیہ، سارے ہی کلیدی ادارے خدا فراموش انسانوں کے خود ساختہ اصولوں پر قائم ہوں، اسے ایک پیروِ اسلام کس نگاہ سے دیکھے؟ اگرچہ اس کا جواب طبعاً کچھ خوش گوار نہیں، مگر اس کے سوا اور کوئی جواب ممکن بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس اسلام کا تعاون علی الاثم کے بارے میں وہ رویہ ہو جس کی ایک جھلک بعض لوازمِ جاہلیت کے سلسلے میں ابھی آپ نے دیکھی' وہ اس مجسم جاہلیت کے ساتھ تعاون کا نام بھی سننا کب گوارا کرے گا! ہاں اگر زندگی کے ان دائروں میں اس کے اپنے کچھ اصول و قوانین نہ ہوتے تو بلاشبہ اس ناگواری کی کوئی وجہ نہ تھی، مگر جب یہ ایک مسلم بات ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ نہیں جہاں اسلام "حاضر وناظر" نہ ہو تو اس ناگواری کا ہونا ہر حال میں لازمی ہے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ ایک مومن کسی بھی نظامِ جاہلی سے سکونِ قلب کے ساتھ تعاون کرسکے۔ ایک ہی سانس میں وہ اسلام کا نمائندہ اور علم بردار بھی ہو اور اس کے حریف کا خیمہ بردار بھی، یہ ایک ناقابل تصور بات ہے، یا کم از کم یہ کہ ایک نادیدنی صورتحال ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ منکر سے رکنا ہی نہیں بلکہ روکنا بھی ایمان کا لازمہ ہے "التوبۃ رکوع:١٠" اور اس کے مٹا دینے کے جذبۂ بے قرار سے خالی ہوجانا مرگِ ایمان کی نشانی ["مسلم"] اور اس کی طرف بلانا منافقین کا خاصہ ہے [التوبہ رکوع:١٠]۔ اور اس "منکر" کی تعریف ہمارے علماء نے یہ کی ہے کہ "ہر وہ چیز منکر ہے جس کو شرع رد کردے، یا عقلِ سلیم ٹھکرادے[1]" تو شرع ان سیاسی، معاشرتی، انتظامی، عدالتی اصول وضوابط کو رد نہیں کرتی جو کسی بھی نظامِ جاہلیت میں برسرِ پیکار ہوتے ہیں؟ اگر کسی کا ذہن صرف قتل، زنا، چوری اور جھوٹ جیسے امور ہی کو منکر محسوس کرتا ہے تو اس کی بات ہی اور ہے۔ مگر جو شخص منکر سے مراد وہ لیتا ہے جو واقعتاً ہے، وہ تو ان باتوں کو منکر ہی نہیں منکرِ مبین سمجھنے پر مجبور ہوگا اور اگر وہ کسی سودی معاملے میں گواہ بننے سے سو بار اللہ کی پناہ مانگے گا تو یقین فرمایئے کہ ایسے منکرات کے اجرا و استحکام میں ساز گاری کرنے سے ہزار بار پناہ چاہے گا۔

تعاون کے مختلف مراتب

لیکن جو شخص یا گروہ ایسے نظام کے پنجوں میں جکڑا ہوا ہو وہ اس سے یکسر بے تعلق تو ہو نہیں سکتا۔ پھر ایسی حالت میں واقعی اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں، اور اس کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ ایک زبردست سوال ہے جس کا صحیح حل ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ تلاش کرنا ہے۔

اس نظام کے ساتھ اس کا تعلق دو طرح کا ہوسکتا ہے ایک تو اختیاری دوسرا غیر اختیاری، ظاہر ہے کہ جس تمدنی اور انتظامی تعلقات کے رکھنے پر وہ بالکل مجبور ہے، اور اپنی خواہش اور پسند کے علی الرغم مجبور ہے، ان کے سلسلے میں اس پر کوئی داروگیر نہیں۔ البتہ تعلق کی پہلی نوعیت ضرور قابل غور ہے، اور ہمیں دراصل اسی تعلق کے بارے میں شرع شریف کا نقطۂ نگاہ معلوم کرنا ہے۔ اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اس اختیاری تعلق کی مختلف صورتیں جان لینی چاہییں، کیونکہ جب تک ہم یہ نہ جان لیں کہ اس سراپا جاہلیت (نظام غیر اسلامی) سے تعاون

---

[1] المنکر ما ینکر بہا (منکر ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو شرع یا عقل کے نزدیک ناپسندیدہ ہو) (مفردات راغب اصفہانی)

(اختیاری تعلق) کی شکلیں کیا کیا ہیں، اور ان میں سے ہر ایک درجہ کیا ہے، اس وقت تک صحیح نتیجے پر پہنچنا بسا دشوار ہے۔

جہاں تک اصولِ تقسیم کا تعلق ہے، ہم اختیاری تعلق یعنی فعلِ تعاون کی دو موٹی قسمیں قرار دے سکتے ہیں۔ ایک اساسی دوسری فروعی۔ اساسی سے مراد یہ ہے کہ اس نظام کے قیام و بقا میں براہِ راست شرکت کی جائے، جسے آپ اس نظام کی پیشوائی اور علم برداری کہہ سکتے ہیں۔ اس قسم میں نظامِ حکومت کی دو بنیادی باتیں شامل ہیں، دستوریہ کی شرکت اور مقننہ کی رکنیت۔ فروعی قسم میں اس نظام کی عام ملازمتیں شامل ہیں، جن کی حیثیت اس نظام کے پیکر میں اعضا و جوارح کی ہے، جب کہ قسمِ اساسی کی مثال اعضائے رئیسہ اور قوائے مدرِکہ کی سی ہے۔

پھر اس قسم فروعی کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ ملازمتیں جن کے فرائضِ منصبی بجائے خود معصیت ہیں، اور ان میں ایسے امور سرانجام دینے پڑتے ہیں جو براہِ راست شرع کے خلاف ہیں۔ مثلاً محکمۂ آبکاری کی ملازمتیں، سودی اداروں (بینکنگ وغیرہ) کی ملازمتیں، ججی اور منصفی جیسی ملازمتیں، قتال فی غیر سبیل اللہ کی ملازمتیں وغیرہ۔ دوسری قسم ان ملازمتوں کی ہے جو بجائے خود تو معصوم معلوم ہوتی ہیں اور بظاہر اِن میں کوئی امر منکر انجام دینا نہیں پڑتا، لیکن چونکہ وہ ایک غیر اسلامی نظام کا جزو ہیں اور ان سے جاہلیت کے وسیع کاروبار میں اعانت ہوتی ہے، اس لیے وہ گناہ کا کام بن جاتی ہیں۔ گویا آپ ان کے بارے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ بالذات تو معصیت نہیں مگر بالغیر ضرور معصیت ہیں، مثلاً محکمۂ رسل و رسائل کی ملازمتیں، محکمۂ نقل و حرکت کی ملازمتیں، محکمۂ تعلیم کی ملازمتیں (بعض شرطوں کے ساتھ) محکمۂ صحت کی ملازمتیں وغیرہ۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اختیاری تعلق کی یہ تینوں اقسام تعاون علی الاثم کی حدود میں شامل تو ہیں، لیکن ان سب کا حکم یکساں نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک کارِنا کردنی ہونے کا سوال ہے یہ ناپاک داغ موجود تو سب ہی کی پیشانیوں پر ہے۔ مگر ان کے مدارج میں فرق بھی ایک مسلّم بات ہے۔ ہر داغ کی ناپاکی یکساں گھناؤنی قرار نہیں دی جا سکتی۔ ہم یہاں ان تینوں ہی اقسام کے ضمن میں علاحدہ علاحدہ گفتگو کرتے ہیں۔

۱۔ دستوریہ اور مقننہ کی شرکت

کسی نظامِ حکومت کی اساس، جس پر اس کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، اس کا آئین ہے، یا پھر وہ قوانین، جو اس آئین کی بنیاد پر بنتے ہیں۔ اس لیے آئین سازی اور قانون سازی کے کاموں میں شرکت سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ اگر یہ آئین وہ نہیں جو کتاب و سنت میں مسطور ہے، بلکہ اس کے خدوخال بالکل ہی جداگانہ ہیں، اور وہ ان اساسات اور اقدار کو مانتا ہی نہیں جو اسلام کی فراہم کردہ ہیں تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس آئین و قانون سے اعلان بےزاری ایمان باللہ کے ابتدائی تقاضوں میں داخل ہے، اور اس کی کونسلوں میں بیٹھنا دراصل بنائے اسلام پر تیشہ چلانا ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ پر اٹھتی ہے۔ اب اگر ایک ایسا دستور بن رہا ہو جس کی پہلی اینٹ، انسانی اقتدارِ اعلیٰ اور جمہور کی حاکمیت پر رکھی گئی ہو تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ پہلے ہی قدم پر اللہ تعالیٰ سے اعلانِ بغاوت ہو گیا، جس کے بعد کسی مسلمان کا اس دستور کی تدوین و تنفیذ میں ہاتھ بٹانا اللہ جلّ مجدہٗ کے ناقابلِ منازعت حقوق میں گستاخانہ مداخلت ہے، ایسی مداخلت جو ملحدوں، منکروں اور مشرکوں ہی کو زیب دیتی ہے، اور جو سب سے بڑا "تعاون علی الاثم والعدوان" ہے۔ اب آئندہ اس کے جو قدم بھی اٹھیں گے عملاً اسی عفریتِ جاہلیت کی خوشنودیٔ خاطر میں اٹھیں گے، خواہ زبان اس کے خلاف ہی وقفِ گویائی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ مسلم ہونے کی حیثیت سے وہ اس نظام کی بیخ کنی پر مامور ہے، اور اس سرچشمۂ منکرات کے خلاف پیہم سعی و جہد اس کا فرض لازم ہے۔ لیکن کوئی بتائے کہ اس انسان کے دل میں کسی نظام جاہلیت کی شاخوں اور ٹہنیوں سے بھلا کیا انقباض محسوس ہو گا جو خود اپنے خونِ جگر سے سینچ کر زمین کو نم کرتا ہے تاکہ اس میں اس کی تخم ریزی ہو سکے، اور پھر اس پر برابر اپنی جان چھڑکتا رہتا ہے تاکہ یہ شجرِ خبیث اچھی طرح پروان چڑھ سکے، پھولے پھلے، اور اس قابل ہو جائے کہ پوری انسانی زندگی کو اپنے سائے میں لے لے۔ منطق کی دنیا شاید اس اعجاز کو تسلیم کر لے مگر عمل کی دنیا تو اس کا یقین نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے طرزِ عمل کو، جو اپنی صوابدید اور خواہش کے مطابق معاملات کا فیصلہ کیا کرتے ہیں، کفر، ظلم اور فسق سے تعبیر فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ[1]......الظّٰلِمُوْنَ......الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷)

---

[1] اس آیت کے بارے میں عجیب و غریب نکتہ آفرینیاں کی جا رہی ہیں اور یہ فرما کر کہ "یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، گویا کوئی بہت قیمتی انکشاف کیا جا رہا ہے۔ ایک تو یہی متفق علیہ نہیں ہے کہ یہ خاص طور پر یہودیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے" لیکن مان لیجیے کہ با اعتبارِ شان نزول یہ آیت یہودیوں ہی کے حق میں خاص ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس سے فرق کیا پڑ جاتا ہے؟ کیا اس فقرے میں وضو اور طہارت کا کوئی جزوی مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ شریعت موسوی ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ اور اب چونکہ وہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے اس لیے اہل قرآن کو اس سے کوئی واسطہ نہیں؟ یا پھر حقیقت واقعہ اس کے برعکس ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل ضابطہ اور دین کا ایک محکم اصول بیان کیا گیا ہے، جو شریعتوں کے بدل جانے سے خود بھی نہیں بدل جاتا؟ تعجب ہے کہ اتنی بدیہی بات کو نہیں سمجھا جاتا اور اس طرح گویا ظاہر کیا جاتا ہے کہ "معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے ضوابطِ عدل و مکافات بھی تغیر پذیر ہیں، بعض قوموں کے ساتھ اس کا قانون جزا و سزا کچھ اور ہے اور بعض قوموں کے ساتھ کچھ اور، ایک ہی کام گر یہودی کرے تو قابلِ گردن زدنی اور وہی کام اسی نوعیت سے اگر مسلمان کرے تو قابلِ درگزر۔ جو حضرات آیتِ مذکورہ کی وعیدوں کو یہودیوں کا 'حق محفوظ' قرار دے کر خود مطمئن ہو جانا چاہتے ہیں، جب بزعمِ خود حضرت یوسف علیہ السلام کو فرعونِ مصر کی

”جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر......ظالم......فاسق ہیں۔“

جب غیر الٰہی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا ظلم اور فسق اور کفر کا کام ہے تو اندازہ فرمائیے کہ قوانین الٰہی کے مقابلے میں آئین و قانون بنانے والا کس زمرے میں شمار ہوگا؟ ایسے ہی لوگ تو ہیں جن کو طاغوت کا لقب دیا گیا ہے۔ جہاں یہ فرمایا گیا کہ:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ (النساء:٦٠)

”یہ منافق چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ طاغوت سے کرائیں۔“

کھلی بات ہے کہ اس طاغوت سے مراد ابلیس نہیں ہے[1]، بلکہ وہ یہودی سردار ہے [بالخصوص کعب بن اشرف یا ابو برزی اسلمی کاہن (تفسیر روح المعانی)] جو خود ساختہ اصولوں پر لوگوں کے مقدمے طے کیا کرتے تھے، دراں حالیکہ اللہ کا قانون ان کی بغل میں موجود تھا۔ اسی طرح ایک اور جگہ ایسے قوانین کو جو خلافِ شرع ہوں، قوانینِ جاہلیت فرمایا گیا:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ (المائدہ:۵۰)

”کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔“

اب جو لوگ اس ضابطۂ جاہلیت کے خالق ہوں ان کی پوزیشن پر غور کر لیجیے۔ ظاہر ہے کہ جب یہی آئین سازی اور قانون سازی پورے نظامِ جاہلیت کی جڑ ہے تو اس کام میں شرکت کرنے والا تعاون علی الاثم کی سب سے بڑی صورت اختیار کرنے والا ہوگا اور اس کی حیثیت دیگر معاونینِ جاہلیت کے مقابلے میں ہادی، رہنما اور سربراہِ کار کی ہوگی۔ پھر اس کا جرم بھی لازماً اسی تناسب سے زیادہ خوفناک ہوگا۔ افک کے واقعے میں آلودہ تو بہت لوگ تھے، مگر آخری سزا اور ”عذاب عظیم“ کی سزا صرف اس بدبخت کے حصے میں آئی جو اس افک کا مصنف اور اس ہنگامے کا لیڈر تھا، چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النور:۱۱)

”ان میں سے ہر ایک نے جس مقدار کا گناہ کمایا ہے وہ اس کی سزا پائے گا، اور ان میں سے جو اس (واقعہ ہائلہ) کا سر دھرا ہے اس کو بڑی سزا ملے گی۔“

اب جو لوگ اس ضابطۂ جاہلیت کے خالق ہوں ان کی پوزیشن پر غور کر لیجیے۔ ظاہر ہے کہ جب یہی آئین سازی اور قانون سازی پورے نظامِ جاہلیت کی جڑ ہے تو اس کام میں شرکت کرنے والا تعاون علی الاثم کی سب سے بڑی صورت اختیار کرنے والا ہوگا اور اس کی حیثیت دیگر معاونینِ جاہلیت کے مقابلے میں ہادی، رہنما اور سربراہِ کار کی ہوگی۔

خلافِ شرع قانون سازی کی یہی جوہری نجاست ہے جس کے باعث علمائے دین نے اس کو معصیتِ فاحشہ قرار دیا ہے۔ مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی مرحوم سے پوچھا گیا کہ ”کچھ لوگوں نے جو سرکارِ انگریزی میں باعزت و وقار ہیں (مطلب یہ ہے کہ اس کی مجلس قانون ساز میں نامزد کیے گئے ہیں) اور انہوں نے قانون خلافِ شرع کے بنایا ہے، ایسے قانون کو قبول کرنا اہل اسلام کو درست ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ بسبب اس قانون بنانے کے کافر ہوگئے یا نہیں؟“۔ آپ نے جواب دیا:

”ھو المصوّب۔ حق جل شانہ کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے ” وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ “ پس ایسا قانون، جو خلافِ شرع کے ہو، قبول کرنا اس کا اہل اسلام پر حرام ہے، اور جو اس کے موافق عمل کرے گناہ اس کا مقنن قانون کی گردن پر ہوگا......اور ایجاد کرنے والے نے اگر قانونِ شرعی کو برا سمجھا اور اس کے ساتھ راضی، اور ان کو خلافِ مصلحت وغیرہ کافی تصور کیا تو وہ کافر ہوگئے...... اور اگر انہوں نے قانونِ شریعت کو برا نہ سمجھا تو اگرچہ کافر نہیں ہوئے مگر بہت بڑے فاسق ہوئے۔“

(فتاویٰ جلد دوم، مطبوعہ مطبع یوسفی، صفحہ ۴۸، ۴۹)

اسی طرح ابھی پچھلے دنوں جب ہندوستان میں طاغوتِ برطانیہ دادِ فرماں روائی دے رہا تھا تو ایک خاص موقع پر پانچ سو علمائے امت کے دستخطوں سے یہ فتویٰ صادر ہوا تھا کہ کونسلوں میں شرکت حرام ہے۔ اور اس کی جو وجوہ بتائی گئی تھیں ان میں دیگر عارضی اور وقتی وجوہ کے ایک بنیادی اور مستقل وجہ یہ بھی تھی کہ:

”کونسل میں اکثر غیر شرعی قانون وضع کیے جاتے ہیں[2]، جن کی تحریک یا تائید یا اس پر سکوت باوجود قدرتِ مخالفت کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رای منکم منکراً فلیغیره بیده وان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه، مگر مسلم ممبرانِ کونسل یہ سب کچھ کرتے ہیں جس کے شواہد واقعاتِ ماضیہ اور خود موجودہ قوانین کا نفاذ ہے۔“

حکومت میں کام کرتے دیکھتے ہیں تو اس اسوۂ حسنہ کو دوڑ کر اس طرح اپنا لیتے ہیں گویا قرآن کا سب سے اول اور آخر حکم یہی ہے۔ کیا اس موقع پر یہ یاد نہیں پڑتا کہ یہ رویہ تو ایک ایسی شریعت میں اختیار کیا گیا تھا جو منسوخ ہو چکی ہے۔“

[1] چنانچہ طاغوت کا مطلب علمائے ادب نے یہ بیان کیا ہے، الطاغوت عبارة عن كل معتد و كل معبود من دون الله۔ ولما تقدم سمى الساحر والكاهن والمارد من الجن والصارف عن طريق الخير طاغوتاً (طاغوت سے مراد وہ ذات ہے جو اپنی حدِ جائز سے تجاوز کر جائے اور ہر چھوٹا معبود بھی طاغوت ہے۔ اسی بنیادی معنیٰ کے باعث جس کا ذکر ہوا، ساحر، کاہن، شریر جن اور راہِ حق سے روکنے والے انسان سب طاغوت کہلاتے ہیں) (مفرداتِ راغب)

[2] یہی وجہ ہے کہ محدث دہلویؒ نے اس ملک کو بھی دار الحرب فرمایا ہے جس میں اگرچہ شعائر اسلام جاری ہوں مگر ان کے نفاذ کی بنیاد اس کا اقتدارِ اعلیٰ نہ ہو بلکہ حکام کی بے تعصبی ہو۔ (فتاویٰ عزیزیہ، حصہ اول)

دنیائے افتا کی تاریخ میں شاید ہی کوئی فتویٰ اتنے اہتمام سے شائع ہوا ہو جس پر پانچ پانچ سو علمائے دین کی مہرِ توثیق ثبت ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ تھا بھی کچھ اسی شان و اہمیت کا، اس لیے کہ دین سے ناواقف اور مغرب زدہ مسلمانوں کا ایک گروہ طاغوتی پارلیمنٹوں[44] کی شرکت میں کوئی قباحت سمجھتا ہی نہ تھا۔ اور ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ایک معمولی گناہ بھی اس وقت گناہِ کبیرہ بلکہ گناہِ اکبر بن جاتا ہے۔ جب لوگ اس کے گناہِ عظیم ہونے کے تصور سے بے گانہ ہو جائیں، یا ہوتے جا رہے ہوں، چہ جائیکہ خلافِ شرع قانون سازی کا سا گناہِ عظیم! نظامِ جاہلیت سے تعاون کی اور شکلیں بھی ہیں۔ ان سب کے مقابلے میں اس خاص شکل کی سب سے زیادہ اہمیت اس لیے ہے کہ اس کا تعلق انسان کے عقائد و نظریات سے ہے، نہ کہ محض عمل سے، اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اعتقادی بے راہ روی عملی خامیوں سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

۲. نظامِ جاہلی کی خاص ملازمتیں

نظامِ جاہلی سے تعاون کی دوسری قسم بھی اپنے معصیت اور حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں رکھتی۔ جو کام بجائے خود گناہ ہو اس کو ایک نظامِ باطل کی چاکری اور خدمت گزاری کا ”شرف“ بھی اگر میسر آ جائے تو وہ تو دو آتشہ بن جائے گا، اور اگر ابھی تک اس کا شمار منکرات میں تھا تو اب فحشاء کی فہرست میں جا داخل ہو گا۔ یعنی اکہری معصیت دوہری بن جائیگی، ذرا غور تو فرمایئے،

ایک شخص ایک ساہوکار کی دوکان پر بیٹھا منیمی[45] کر رہا ہے اور اس کے سودی کاروبار کا حساب کتاب اور اس کی دستاویزات لکھتا ہے تو شریعتِ محمدی اس کو ملعون قرار دیتی ہے۔ اب اگر وہی شخص ایک جاہلی نظامِ حکومت کا کارکن بن جاتا ہے اور بینک کا ملازم بن کر سودی لین دین کرتا ہے، دوسری طرف اس نظام جاہلیت کے اجرا واستحکام میں معاون بھی بنتا ہے، تو کیا اب بھی اس کی ملعونیت اسی درجے کی رہے گی، جس درجے کی ساہوکار کی دوکان پر تھی؟ کون ہے جو اس کی اس ”ترقیٔ درجات“ کا انکار کر سکے! اسی ایک مثال پر اس طرح کی باقی ملازمتوں کو بھی قیاس کر لیجیے۔ اگر شراب کا غریب قلی تک اللہ رب العالمین کی نگاہوں میں مبغوض ہے تو محکمۂ آبکاری کا ملازم کیوں مبغوض تر نہ ہو گا، جب کہ وہ ساتھ ہی ایک سراپا جاہلیت نظام حکومت کی جڑیں بھی مضبوط کر رہا ہو؟ اگر قوانین الٰہی کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والا کفر اور فسق اور ظلم سے رشتہ جوڑ بیٹھتا ہے تو طاغوتی عدالتوں میں بیٹھ کر اپنے فیصلے نافذ کرنے والا اسلام سے محبت کا کیونکر دعویٰ کر سکتا ہے، جب کہ وہ ایک سراسر باطل مشینری کا اہم پرزہ بھی بنا ہوا ہو؟ اگر لشکرِ اسلام کے ساتھ ہو کر لڑنے والا نام نہاد مجاہد جہنم رسید ہو جاتا ہے محض اس لیے کہ اس کے سامنے کلمۂ حق کی سربلندی نہیں بلکہ قوم کی سربلندی تھی تو اس جنگ باز کے لیے کس جنت کے دروازے کھل جائیں گے جو کلمۂ حق کی سربلندی کے بجائے قومی سربلندی ہی کے لیے نہیں لڑتا بلکہ ایک طاغوتی اقتدار کا بول بالا کرنے کے لیے لڑتا ہے؟ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی نظامِ باطل کے ساتھ ایسے تعاون کو جائز نہیں سمجھ سکتا۔ اس سلسلے میں اگر آپ فقہاو علمائے امت کے فتووں کی تائید بھی ضروری سمجھتے ہیں تو حسبِ ذیل فتووں پر نظر ڈالیے۔

اگر لشکرِ اسلام کے ساتھ ہو کر لڑنے والا نام نہاد مجاہد جہنم رسید ہو جاتا ہے محض اس لیے کہ اس کے سامنے کلمۂ حق کی سربلندی نہیں بلکہ قوم کی سربلندی تھی تو اس جنگ باز کے لیے کس جنت کے دروازے کھل جائیں گے جو کلمۂ حق کی سربلندی کے بجائے قومی سربلندی ہی کے لیے نہیں لڑتا بلکہ ایک طاغوتی اقتدار کا بول بالا کرنے کے لیے لڑتا ہے؟

الف. قتال فی غیر سبیل اللہ کے بارے میں شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

”اگر کافر بادشاہ پر کسی دوسرے کافر بادشاہ نے حملہ کیا ہو تو ایسی صورت میں مسلم رعایا کا اپنے کافر بادشاہ کی طرف سے قتال کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے شر و کفر کی شوکت و عظمت ہو گی جس کی اعانت حرام ہے“ (کتاب المبسوط، شمس الدین السرخسی، الجزء المعاشر، باب نکاح اہل الحرب ودخول التجار الیہم بامان، ص۹۷،۹۸ مصر ۱۳۲۴ء)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ بھی اس کی تصریح میں لکھتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم کے زیرِ عَلم جنگ کرے، اگرچہ وہ جنگ خود اعدائے دین ہی سے کیوں نہ ہو رہی ہو اور اس ارشاد نبوی کا کہ ”انا بریئ من کل مسلم مع مشرك“ اسی صورتحال سے تعلق جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

”نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ہر اس مسلم سے بری ہوں جو کسی مشرک کے ساتھ ہو، یعنی جب وہ مسلم مشرکوں کے جھنڈے تلے لڑ رہا ہو۔“ (حوالۂ سابق، کتاب السیر ص ۲۴)

ب: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ مولات کفار کے بارے میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رہا سوال بمعنیٰ معاونت کا مسئلہ تو اس کا حکم ایک متعین ضابطے پر مبنی ہے، اور وہ یہ کہ کفر و معصیت کے کاموں میں اعانت بالاتفاق بجائے خود ایک معصیت ہے، کیونکہ ارشاد باری ہے ولا تعاونوا......الخ (گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) یہ معاونت کبھی بامعاوضہ ہوتی ہے، جسے عرف عام میں نوکری کہتے ہیں، اور کبھی بے معاوضہ ہوتی ہے جسے مدد اور کمک کہا جاتا ہے ان دونوں قسموں کا شرعی حکم ایک ہی ہے۔ یعنی اگر کفار کسی مسلمان سے جنگ کرنے جا رہے ہوں، یا اہل اسلام کے ہاتھوں سے کوئی ملک چھین لینا چاہتے ہوں تو

[44] Parliament یا اسمبلیاں۔ (ادارہ)

[45] منیمی یعنی حساب کتاب۔ (ادارہ)

ایسی حالت میں ان کفار کی نوکری بھی حرام ہے اور مدد بے مزد بھی حرام ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اگر کفار باہم خود برسرپیکار ہوں یا کسی ایسے ملک کا نظم و نسق چلانا اور اس کی مالیات جمع کرنا چاہتے ہوں جو پہلے ہی سے ان کا مقبوضہ چلا آرہا ہو اور اس سلسلے میں کسی مسلمان کو نوکر رکھ لیں تو جہاں تک ظاہر شرع کا تعلق ہے یہ نوکری مباح ہے، جیسا کہ عام اجارات مثلاً خیاطت اور تجارت وغیرہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ اور ایسی ملازمتیں بھلا کیوں نہ مباح ہوں گی جب کہ اکابر سلف کا مشرکین کی نوکریاں کرنا ثابت ہے۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو نوکریاں بھی حرمت سے خالی نہ نکلیں گی۔ بالخصوص اس زمانے میں کیونکہ کفار کی ملازمتیں، خصوصاً اس وقت جب کہ انہیں ملت کے سربرآوردہ لوگ اختیار کریں، کتنے ہی دینی مفاسد کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ سب سے چھوٹا مسئلہ جو ظہور میں آتا ہے یہ ہے کہ ان کا فر اربابِ اقتدار کی بری حرکتوں پر ٹوک دینے میں مداہنت برتنے لگتا ہے اور ان کی پند و خیر خواہی کا حق ادا کرنے میں چشم پوشی اختیار کر جاتا ہے، ان کی جمعیت کا وزن بڑھاتا ہے، ان کی غیر معمولی عزت و تکریم کرنے لگتا ہے، ان کو آقا اور مالک اور قبلہ کہتا ہے، ان کی محبت کے گیت گانے لگتا ہے۔"

(فتاویٰ عزیزیہ، صفحہ ۱۴)

اس فتوے کو غور سے پڑھیے، حضرت شاہ صاحب کفار کی ان انفرادی ملازمتوں کو بھی، جن کی حیثیت کسی کا کپڑا سلا دینے یا سودا خرید و فروخت کر دینے کی ہے۔ بظاہر مباح ٹھہرانے کے باوجود گہرے جائزے کے بعد "خالی از حرمت" نہیں بتاتے۔ پھر ان ملازمتوں کی ان کی نگاہ میں کیا حیثیت ہوگی جو شانِ انفرادیت نہیں رکھتیں بلکہ جن کے معنیٰ یہ ہیں کہ خود اپنے اوپر اور دوسرے پیروانِ اسلام کے اوپر اس اثمِ اکبر اور اس منکرِ اعظم کی گرفت کو ڈھیلی نہ ہونے دیں جو نظامِ حکومت کے نام سے ان پر مسلط ہے، اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ ان میں لازماً ایسے امور انجام دینے پڑتے ہوں، جو بذاتِ خود منصوص طور پر، اور براہِ راست حرام ہوں۔

ج. مولانا عبدالحی صاحبؒ فرنگی محلی ایک استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں:

"جس نوکری میں پابندی اجرائے احکامِ غیر شرعیہ کی اور اجرائے احکام ظلم وغیرہ کی نہ ہو وہ درست ہے اور جن میں یہ امور ہوں وہ حرام ہیں۔" (جلد دوم ص ۱۶۲)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ دورِ حاضر کے علماء میں سے بعض بزرگوں کی رائیں سن لیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے افکار و خیالات کے سب سے بڑے اور معتمد شارح مولانا عبدالباری ندویؒ مسئلہ زیرِ بحث کے بارے میں مولانا کا یہ فتویٰ نقل فرماتے ہیں:

"البتہ (حکومتِ کافرہ کی) نوکریوں میں کم از کم اتنی احتیاط کی ہدایت ہے کہ اگر کوئی اور صورت معاش کی نہیں تو تعلیمات وغیرہ کی ویسی نوکریاں کرو جن میں عدالتی عہدوں وغیرہ کی طرح شریعت کے احکام کی صراحتاً مخالفت نہ کرنا پڑے۔ اس طرح اگر دیکھتے ہو کہ کوئی ایسا مالی و جانی مقصد یا ناقابل تحمل ضرر پہنچ رہا ہے جس کے رفع کے لیے عدالتی چارہ جوئی سے چارہ نہیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ فقہاء نے ایسی صورتوں میں رفعِ ظلم اور حصولِ حق کے لیے رشوت تک کی اجازت دی ہے۔" (ماہنامہ معارف، جنوری ۱۹۴۷ء جلد ۹ شمارہ ۱، ص ۴۷،۴۸)

اسی طرح ایک بار حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے ایک نائب تحصیل دار نے رجوع کیا اور ان سے اپنی ملازمت کے بارے میں اپنے اس قصد کا اظہار کرتے ہوئے فتویٰ پوچھا کہ سرکارِ انگریزی کی اس ملازمت کو ناجائز سمجھ کر چھوڑ دینا چاہتا ہوں، تو مولانا نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"میں جہاں تک سمجھا ہوں، آپ کو جب کہ دوسرا طریقۂ اکلِ حلال میسر ہے تو آپ کو اس ملازمت کو چھوڑ ہی دینا چاہیے۔ اگرچہ وہ اہم "استفتا[1]" میری نظر سے نہیں گزرا، مگر جو مضمون اس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اقرب الی الصواب ہے۔ آپ کے احباب کا حکم میری[2] سمجھ میں نہیں آتا اگرچہ وہ علماء ہیں۔"

ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر اسلامی حکومت کی نوکری فی نفسہٖ ناجائز نہیں تو اسے چھوڑ دینے کا فتویٰ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ پس مولانا (مدنی) کا یہ فرمانا کہ "اس ملازمت کو چھوڑ دینا چاہیے" مطلب یہ رکھتا ہے کہ یہ ملازمت ان کے نزدیک جائز نہیں۔

علمائے حال و ماضی کی ان واضح تصریحات پر غور کیجیے۔ اگرچہ یہ فتوے مختلف ملازمتوں سے متعلق ہیں لیکن اصل وجہِ حرمت ان سب میں مشترک ہے، اور وہ یہ کہ ان میں احکامِ غیر شرعیہ پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ ویسے ان فتووں میں مسئلہ زیرِ بحث کے قریب قریب سارے ہی پہلوؤں پر الگ الگ روشنی پڑ گئی ہے۔ اس لیے اگر آپ ان ساری تصریحات کو یکجا کر کے دیکھیں تو مسئلہ پوری طرح منقح ہو جاتا ہے، اور نظامِ جاہلیت کی ایسی ملازمتوں کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ جن میں محرمات شرعیہ کو بجا آوری بھی کرنی پڑتی ہے۔

۳. عام ملازمتیں

تعاون علی الاثم کا سب سے آخری اور معمولی درجہ ان ملازمتوں کا ہے، جو مذکورہ بالا خاص ملازمتوں کے علاوہ ہوں، جن میں بجائے خود کوئی خلاف شرع کام نہ کرنا پڑتا ہو، اور جن کی ناپاکی کا اس کے سوا کوئی اور باعث نہیں کہ وہ ایک سراسر فاسد نظامِ حکومت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں فی نفسہٖ تو کوئی قباحت نہیں، مگر چونکہ وہ ایک جاہلی نظام کے کل پرزے کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے ان کو تعاون علی الاثم سے باہر نہیں قرار دیا جا سکتا، اور نہ دین کے مزاج شناسوں نے انہیں ایسا قرار دیا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 68 پر)

[1] اس اہم استفتا سے مراد مولانا مودودیؒ صاحب کا مشہور پمفلٹ "ایک اہم استفتا" ہے جس کے مضمون کا حوالہ دے کر فتویٰ پوچھا گیا تھا۔

[2] حکم ان احباب کا، جن میں علماء و مشائخ بھی شامل تھے، یہ تھا کہ آپ اس ملازمت کو ہرگز نہ چھوڑیں، مسلمانوں کی ملی مصلحت کا مفاد اسی میں ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ "ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنۃ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم رحمہ اللہ ہیں، جنہیں میادین جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے افغان جہاد' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

محترمی و مکرمی اور میرے عزیز بھائیو!

السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنون! آج مجھے کسی بھائی کے توسط سے خبر ملی ہے کہ بھائی جان کا انتقال ہو گیا ہے، إنّا لله وإنّا إليه راجعون، "بلاشبہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں"۔

بھائی جان کے انتقال کی اس اندوہناک خبر نے مجھے مغموم کر دیا، ہم ایک مشفق مربی سے محروم ہو گئے ہیں، یقین کریں وہ واقعی ایک مشفق مربی تھے، جب میرے بچے وہاں جاتے تھے تو میں بے فکر ہو جاتا تھا، وہ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کی کمی برسوں تک ہمارے دل میں قلق پیدا کرتی رہے گی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس دارِ فانی سے اتنی جلدی ہمیں داغِ مفارقت دے کر چلے جائیں گے۔ مجھے اس بات سے بہت افسوس ہوا کہ میں ان کی تجہیز و تدفین میں شریک ہونے سے محروم ہو گیا ہوں۔ میں آپ سب کے غم میں برابر کا شریک ہوں، اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، ان کی مغفرت فرمائے، ان کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو معاف کرے، ان کی کوتاہیوں کو درگزر فرمائے، ان کی قبر کو کشادہ بنائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کی جدائی کا غم سہنے کی توفیق دے اور اس پر صبر جمیل سے نوازے، آمین!

بس انسانی زندگی ایک سانس کی دیر ہے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ جس سے کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن ضرور مرنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (سورۃ الانبیاء: ۳۵)

"ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔"

ہم آئے دن اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ آج کسی کا باپ فوت ہو گیا ہے، تو کل کسی کا بیٹا مر گیا ہے، تو پرسوں کسی کی ماں کی موت ہو گئی ہے، تو اس سے اگلے دن کسی کے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے اور ایک دن اور ایک لمحہ ایسا بھی آئے گا کہ مشاہدہ کرنے والا اس دارِ فانی سے خود رخصت ہو جائے گا۔

اس حقیقت کا ادراک کون کرتا ہے؟ وہ شخص اس حقیقت کا ادراک کرتا ہے جو موت کی تیاری میں لگا رہتا ہے کہ ایک دن مجھے اس دنیا سے کوچ کر جانا ہے اس لیے وہ اس دنیا کو محض ایک گزر گاہ، مسافر خانہ اور ایک چلتی ہوئی ریل کی بوگی ہی سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ اس دنیا کو مستقل مسکن نہیں بناتا اور نہ ہی وہ یہاں سامان زیست اکٹھا کرتا ہے اور نہ ہی دنیا کی بھول بھلیوں میں الجھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کرتا ہے اور نہ ہی کسی اندرونی و بیرونی طالع آزما کو اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جو وقت اسے دیا گیا ہے وہ انتہائی قیمتی ہے اور اس کے بارے میں اس کا رب اس سے ضرور پوچھے گا کہ تم نے اپنی جوانی کہاں گنوائی؟ تم نے جو کمایا وہ کہاں خرچ کیا؟ یہ جو وقت کی صورت میں چند لمحے تمہیں میسر تھے، وہ تم نے کہاں کھپائے؟

سچی بات تو یہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ مہلتِ وقت انسانوں کو اس لیے دی ہے تاکہ وہ اس امتحان گاہ میں اگلی منزل کی تیاری کے لیے اچھا نامۂ اعمال مرتب کر لیں کیوں کہ یہاں کے اچھے اعمال اگلی منزل پر اچھا نتیجہ اور برے اعمال برا نتیجہ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ خود انسانی زندگی کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ۝ (سورۃ الملک: ۲)

"اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔"

محترمی و مکرمی میرے عزیز بھائیو! دانا وہ شخص ہے جو موت و زندگی کی ابدی حقیقت کا ادراک کرتا ہے، خواہ دنیا کی نظر میں وہ شخص دیوانہ یا پاگل ہی کیوں نہ کہلائے مگر حقیقت میں وہی شخص دانا و بینا ہے جو اس ابدی حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے اگلی منزل کی ہولناکی پر نگاہ جمائے ہوئے اس کار گاہِ حیات میں سہم سہم کر زندگی گزارتا ہے، کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ سوائے اپنے اچھے اعمال کے دنیا کی کوئی چیز اگلی منزل میں کام نہیں آئے گی، حتیٰ کہ قریب ترین رشتہ

دار باپ، بھائی، ماں، بیٹا...بلکہ اس دن تو یہ ماں باپ بھائی بہن ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ وہ ایسا دن ہوگا کہ ہر شخص نفسا نفسی کے عالم میں ہوگا۔ کوئی کسی کی پروا نہیں کرے گا۔ اس ہولناک منظر کی تصویر کشی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح کی:

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ○ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ○ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ○وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ○(سورۃ عبس: ۳۲-۳۵)

"تو جب (قیامت کا) غل مچے گا۔ اس دن آدمی اپنے بھائی سے دُور بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔"

قیامت کے دن ہر شخص کو ایک فکر لاحق ہوگی اور وہ یہ ہے کہ اس کا نامۂ اعمال سامنے سے دائیں ہاتھ پر دیا جائے گا یا پیچھے سے بائیں ہاتھ پر۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بیان فرماتا ہے:

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ○ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ○ وَيَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِهِ مَسْرُورًا○وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ○فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ○وَيَصْلَى سَعِيرًا○ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا○إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ○(سورۃ الانشقاق: ۷ تا ۱۴)

"بس جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش و خرم لوٹے گا اور جس کا نامۂ اعمال اس کے پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا (کیونکہ) یہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں مست رہتا تھا اور وہ خیال کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اُسے پلٹ کر نہیں جانا ہے۔"

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم میں سے کتنے لوگ موت و زندگی کی اس ابدی حقیقت کا ادراک کرتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی اس زندگی کو اگلی منزل کی تیاری کے لیے لگاتے ہیں، ہر شخص اپنے اوپر محاسب ہے۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اپنے معاملات کا جائزہ لے کر خود ہی اپنا محاسبہ کر سکتا ہے اور اندازہ لگا سکتا ہے کہ دنیا میں میرا معاملہ کیسا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا، یعنی "تم اپنا محاسبہ خود ہی کر و اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے" (یعنی موت آنے سے پہلے پہلے اپنا محاسبہ کر لیں ورنہ موت آنے کے بعد محاسبہ کا یہ باب بند ہو جائے گا اور محاسبہ کا اگلا باب شروع ہو جائے گا جو ہمارے ہاتھ میں نہیں ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ○(سورۃ المنافقون: ۱۱)

"اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔"

ذرا دیر کے لیے ہم سوچتے ہیں کہ جو لوگ موت و زندگی کی اس کھلی کتاب پر غور نہیں کرتے اور اپنی زندگی کو اگلی منزل کی تیاری کے لیے نہیں لگاتے باوجود اس کے کہ ان کو آئے دن یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ایک آدمی سفید چادر اوڑھ کر زمین کے ایک معمولی ٹکڑے میں دفن ہو جاتا ہے۔ پھر کیوں وہ اس دنیا میں دل لگاتا ہے؟ کیوں وہ اس مسافر خانہ میں سامانِ زیست اکٹھا کرتا ہے؟ کیوں وہ اپنی اولاد کو اس دنیا کی بھول بھلیوں میں لگا کر، اس کی آتش کدہ میں ڈال کر آزمائش کرتا ہے اور اس کی عاقبت خراب کرتا ہے؟ اس انسان سے صرف یہ کہا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم: ٦)

"تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔"

کیا وہ شخص نادان ہے جو اپنی اولاد کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ پر لگا کر ان کی آخرت کی راہ ہموار کرتا ہے اور دنیا کی چند روزہ آرام و عیش کی بجائے آخرت کی ابدی زندگی کے آرام و عیش کی فکر کرتا ہے؟

محترمی و مکرمی میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حاکم (حکم دینے والا، اور دنیا پر حکومت کرنے والا) بنا کر بھیجا ہے، مسلمان اپنا اصل کام چھوڑ کر (کفار کی پیدا کردہ نوکری، جو غلامی کی ایک شکل ہے) چند ٹکوں کی خاطر اس میں اپنی زندگی برباد کر رہا ہے، اصل بات یہ ہے کہ اب تک ہم زندگی و موت کی ابدی حقیقت کا ادراک نہیں کر پائے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ابدی حقیقت کا ادراک کرنے کی توفیق دے جس سے ہم اپنی دنیا و آخرت سنوار سکیں، آمین۔

میں نے دردِ دل کے ساتھ یہ چند باتیں صرف تذکیر و یاددہانی کی غرض سے اس پُر ملال موقع کی مناسبت سے لکھی ہیں۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اس خط کو سب رشتے داروں کے سامنے پڑھا جائے گا تاکہ میری طرف سے تعزیت اور نصیحت کا پیغام اُن تک پہنچ سکے۔ سب کو میری طرف سے سلام عرض ہو۔ ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کی ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تہہِ دل سے مرحوم کے لیے دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اس عظیم سانحہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اپنی آخرت کی راہ ہموار کر سکیں، آمین!

سب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو عنقریب ملنے کا موقع آئے گا (ان شاء اللہ)۔

والسلام

آپ کا بھائی

نوٹ: مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے شرعی طریقے اپنائیے جن میں سے چند درج ہیں:

۱. اولاد کا ہر نیک عمل ماں باپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔

۲. ان کی طرف سے صدقہ و خیرات مستحقین اور اللہ کی راہ میں دینا بھی ثابت ہے۔

۳. مرحوم کو دعاؤں میں خصوصی طور پر یاد رکھا جائے۔ خصوصاً یہ دعا: رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا، یعنی "اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے ہمیں بچپن میں شفقت سے پرورش فرمایا"...... یہ دعا ان کے بچوں کو ضرور بکثرت پڑھنی چاہیے۔

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: دسمبر ۲۰۱۹ء

معین الدین شامی

اللہ پاک کا نہایت فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا، انسانوں میں مسلمان بنایا اور مسلمانوں میں بھی رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف و اعزاز بخشا۔ اللہ پاک ہمیں رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی امتیوں والے اوصاف سے متصف فرمالے اور ہمیں خاتمہ بالخیر عطا فرمائے، آمین یاربّ العالمین۔

انڈیا اور پاکستان کی جنگی حکمتِ عملی

خبروں میں آپ نے سنا ہو گا کہ انڈیا نے ۳۰ نومبر ۲۰۱۹ء کی رات کو 'اگنی III'، بلاسٹک میزائیل کا تجربہ کیا ہے۔ یہ میزائیل سطح سے سطح پر ساڑھے تین ہزار کلومیٹر تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ، کہ یہ میزائیل ڈیڑھ ٹن وزنی 'جوہری ہتھیار' (یا ایٹم بم) لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ ہے ہندوستان کی جنگی تیاری کی ہلکی سی جھلک۔

پاکستان کیا کر رہا ہے؟ نور جہاں، نیلم منیر اور کاف کنگنا۔ باقی کام شیخ رشید کے سپرد ہے کہ ''ہمارے پاس پاؤ، پاؤ، آدھا آدھا پاؤ کے بھی ایٹم بم ہیں۔ ہمارے پاس انچ انچ، آدھا انچ، پونی انچ اور دو انچ کے بھی بم ہیں...''۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں، تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سِناں اول، طاؤس و رباب آخر

اقبالؔ کے اس شعر کے مطابق ہم حساب لگا سکتے ہیں کہ 'ہماری' تقدیر کیا ہے؟!

انڈین ایجنٹ

ہمارے حکمرانوں، افواج اور خفیہ ایجنسیوں کے پاس کوئی ڈھنگ کا الزام نہیں ہے۔ جو مخالفت کرتا ہے اس کو انڈین ایجنٹ قرار دے دیتے ہیں۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کی بہن 'فاطمہ جناح' جب فوجی اسٹیبلشمنٹ کے مقابل آئی اور ایوب خاں کے مقابلے میں الیکشن لڑا تو ایوب اور اس کے ہم نواؤں نے کہا کہ 'محترمہ فاطمہ جناح انڈیا کے ساتھ ملی ہوئی ہیں'۔ دھندھواں (smog) پھیلی تو پہلے کی بات چھوڑیں، ابھی وزیرِ سائنس و ٹیکنالوجی فواد چودھری بولا کہ انڈیا نے چھوڑی ہے۔ مجاہدین نفاذِ شریعت کا مطالبہ کریں اور اس کی محنت کریں تو انڈین ایجنٹ ہیں۔ پھر حال ہی میں ایک کمال مزید ہو گیا۔

وزیر اعظم کے معاونِ خصوصی ندیم افضل چن نے یہ کہہ کر 'چَن' چڑھایا کہ جمعیت علمائے اسلام کے حالیہ آزادی مارچ کے پیچھے غیر ملکی قوتیں کار فرما ہیں اور اشارہ تھا انڈیا کی طرف۔ حالانکہ اس حالیہ مارچ کے کئی پہلو ہیں جن پر 'ہم' بھی تنقید کر سکتے ہیں جن میں سرِ فہرست، دین کے نام کا استعمال اور بلاول زرداری اور مریم نواز کی حمایت، پھر غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس 'مارچ' کی تشبیہات وغیرہ، لیکن کچھ تو سوچو کہ ہر مخالف کو 'انڈین ایجنٹ' کہہ دیتے ہو؟

بابری مسجد کو ڈھانے کا ذمہ دار کون؟

بابری مسجد اور رام مندر مقدمے کی پیروی کرنے والے مدعیوں میں ایک 'مسلمان' مدعی 'ہاشم انصاری' ہیں۔ نرموہی اکھاڑے کی طرف سے ہندو مہنت (مہنت یعنی پنڈت) رام چندر اور ہاشم انصاری عدالت میں ایک دوسرے کے خلاف پیش ہوتے اور عدالت جاتے تو ایک ہی رکشے میں۔ کھاتے اکٹھا، پیتے اکٹھا، اٹھنا بیٹھنا سب ایک ساتھ۔ یہ ہندو پنڈت مرا تو ہاشم انصاری صاحب اس کی لاش کے پاس ساری رات بیٹھے رہے اور سوگ مناتے رہے۔ پھر جب ہاشم انصاری مرے تو ہندو ان کے مرنے پر افسردہ رہے۔ ہاشم انصاری کے بعد ان کے بیٹے اقبال انصاری نے مقدمے کی پیروی شروع کر دی۔

اب رام مندر کے حق میں فیصلہ آیا تو یہ سب 'مسلمان' مبارک باد دینے اکھاڑے والوں کے پاس پہنچ گئے اور کئی پنڈتوں اور سادھوؤں کے ساتھ مل کر 'بھت' کھایا۔

بابری مسجد ہندوؤں نے نہیں اس 'سیکولرازم' نے ڈھائی ہے!

دعا منگی اغوا

ایک معروف سندھی خاندان 'منگی' کی 'چشم و چراغ' دعا ہے۔ نجانے دعا منگی[1] تھی یا 'بد دعا منگی' تھی۔ محترمہ بوائے فرینڈ کے ساتھ رات میں جا رہی تھیں کہ 'ڈاکوؤں' نے روک لیا۔ روک کر اسے اغوا کیا اور اس کے بوائے فرینڈ 'حارث' کو مزاحمت پر گولیاں ماریں، یہ آئی سی یو میں پڑا ہے۔

حامدہ چمکی نہ تھی، فیشن سے جو بے گانہ تھی
اب شمعِ انجمن ہے، پہلے چراغِ خانہ تھی

---

[1] منگی: پنجابی میں مانگی گئی کو بھی کہتے ہیں۔

ڈاکوؤں کا اس خاتون کو اٹھانا یقیناً مذموم ہے بلکہ ان ڈاکوؤں کو پکڑ کر عدالتِ شرعی میں پیش کرنا چاہیے، یہ واقعی ظلم ہے۔ لیکن ڈاکوؤں کو 'کلفٹن' اور 'ڈیفنس' کی مخلوق جس قسم کے 'بھڑکاوے' دے رہی ہے وہ بھی قابلِ مذمت ہے[1]۔ بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کا ڈرامہ جو سین دکھا رہا ہے، یہ صرف پہلی پہلی قسطیں ہیں، یہ ڈرامہ تیرہ قسطوں پر ختم نہیں ہو گا، یہ سٹار پلس کے ڈرامے کی طرح سیکڑوں قسطوں پر جائے گا اور ہر قسط ہی 'المیہ' ہو گی!

پھر یہ 'محترمہ' رہا بھی ہو گئیں، تاوان کے بدلے۔ یہاں سیکیورٹی ایجنسیوں اور پولیس کا 'کردار' بھی واضح ہوتا ہے۔ اگر کوئی شریعت کا مطالبہ کرے یا جہاد کی حمایت کرے تو، انٹیلی جنس رپورٹوں، جیو فینسنگ (geo fencing)، فارنزک (forensics) اور نجانے کیا کیا چھان بین کر کے اس 'غریب' کا سراغ لگا کر، اس کا 'قانونی' اغوا کر لیا جاتا ہے۔ لیکن 'امنِ عامہ' اور 'عوام کی حفاظت'، جس کے یہ ادارے اربوں روپے کھاتے ہیں، کی بات آ جائے تو ایک دھیلے کی پیش رفت بھی نہیں ہوتی؟!

پی ٹی آئی میں کس قسم کے لوگ شامل ہیں؟

پی ٹی آئی کے بانی ارکان میں سے ایک ایڈووکیٹ حامد خان ہے۔ جیسے پیپلز پارٹی میں 'جیالا' ہوتا ہے، اسی قسم کا آپ اس حامد خان کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ ذرا سی حالیہ پارٹی پالیسی پر تنقید کی تو پارٹی کے سیکرٹری جنرل نے نکال باہر کیا اور شوکاز نوٹس جاری کر دیا۔ حامد خان کیا کہتا ہے؟ خود ہی پڑھ لیں کہ پارٹی میں کس قسم کے لوگ شامل ہیں۔ مثال کے طور پر چند نام ہم نے 'صفات' کے ذکر کے ساتھ قوسین میں لکھ دیے ہیں:

"مفاد پرست (فواد چودھری، فردوس عاشق اعوان، ندیم افضل چن، عثمان بزدار، حفیظ شیخ، عامر لیاقت، راجا ریاض)، زمین پر قبضے کرنے والے [علیم خان، (ویسے آج کل کپتان کی ملک ریاض سے بھی خوب دوستی ہے ذاتی جہازوں میں تصویریں ہی دیکھ لیں)]، شوگر مافیا (جہانگیر ترین) اور دیگر کرپٹ مافیا (فیصل واوڈا) مجھے پارٹی سے زبردستی نہیں نکال سکتے!"

WoW، وومن آن وہیلز (Women on Wheels)

اس نعرے سے اگر کوئی مطلب لے کے کوئی کرتب وغیرہ کی بات ہو رہی ہے تو بھی مسئلہ نہیں، بلکہ اصل میں تو یہ سرکس ہی ہے، ایسی سرکس جس میں عورت کو نچایا جا رہا ہے، بیچا جا رہا ہے اور پھر اسے استعمال کر کے پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ منصوبہ پہلے پنجاب میں شروع ہوا تھا اور اب سندھ میں بھی اس کا آغاز کیا گیا ہے۔ منصوبہ یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی کے نام پر ان میں موٹر سائیکلیں سرکاری سطح پر تقسیم کی گئی ہیں تا کہ وہ 'خود مختار' ہو سکیں۔ 'Careem' نے تو اشتہار لگایا تھا کہ 'دلہن کو اگر شادی کی رات بھاگنا ہو تو کریم کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل والی "سروس" کے ذریعے بھاگے'۔ حکومت کہتی ہے کہ کریم کا کیا کرنا ہے خود ہی سیکھو اور پہلے ہی بھاگ جاؤ۔

ہمارے 'دانش ور'، 'سیکولر' اور 'لبرل' ہیں تو بہت خوش لیکن یہ عورتوں کا موٹر سائیکل دوڑانے کے قصوں میں انجام بھی دیکھ لیں۔

ابھی دو ہفتے قبل، ہندوستان کے شہر حیدر آباد میں ایک ستائیس سالہ عورت اپنے موٹر سائیکل پر ڈاکٹر کے یہاں جا رہی تھی، راستے میں ٹائر پنکچر ہو گیا، قریب کھڑے ٹرک ڈرائیور نے کہا کہ میں مدد کرتا ہوں۔ پھر اس ڈرائیور اور مبینہ طور پر اس کے تین ساتھیوں نے اس 'پڑھی لکھی' عورت کے ساتھ زیادتی کی پھر اس کو قتل کیا اور اس کی لاش کو جلا دیا۔

انڈیا میں ۲۰۱۷ء کے اعداد و شمار کے مطابق تینتیس ہزار چھ سو اٹھاون (33,658) عورتوں کے ساتھ بالجبر زیادتی کی گئی، یعنی یومیہ تقریباً بانوے (92) عورتوں کی عزتیں لٹیں۔ اور انڈیا کا وہ معاشرہ جہاں 'زناء بالرضا' عین 'قانونی ر جائز' ہے۔ لیکن ہمیں کوئی سبق سیکھنے کی ضرورت نہیں!

'قرن فی بیوتکن'[2] نہیں، باہر نکالو، پھر باہر بھی موٹر سائیکل چلواؤ، ٹائر پنکچر کرواؤ، پھر عزتیں نیلام کرواؤ اور پھر قتل کروا کر نذرِ آتش کر دو......WoW!

معیشت تباہ خان!

عمران خاں نام ہے بلند و بانگ دعوے کرنے اور لمبی لمبی چھوڑنے کا۔ 'شیخ چلی' کی کہانیاں تو آپ نے پہلے سنی ہوں گی، اگر شیخ چلی کی جگہ عمران خاں لکھ دیا جائے تو کچھ مختلف شاید نہ ہو۔

لوگوں کے کاروبار تباہ ہوئے ہیں، قرضے اوپر چڑھے ہیں، مہنگائی بڑھی ہے۔

صرف شہر لاہور میں سو گاڑیوں کے شوروم بند ہوئے ہیں۔

پاکستان کے قرضوں میں چھ کھرب روپے کا اضافہ ہوا ہے۔

مہنگائی تین گنا بڑھنا معروف ہے، لیکن ٹماٹروں کو دیکھیں تو دو سو روپے سے کم کہیں کلو دستیاب نہیں اور لوگوں کی ڈھٹائی کے ساتھ ہنسی اڑاتے ہوئے 'حفیظ شیخ' کہتا ہے کہ 'سترہ روپے کیلو سابزی مانڈی میں مل راہے بائیں!'، پوچھا کون سی سبزی منڈی میں؟ تو بولا آپ جا کر چیک کر لیں......

چیک تو کر ہی رہے ہیں۔ کسی نے کہا تھا کہ عمران خاں نے پاکستان سے تیل نکالنے کی بات کی تھی، یہ تیل زمین سے یا زیرِ سمندر نہیں نکلا تو کیا ہوا، قوم کا تیل تو نکل ہی رہا ہے!

سیف سٹی اتھارٹیاں کیا کر رہی ہیں؟

یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ میں جو خواتین کے ساتھ ہراسگی کی گئی، یہ ظاہر و باہر ہے۔

[1] مراد ان علاقوں میں رہنے والوں کی 'مال داری' پر تنقید نہیں، ان کے چونچلے اور لائف سٹائل مراد ہیں۔

[2] "ٹکی رہو اپنے گھروں میں"، (سورۃ الاحزاب: ۳۳)۔

خفیہ کیمرے جگہ جگہ نصب تھے اور ان کے ذریعے خواتین کی ویڈیوز و تصاویر بنائی جاتی رہیں۔ بیت الخلاء، کوریڈورز اور دیگر ایسی جگہوں پر یہ کیمرے نصب تھے جہاں کوئی فرد اکیلا ہو سکتا ہے۔ خواتین کی حرمت یقیناً زیادہ ہے ورنہ مَردوں کی بھی ایسی مقامات مثلاً بیت الخلا میں یہ ویڈیوز بنتی رہیں۔

ذرا سوچیے کہ لاہور کے سیف سٹی پراجیکٹ کے چیف آپریٹنگ افسر اکبر ناصر نے جب فلم 'دال چاول' بنائی اور کہا کہ 'ان کا ادارہ سیف سٹی اتھارٹی لاہور میں نصب آٹھ ہزار (8000) سے زائد کیمروں[1] کی مدد سے مسلسل شہر کی نگرانی کرتا ہے۔ ان کیمروں میں روزانہ ہزاروں کہانیاں نظر آتی ہیں'، تو یہ کیا کیا ان کیمروں میں نہیں دیکھتے ہوں گے؟ سیف سٹی پراجیکٹ کے ٹوئٹر اکاؤنٹ پر موجود تصویریں دیکھیں جو لاہور کی کینال روڈ (نہر والی سڑک) پر لی گئی ہیں، ان میں گاڑیوں میں بیٹھے افراد کے چہرے بھی واضح دِکھ رہے ہیں۔ جبکہ دعا منگی کیس میں جب پوچھا گیا کہ اتنے پوش علاقے میں سی سی ٹی وی کیمروں کی مدد سے مجرموں کی شناخت کیوں نہ کی گئی تو کہا کہ کیمروں کی کوالٹی اتنی خراب ہے کہ اس سے افراد کے چہرے تو کیا گاڑی تک نہیں پہچانی جاسکتی!

یہ آٹھ ہزار کیمرے تو سامنے ہیں، نجانے کہاں کہاں انہوں نے کیمرے لگا کر 'پرائیویسی' برباد کر رکھی ہے۔ نجانے کس کس کو کیسے کیسے یہ ادارے 'واچ' نہیں کر رہے اور کیسے کیسے بلیک میل نہیں کر رہے؟ بلوچستان یونیورسٹی میں جس قدر 'پارسا' بیٹھے ہیں اس سے کہیں زیادہ پاپی پولیس میں ہیں اور یہ پولیس کا عملہ سٹیز (cities) کو سیف بنارہا ہے؟!

بس جہاں بھی جایئے، احتیاط کے ساتھ جایئے، آپ کی ذاتی زندگی، بلکہ انتہائی ذاتی زندگی سے بھی آپ کی 'ریاست' کو لگاؤ ہے!

اس لگاؤ کے لیے آٹھ ہزار کیمرے لاہور میں ہیں اتنے ہی یا اس سے زیادہ پنڈی اسلام آباد میں اور اس سے پہلے ڈرون قبائلی اور غیر قبائلی علاقوں میں منڈلاتے پتہ نہیں کیا کرتے رہے ہیں؟

کس سے منصفی چاہیں؟

ریاست کے کہتے ہیں چار پانچ ستون ہیں۔ ان میں ایک عدلیہ ہے۔ یہ عدلیہ ایک احتساب کا ادارہ بھی ہے، عدل بھی اس کا کام ہے اور لوگوں کو انصاف دینا بھی۔

سپریم کورٹ کے جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کے خلاف صدارتی ریفرنس کی سماعت سپریم جوڈیشل کونسل میں جاری ہے۔ اس سماعت میں یہ انکشاف کیا گیا کہ ججوں کی مخبری کی جاتی ہے اور ان کے فون بھی ٹیپ کیے جاتے ہیں۔ قاضی فائز عیسیٰ کی بیوی کا نام لوگوں کو معلوم نہ تھا لیکن، بذریعہ نگرانی یہ معلوم کیا گیا اور پھر پبلک میں لیک کر دیا گیا۔

سماعت کے دوران جسٹس منصور علی شاہ نے قاضی فائز عیسیٰ کے وکیل سے پوچھا کہ 'کیا آپ اس (سرویلنس/surveillance) کا مطلب بتاسکتے ہیں، آیا کسی کا پیچھا کرنا یا کسی کے بیڈ روم میں کیمرے لگانا ہے؟'۔ جواب ملا 'کسی کے نجی معاملات میں مداخلت سرویلنس کے زمرے میں آتا ہے۔'

مزید معلوم ہوا کہ جب چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے خلاف پرویز مشرف نے ریفرنس بھیجا تو اس میں افتخار چودھری کی اپنے گھر والوں (یعنی خواتین) سمیت تصویریں بھی تھیں۔

یہ تو ہے اس ادارے کا حال جس نے انصاف اور عدل مہیا کرنا ہے۔ اس کے جج محفوظ نہیں۔ سرکار جب پیچھے پڑتی ہے تو آئی بی اور ایف آئی اے کو لگاتی ہے اور جب فوج پیچھے پڑتی ہے تو آئی ایس آئی اور ایم آئی کو لگاتی ہے۔

بنے ہیں ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں

قانونی رشوت اور ریاض ٹھیکیدار

ریاض ٹھیکیدار یعنی ملک ریاض کو کون نہیں جانتا۔ پاکستان کا بہت بڑا بزنس ٹائیکون اور مافیا۔ کراچی بحریہ ٹاؤن کے لیے 'پبلک پراپرٹی'، سرکار سے کوڑیوں کے مول لے کر کھرب ہا روپے میں 'پبلک' ہی کو بیچنے والے، ریاض ٹھیکیدار کو اسی پراجیکٹ میں جب بدعنوانی کا سامنا کرنا پڑا اور مقدمے کھلے تو اس نے فوراً سپریم کورٹ آف پاکستان کو آفر کر دی۔

آفر میں چار سو ساٹھ ارب روپے پیش کیے گئے، اور دوسری episode میں انیس کروڑ پاؤنڈ...... چند دن میں یہ سپریم کورٹ کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے اور اللہ اللہ خیر صلا! کیس ختم...... پیسہ ہضم!

مہدی کی پہلی جنگ

روایاتِ حدیث میں وارد ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ' جو اللہ کے حکم سے دنیا کو 'امن' سے بھر دیں گے، ان کی پہلی جنگ 'جزیرۃ العرب' کے حکمرانوں اور فوجوں کے خلاف ہو گی۔

یہ روایت جب راقم نے چند سال پہلے، پہلی بار سنی تو رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر من و عن یقین و ایمان آ گیا۔ جزیرۃ العرب، جس کا اکثر حصہ آج 'سعودی عرب' کہلاتا ہے، اس کے حکمرانوں کے جو کرتوت ہمارے سامنے تھے، ان کو دیکھ کر ذرا بھی تامل نہ ہوا کہ مہدی کی پہلی جنگ اس خطے کے حکمرانوں سے کیوں ہو گی؟!

[1] فل ایچ ڈی ہی نہیں فور کے، ایٹ کے کیمرے!

لیکن جب اس فرمانِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنے اور جانے ہوئے کئی سال بیت گئے اور آج کا سعودی عرب نظروں کے سامنے آیا تو مہدی کی 'پہلی' جنگ کے لیے اس محاذ کا ہونا سو میں سے ہزار فیصد سمجھ میں آگیا۔

جزیرۃ العرب پر جو 'نسل' قابض ہے اسے 'آلِ سعود' کہتے ہیں۔ لیکن یہ سعود یعنی سعادت مندوں کی نسل نہیں، یہ سلول کی روحانی نسل ہے۔ سلول، رئیس المنافقین عبد اللہ ابنِ ابی کی نسل کا نام ہے۔ ابنِ ابی بھی وہ جرائم نہ کر سکا جن سے آلِ سعود اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ اور ناپاک کر رہی ہے۔

اس آلِ سعود کے 'جدید' باپ جس نے جزیرۃ العرب پر 'سعودی' بادشاہت قائم کی کا نام 'عبد العزیز' تھا، جس کے افعال و اعمال میں 'العزیز' کی عبدیت کے بجائے 'انجلیز' یعنی انگریز کی عبدیت جھلکتی ہے۔ اس شخص نے امتِ مسلمہ کا پٹرول امریکی صدر 'فرینکلن ڈی روزویلٹ' کے ہاتھوں، کوڑیوں کے مول بیچنے کا سودا کیا۔ پھر اس کی 'بد بخت' اولاد نے امریکی صلیبیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن میں فوجی کیمپ بسا کر دیے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح وصیت فرمائی تھی کہ 'اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب!'، اہلِ شرک کو (میرے وطن) جزیرۃ العرب سے نکال باہر کرو!

پھر اس کے بیٹے سلمان اور اس سلمان کے بیٹے محمد نے، جس کو محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں، بلکہ یہ حضور کا نافرمان اور بدترین دشمن ہے، رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن کو 'فحاشی و عریانی اور شراب نوشی و حرام کاریوں' کا اڈہ بنا دیا۔ چند جرائم میں قحبہ خانے، شراب خانے، عریاں ساحل، جوئے کے اڈے، فحش ترین میوزیکل کانسرٹس (جن میں وہ حرکتیں کی جاتی ہیں جن کا بیان ناممکن ہے)، بے حیائی کا فروغ، عورتوں کی 'ریسلنگ'، علماء کو قید میں ڈالنا...... شامل ہے۔

پھر جس واقعے نے مجھے ابھی یہ چند سطریں لکھنے پر مجبور کر دیا وہ 'سعودی' نظامِ حکومت کے تحت 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' کے شعبے کے تحت 'نہی عن المنکر' کے عنوان تلے ایک منحوس جرم کا ارتکاب ہے، جس کی ویڈیو یوٹیوب پر موجود ہے۔ ان تصاویر اور ویڈیو میں امر بالمعروف کے شعبے میں کام کرنے والوں کو آنے والے 'سیاحوں (سیاہوں)' سے تعامل (یعنی تعاون) سکھایا جا رہا ہے۔

ایک دوسری ویڈیو میں پھر اس تعامل (تعاون) کی عملی نظیر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ ایک بڈھا سعودی، جس نے بد قسمتی سے علومِ اسلامی میں 'فاضل' کی سند بھی لے رکھی ہے، دنیا کی تاریخ کی مقدس ترین سرزمین، وہ سرزمین جہاں آدم علیہ السلام نے عبادت کی، جس سرزمین کے شہر مکہ کو ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا اور بیت اللہ اس میں تعمیر کیا، جو سرزمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت با سعادت ہے، جہاں وحی اترتی رہی......، جزیرۃ العرب میں ایک نیم برہنہ 'گوری' کے ساتھ کھڑا ہے اور کسی 'انگریزی' گانے کے بول، بول کر اس کے ساتھ 'رقص' کر رہا ہے۔ اللہ کی قسم نہ تو ان افعال کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اس بڈھے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث علمائے کرام سے کوئی نسبت ہے!

محمد بن سلمان اور اس کے ساتھ موجود ان 'دوزخی اعمال' والی نسل کو دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرتِ حسن ابنِ علی رضی اللہ عنہما کی برکتوں والی نسل میں پیدا ہونے والے 'محمد ابنِ عبد اللہ المہدی' رضی اللہ عنہ کیوں سب سے پہلا محاذ 'جزیرۃ العرب' میں سجائیں گے۔

یا اللہ! اس سلول کی روحانی نسل، آلِ سعود کے حکمرانوں کی گردنوں پر ہمیں مسلط فرما دے۔ یا اللہ! جنھوں نے تیرے نبی کے وطن کو، جنھوں نے تیرے بیت اللہ کے شہر مکۃ المکرمۃ کو فحاشی کا اڈہ بنایا...... مولا ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کو جہنم واصل کر سکیں۔ یا اللہ! ہمیں خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین حضرتِ مہدی کے لشکر کا سپاہی بنا دے۔

اے محمد بن سلمان اور اس کے پیروؤ! جئناکم بالذبح! ہم تمہیں ذبح کرنے کے لیے آ رہے ہیں!

تحریکِ انصاف کی حکومت میں 'سیاہت' کا فروغ

جس طرح سعودی عرب میں محمد بن سلمان سوچ رہا ہے کہ وہ ساری دنیا کا گند اور گندے لوگوں کو 'سیاحت' کے نام پر سعودی عرب کی طرف مائل کرے گا اور اس سے پیسے کمائے گا، بالکل اسی طرح 'عمران خاں' کی عقل بھی جواب دیے ہوئے ہے۔

ایک طرف کرتارپور میں سکھوں کے مذہب کو پروان چڑھا رہا ہے۔ وادیٔ نیلم (آزاد کشمیر) میں ہندوؤں کے لیے راستے کھولے ہیں جہاں دو ماہ قبل ایک ہندو جوڑا جس کے اپنے بقول 'انہیں ''ہندو مت'' کا زیادہ پتہ نہیں ہے'، آیا اور دریائے نیلم میں اتر کر ایک پتھر پر لکیریں کھینچ کر اس کی 'سیوا' کرتا رہا۔ پھر ابھی کچھ ہفتے قبل ایک بدھ کو تھائی لینڈ سے لایا گیا جس نے پشاور میوزیم میں 'امن کے گھنٹے' کو بجایا اور بجا کر اس 'گھنٹے' کا افتتاح کیا۔ اسی طرح ٹیکسلا میں بدھوں کے لیے عبادت خانے کھولے جا رہے ہیں۔ شاہ محمود قریشی کہتا ہے کہ ہم نے میانمار (برما)، تھائی لینڈ اور چین کے بدھوں کو یہاں بلایا اور میں نے خود فارن آفس میں اس طرح کی میٹنگز کی ہیں جن کے ذریعے مذہبی سیاحت کا فروغ ہو۔

ٹیکسلا، ہڑپّہ، موہنجوداڑو اور دیگر اس قسم کی جگہیں وہ مقامات ہیں جو مَنوں مٹی تلے مدفون تھیں، اب انہیں مقامات میں سے ایک ٹیکسلا میں 'بدھوں' کو اُنہی 'شرکیات و کفریات' کے لیے دوبارہ عبادت خانے کھول کر دیے جا رہے ہیں کہ جن کے سبب ان بستیوں پر ماضی میں عذاب اترے تھے۔ (باقی صفحہ نمبر 90 پر)

ڈھکوسلہ شریف

محمد سعید حسن

ڈھکوسلہ شریف میں خوش آمدید۔ آپ نے بہت سارے شریفوں کے نام سن رکھے ہوں گے جیسے: شر قپور شریف، اجمیر شریف، سیہون شریف اور چورہ شریف۔ ان سب کا مہا شریف ڈھکوسلہ شریف ہے۔ اس کی وجۂ تاسیس، اس کے ادارے، اس کی معیشت، اس کی معاشرت سب کی سب اسم با مسمّیٰ ہیں یعنی سبھی ڈھکوسلہ ہیں۔

مثال کے طور پر یہاں کا نظامِ حکومت ہی دیکھ لیں۔ یہ جمہوری ہے۔ جمہور یعنی عوام اس کے روحِ رواں ہیں۔ یہ نظامِ جمہوری خود اپنی ذات میں ایک ڈھکوسلہ ہے۔ ووٹوں کے سیزن میں یہاں اوسط ٹرن آؤٹ کبھی پچاس فیصد بھی نہیں رہا۔ ابھی پچھلے انتخابات میں یہاں اوسط ٹرن آؤٹ تقریباً ۳۹ فیصد رہا ہے یعنی سو افراد میں سے صرف ۳۹ نے ووٹ ڈالے۔ اس نظامِ جمہوری کی برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ اگر ٹرن آؤٹ سو فیصد ہو تو بھی بننے والی جمہوری حکومت ہر حال میں عوام کی خواہشات کا اظہار نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر ایک حلقے میں تیس ہزار ووٹر ہیں اور تین انتخابی جماعتیں ہیں۔ فرض کیا کہ سب کے سب لوگ ووٹ ڈالتے ہیں۔ ایک جماعت کو آٹھ ہزار ووٹ ملتے ہیں، ایک کو دس ہزار اور ایک کو بارہ ہزار۔ اب ظاہر ہے کہ جیتنے والی جماعت بارہ ہزار ووٹوں سے برسرِ اقتدار آجاتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ عوامی مینڈیٹ اس جماعت کے حق میں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اٹھارہ ہزار عوام اس جماعت کو برسرِ اقتدار دیکھنا نہیں چاہتے۔ اس کو برسرِ اقتدار دیکھنا صرف بارہ ہزار افراد چاہتے ہیں۔ گویا ۶۰ فیصد آبادی اس برسرِ اقتدار جماعت کے خلاف ہے اور صرف ۴۰ فیصد آبادی اس کے حق میں ہے۔ اب ذرا تصور کریں کہ اگر ٹرن آؤٹ ہی ۳۹ فیصد ہو، تو کیا نسبت[Ratio] بنتی ہے؟ یہ کل آبادی کا ۱۵٫۶ فیصد بنتا ہے۔ یعنی حکومت بنانے والی جماعت کو کل آبادی میں سے صرف اتنی سی آبادی کی حمایت حاصل ہے۔ پھر اسے عوام کی خواہشات کی ترجمان حکومت ہونے کا اعزاز بھی کرّوفر سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ڈھکوسلہ شریف میں رائج نظامِ جمہوری کی برکات سے اس حکومت کو عوام کی نمائندہ حکومت ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل ہے۔

ڈھکوسلہ شریف کی خصوصیات میں اس کے دوسرے اداروں کی طرح اس کی سرحدوں کی محافظ آرمی کا شعار(slogan) بھی شامل ہے۔ ”ایمان، تقویٰ، جہادِ فی سبیل اللہ“ کا یہ سلوگن (slogan) اس مصرعے کی طرح ہے:

ع دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے!

اچھے اچھے نعروں سے آخر کیا بگڑتا ہے۔ رہنے دینا چاہیے، لیکن حقیقت یہاں بھی کچھ اور ہی ہے۔ وہ اس طرح کہ ڈھکوسلہ شریف اقوامِ متحدہ کا ممبر ہے۔ اس نے اقوامِ متحدہ کے چارٹر کو مان کر اقوامِ متحدہ میں شمولیت حاصل کی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے اس چارٹر میں درج ہے کہ مذہب کے نام پر جنگ نہیں کی جائے گی۔ لہٰذا جہادِ فی سبیل اللہ کا فوجی نعرہ بھی ڈھکوسلہ شریف کو خوب صورتی سے اسم با مسمّیٰ بناتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس نے جنگ خدا اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں لڑنی ہی نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ کا ایک تکلّف کیوں ہے؟ اس تکلیف کا آخر جواز کیا ہے؟ اس کا جواب ڈھکوسلہ شریف کے بننے کی داستان میں ہے۔ جس وقت ڈھکوسلہ شریف بنا تھا اس وقت اس کے اہلِ دین باشندوں کو ’دبئ چلو‘ کی طرح کے سہانے خواب دکھلائے گئے تھے۔ مگر جب یہ بس گیا تو اسے ایک اسلامی امارت کے بجائے ایک قومی ریاست کا درجہ دے دیا گیا۔ اسلام کی تجربہ گاہ اور قرآن ہمارا دستور جیسے رنگ برنگ سپنے سراب ثابت ہوئے۔ اسلامی امارت کا مفاد اسلام کے احکام میں مضمر ہوتا ہے جبکہ ایک قومی ریاست میں مملکت کی بھلائی دین میں نہیں بلکہ اس کے رہنے والے لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہے۔ لوگوں کی خواہشات سچ، جھوٹ، عدل و انصاف، ظلم و عدوان کو طے کریں گی۔ جو چیز ان کی خواہشات کے مطابق ہو گی وہ درست ہو گی، سچ ہو گی اور justified(حق بجانب) ہو گی اور جو ان کی خواہشات کے خلاف ہو گی وہ باطل ہو گی، جھوٹ ہو گی اور unjustified(ناحق) ہو گی۔ سو صاحبو! یہاں کا ریاستی مذہب اسلام ہو جانا اور یہاں کے قومی اداروں کا اپنے نعروں میں خدا اور رسولؐ سے کوئی تعلق رکھ لینا محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔ لہٰذا ایک بار پھر، جی جان سے، ڈھکوسلہ شریف میں خوش آمدید!!!

ع چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر!!

شتر بان ہی ظالم ہے!

ضرغام علی حبیب

"جناب! پاکستان ایک عظیم ملک ہے۔ آزاد کشمیر تھوڑا سا علاقہ ہے۔ آپ اس علاقے کو لیبارٹری اور ہم لوگوں کو تجرباتی چوہوں کے طور پر استعمال میں لائیں۔ اسلامی احکامات و قوانین کو پہلے یہاں پر آزمائیں اور پھر اس تجربہ کی روشنی میں ان قوانین کو پورے پاکستان میں نافذ کرنے کا سوچیں۔"

یہ ایک معمر کشمیری مسلمان کے الفاظ ہیں، جو اس نے آزادی کے ابتدائی ایام میں کشمیر کا دورہ کرنے والے دو وزرائے باتدبیر کے روبرو ایک جلسے میں کہے تھے۔

جذبات کی ایسی صداقت دیکھ کر پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا، اتنے میں دونوں میں سے ایک وزیر کھڑا ہوا اور جذبات سے پُر لہجے میں مسلمانوں کی اس دِلی خواہش کو سراہنے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ جوشِ خطابت میں موصوف نے اپنی جیب سے ایک لاکٹ نما چیز نکالی اور کہنے لگا:

"بھائیو! ہم اور تم کس کھیت کی مولی ہیں کہ اللہ کے قانون کو آزما کر تجربہ کریں۔ یہ دیکھو! یہ اللہ کا قانون ہے جو چودہ سو سال پہلے نافذ ہو چکا ہے۔ اور جس پر عمل کرنا ہم سب کا دینی، ایمانی اور اخلاقی فرض ہے......"

وزیر صاحب کے ایمان پرور بیان اور انداز کو دیکھ کر رقیق القلب لوگ تو رو پڑے۔ جب یہ دونوں وزیر گاڑی میں واپس ہو رہے تھے تو راستے میں دوسرے وزیر نے اس وزیر کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے پوچھا:

"بھائی صاحب، آپ کے پاس قرآن شریف کا لاکٹ بڑا خوبصورت ہے، تاج کمپنی کا بنا ہوا ہے یا کسی اور کا؟"

جواب میں یہ محترم کھلکھلا کر ہنسے اور لاکٹ جیب سے نکال کر بولے:

"ارے کہاں بھائی صاحب! یہ تو محض سگریٹ لائٹر ہے۔"

اس پورے واقعے کے عینی گواہ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ میں یہ سارا قصہ نقل کر کے بتاتے ہیں کہ یہ دونوں وزیر، ملک غلام محمد اور نواب مشتاق احمد گورمانی تھے۔

یہ ہیں وہ مالی جن کے ہاتھوں اس کھیت کی آبیاری ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے وقت یہ سب کے سب یک آواز تھے کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الاّ اللہ! لیکن جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ان کے ایمان کی گواہی دینے کے لیے دو قومی نظریہ پر ایمان رکھنے والے مؤرخین کو بھی بڑی سر ماری کرنے کے بعد کوئی واقعہ ملتا ہے کہ فلاں لیڈر نے ۱۹۴۶ء میں نماز پڑھنی شروع کر دی تھی، فلاں نے فلاں موقع پر اسلام سے محبت کا اظہار کیا تھا، فلاں نے فلاں وقت ایک عالم سے ملاقات کی تھی......اور اگر کوئی بالکل غیر جانبدار ہو کر ماضی میں جھانکے تو اسے اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں رہتا کہ سیاستدانوں کا یہ ٹولا، جن کے ہاتھوں میں انگریز نے اتنی عظیم قربانیوں کا صلہ تھمایا، ان پیشہ ور مفاد پرستوں پر مشتمل تھا جن کا اوّل و آخر مقصد ہر جائز و ناجائز طریقے سے جاہ و مال کمانا تھا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے جذبات، علماء کی جدّوجہد، شہداء کے خون...... سب کے ساتھ مذاق کیا۔ جس کی ایک مثال ہم اوپر دے چکے ہیں۔ آج تک یہی لوگ چہرے اور پارٹیاں بدل بدل کر اپنی نوکری کر رہے ہیں۔

اسی لیے ملکِ عزیز کو ستّر سال سے زائد ہو جانے کے باوجود یہاں صرف پاکستان کے نام کے ساتھ 'اسلامی' کا اضافہ ہونے کے علاوہ کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، چاہے اقتدار سیاستدانوں کے ہاتھ میں رہا ہو یا وردی والوں کے۔ دونوں کا ماضی حتیٰ کہ خاندان بھی پیچھے جا کر ایک نظر آتے ہیں۔

ابھی تو صورتحال یہ ہے کہ معیشت و معاشرت، تعلیم و صنعت، قانون و دفاع، زندگی کا ہر شعبہ انگریز کی نقالی کرتے کرتے تھک کر بیچارے مظلوم عوام پر گر رہا ہے۔ اور عوام کی صورتحال اس لاغر اونٹ کی سی ہے جس کے مالک نے اس سے سخت مشقت لی لیکن بدلے میں اسے کھانے کو کچھ نہ دیا۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اونٹ نے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر کے دکھوں سے نجات پالی تھی اسی طرح پاکستان کے مظلوم مسلمان عوام کو بھی چاہیے کہ شتر بان آزمانے کی بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی طرف رجوع کریں، یہ ملک لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کریں، ایک آنکھ سے دیکھنے والوں کے پیچھے چلنا چھوڑ کر ان لوگوں کو اپنا راہبر بنائیں جن کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کی خاطر کٹ رہی ہوں اور جن کا اوّل و آخر مقصد اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخرو ہونا ہو۔

پس شتربان کو کوسنا چھوڑیں، ان شتربانوں کو اونٹ سے نیچے اتاریں اور اس شتر کو صحیح سمت لے جانے کے لیے حالات کی باگ ڈور خود سنبھالیں، یہاں تک کہ نفاذِ شریعت کی منزل حاصل ہو رہے۔

پاکستان کی مذہبی جمہوری سیاست کا طرزِ استدلال

اوریا مقبول جان

محترم کالم نگار کے زیرِ نظر مضمون میں سے بعض جملے ادارہ 'نوائے افغان جہاد' کی ادارتی پالیسی کے تحت حذف کر دیے گئے ہیں، نیز ایک آدھ اضافے کو '[]' میں بند کر دیا گیا ہے۔ (ادارہ)

ایک زمانہ تھا کہ مسندِ ارشاد پر فائز علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور صوفیائے باصفا کو لوگ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ کسی کو اپنے وقت کا امام ابو حنیفہؒ کہہ کر پکارا جاتا کہ اس نے فقہ میں بے مثال کام کیا تھا تو کسی کو ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہتے ہوئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے پر اسے امام احمد بن حنبلؒ کا مثیل قرار دیا جاتا۔ دین کی راہ پر چلنے والوں، قربانیاں دینے والوں کی بے غرض تگ و دو ان کا طرۂ امتیاز تھی۔ جب جاہ و منصب کی پروا اور نہ مال و متاع سے غرض۔ بوریا نشین یہ لوگ سلف صالحین حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ سے بھی نسبت کے حق دار تھے۔ وقت کی گرد بھی کیسے کیسے تصورات کو خواب کر دیتی ہے اور ماضی کے کھنڈرات پر ایسی ایسی شخصیات جنم لے لیتی ہیں کہ جن کا اپنے اسلاف اور ان کی اقدار سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ زوالِ امت کے اسی المیے پر اقبال نے کہا تھا:

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

مسندِ ارشاد کے لٹنے کا ماتم تو تھا، اقبال نے خرقہ پوش صوفیا کی خانقاہوں پر قابض لوگوں کا بھی یہی نقشہ کھینچا ہے۔

"قُمْ بِاِذنِ اللہ" کہہ سکتے تھے جو، رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

یہ وہ المیہ داستان ہے جو گزشتہ تین صدیوں سے ہر دردمند ذی شعور مسلمان اپنی اپنی بساط کے مطابق بیان کر رہا ہے۔ کوئی نجی محفلوں میں اس کا تذکرہ کرتا ہے تو کوئی ببانگ دہل یہ صدا بلند کرتا ہے کہ اے علمائے کرام، مفتیانِ عظام و صوفیائے باصفا! تم کن عظیم ہستیوں کے وارث ہو۔ وہ بادیہ نشین کون تھے جن کا نقشہ اقبال نے کھینچا ہے اور بار بار آنسوؤں میں قلم بھگو کر تصویر کشی کی ہے۔

تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اور پھر ان اسلاف سے موازنہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

؎ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ

اقبالؒ تک یہ منظر اس قدر المناک نہیں تھا۔ اسے یہ مٹی زرخیز نظر آتی تھی، اسے کوئی نہ کوئی شخصیت مثیلِ اسلاف مل ہی جاتی تھی لیکن غارت ہو یہ جمہوری سیاست کہ جس نے جہاں پوری دنیا کو انتشار و افتراق کا شکار کیا ہے، گروہ بندی کو رواج دیا ہے، وہیں امتِ مسلمہ میں موجود فرقہ بندی کو مضبوط کر دیا ہے۔ ہر مسلک اور فرقے نے اپنی اپنی سیاسی پارٹی بنالی ہے۔ اب کسی عالمِ دین اور مفتیٔ اعظم کا ماننے والا یا کسی پیر طریقت کا مرید ایک عام انسان بلکہ ایک معمولی مرید نہیں رہا بلکہ ایک ووٹ بن چکا ہے اور ایسا ووٹ جس کے ساتھ اور بھی کئی ووٹوں کی قسمت بندھی ہوئی ہے۔ اس ووٹ کو باندھنے اور اپنے ساتھ منسلک رکھنے کے لیے اب لاکھ جتن کیے جاتے ہیں۔ وہ تمام خرابیاں، وہ تمام ہتھکنڈے، جھوٹ، مکر و فریب، حاشیہ آرائی، بہتان والزام، مبالغہ، جو جمہوری سیاست کا خاصہ ہے وہ سب کا سب مسلکی، مذہبی، سیاسی جماعتوں نے بھی اختیار کر لیا ہے، لیکن ان کے بیانیے اور طرزِ استدلال نے اس امت کے لیے ایک خوفناک صورت اختیار کر لی ہے۔ عام جمہوری سیاست میں مثال دینے کے لیے جو ہیرو میسر ہیں وہ دنیادار ریفارمر یا انقلابی سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مثلاً آپ آصف زرداری اور نواز شریف کو زیادہ سے زیادہ نیلسن منڈیلا کا خطاب دے سکتے ہیں، اگر کوئی مزید انقلابی ہو تو چی گویرا، ماؤزے تنگ اور لینن کی تشبیہ دی جا سکتی ہے لیکن مسلکی، مذہبی، جمہوری سیاست میں تو آپ کا عالمِ دین وہ مردِ مجاہد ہے جو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ کی سنت کا امین ہے اور آپ کا مخالف یقیناً یزید ہے۔ آج سے پہلے یہ مثال عام دی جاتی تھی اور اسے امت کے تمام گروہ بالاتفاق مان بھی لیتے تھے لیکن گزشتہ ماہ کے دھرنے میں مذہبی، سیاسی، مسلکی جمہوری سیاست میں جو طرزِ استدلال سامنے آیا ہے۔ اس نے دہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ اس معصوم امت پر ظلم نہیں ہو سکتا کہ آپ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں سے جنگ، غزوہ، سریہ یا جدوجہد کی وہ مثالیں نکالیں جو آپؐ نے مشرکین کے خلاف کی تھی اور اسے اپنے مخالفین پر چسپاں کر دیں اور یہ سب منبر و محراب اور مسندِ ارشاد سے ہو رہا ہے۔ دھرنے کے تمام کے تمام مقاصد سیاسی اور جمہوری تھے اور ان کا اسلام، شریعت کے نفاذ اور دین کی بالادستی سے دور دور کا بھی واسطہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ تمام سیکولر، لبرل، ملحد اور بے دین جن کی تمام سیاست نظام شرعی کی مخالفت کے گرد گھومتی تھی اس دھرنے کے حلیف اور دست و بازو تھے۔ وہ لبرل عورتیں جن کا دھرنے میں داخلہ ممکن نہ تھا، اپنے ٹوئٹر، فیس بک اور یوٹیوب اکاؤنٹس پر مولانا کو اور ان کے دھرنے کو سپورٹ کر رہی تھیں لیکن دھرنے میں شریک سادہ لوح دیندار مسلمان ایک اور استدلال سے یہاں کھینچ کر لائے گئے تھے۔ ان کے نزدیک یہ دھرنا معرکۂ بدر و حنین سے کم درجے کا نہیں تھا۔ وہ اپنے علاقوں کی مسجدوں سے یہ سن کر آئے تھے کہ...... (بقیہ اگلے صفحے پر)

لاپتہ افراد کے شب وروز

عثمان معظم

مضمون نگار 'عثمان معظم' صاحب ایک سیاسی جماعت کے سیکرٹری جنرل ہیں، ان کی زیر نظر تحریر سوشل میڈیا پر گردش میں تھی، وہیں سے حاصل کر کے شامل اشاعت کی جا رہی ہے۔(ادارہ)

بہت سارے دوست احباب پوچھتے ہیں کہ لاپتہ افراد دن رات کیسے گزارتے ہیں۔

مجھ سے یہ سوال اس لیے کیا جاتا ہے کہ مجھے دو مرتبہ لاپتہ ہونے کا "اعزاز" حاصل ہے۔ ایک مرتبہ جولائی 2015ء میں اور دوسری مرتبہ اکتوبر 2019ء میں۔

2015ء کی تفصیل تو ایک ضخیم دستاویز ہے۔ 2019ء کی مختصر کیفیت بیان کرتا ہوں۔

عموماً رات کے آخری پہر کسی دروازے کو توڑنے یا توڑنے کی حد تک دھڑ دھڑانے کے بعد کسی فرد کو دبوچ کر ایک کالے شیشوں والی گاڑی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ فوراً ہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور آنکھوں پر پٹی اور اس کے اوپر ایک انتہائی بدبودار تھیلا نما ماسک چڑھا دیا جاتا ہے۔

یہ گاڑیاں انتہائی تیز رفتاری سے بہت سارے موڑ اور یوٹرن بلاوجہ لیتی ہوئی کسی حراستی مرکز جا پہنچتی ہیں۔

مغوی کو "دہشت زدہ" کرنے کے سارے ممکن طریقے آزمائے جاتے ہیں اور پھر اس کو ایک "پنجرے" میں ڈمپ کر دیا جاتا ہے۔

یہ پنجرہ بھی عجیب وغریب کمرہ سا ہوتا ہے۔ ساڑھے چھ سات فٹ لمبا اور تین ساڑھے تین فٹ چوڑا یہ پنجرہ انتہائی مضبوط لوہے کی سلاخوں پر مشتمل دروازہ رکھتا ہے۔

اس دروازے کے بعد ایک دوسرا دروازہ بھی ہوتا ہے۔ اس پنجرہ کے آخر میں ایک ڈبلیو سی بھی لگا ہوتا ہے۔

لوہے کی گرل والے دروازے کے نچلے حصے میں ایک ایک فٹ لمبی اور تین چار انچ چوڑی ایک جھری ہوتی ہے۔ جس میں سے کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔

چوبیس گھنٹے ان پنجروں میں برسوں سے بند رہنے والوں کی کیفیت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان قیدیوں کو پتہ ہے کہ باہر کسی کو علم نہیں کہ یہ کہاں اور کس کی قید میں ہیں۔

آواز نکالنے پر پابندی ہے صرف اذان کے وقت ایک سپاہی آکر کہہ دیتا ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور ایک قیدی اذان دے دیتا ہے۔ ساؤنڈ پروف ہونے کی وجہ سے باہر کی کوئی آواز اندر نہیں آتی۔

کبھی کسی قیدی کی ہلکی آواز میں خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کی آواز آجاتی ہے اور بس......

برسوں سے قید یہ اسیر تازہ ہوا میں سانس لینے سے بھی محروم ہیں۔ یہی پنجرے انکی کل کائنات ہیں۔

سرکس کے جانور بھی اپنے پنجروں کے باہر ہر قسم کی مخلوق دیکھ کر دل بہلا لیتے ہوں گے، لیکن "انسانی پنجروں" کے یہ قیدی تو برسوں سے کوئی شکل دیکھنے سے بھی محروم ہیں۔ انہوں نے تو آئینہ بھی پتہ نہیں کب سے نہیں دیکھا۔

باقی تفصیل آئندہ آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی، ان شاء اللہ۔

★★★★★

بقیہ: اوریا مقبول جان

اس حکومت کے خلاف کھڑا ہونا دینی فریضہ ہے کیونکہ معاملہ ختمِ نبوت کا ہے۔ ان میں سے ہر کوئی اسی جذبۂ جہاد و قتال سے لبریز اسلام آباد آیا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ ان میں یہ جذبہ کسی پارٹی میٹنگ یا جلسے نے نہیں بلکہ منبر و محراب نے بھرا تھا۔ یہ تمام منطق و استدلال اپنی جگہ لیکن جب دھرنا اسلام آباد سے واپس ہو رہا تھا تو تمام افراد اپنے اکابرین کے حکم پر واپس لوٹ کر سڑکیں اور شاہراہیں روکنے جا رہے تھے۔ اس کے جواز کے لیے جس سطح پر منبر و محراب سے علمائے کرام نے سنتِ نبویؐ سے مثالیں دے کر جواز فراہم کیے اس سے خوف آتا ہے۔ ایک بڑے مولانا کی تقریر سن رہا تھا کہ کیسے صلح حدیبیہ کے بعد جب وہ دو صحابہ جو مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے تھے اور آپ نے معاہدے کے مطابق انہیں پناہ نہیں دی تھی تو وہ راستہ روک کر بیٹھ گئے تو قافلہ بھی لوٹتے تھے اور مخالفین کو قتل بھی کرتے تھے، ان کے راستہ روکنے کو دھرنے سے تشبیہ دی گئی۔ کسی عالم نے بلند آواز میں کہا کہ دیکھو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جنگ خندق میں خندقیں کھود کر راستے روکے تھے۔ یعنی دھرنے والوں کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ آپ کا مخالف دراصل ویسا ہی ہے جیسے مشرکینِ مکہ تھے اور آپ کو راستہ روکنے کا اجر بھی ویسا ہی ملے گا۔ ہے نا کس قدر اذیت ناک بات......... ان علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور صوفیائے باصفا کو علم نہیں کہ اس ملک میں اب صرف روبوٹ کی طرح تقلید [شرعی معنیٰ مراد نہیں] کرنے والے سادہ لوح مسلمان ہی نہیں بستے، قرآن حدیث، فقہ [اور علمائے حق] سے استفادہ کرنے والے بھی ہیں۔ وہ آپ سے اس لیے محبت کرتے ہیں، کیونکہ آپ اس دور میں دین کی علامت ہیں، نمائندہ ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ سن کر ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہو گی......؟

جمہوری ریاست کا حاکمِ اعلیٰ کون؟!

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نظر تحریر نابغۂ روز گار مفکر و داعی الی اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنہیں وابستگانِ جہاد 'ڈاکٹر ابو خالد' کے نام سے جانتے ہیں۔ تحقیق و تاریخ، علمیت و ادارت (مینجمنٹ) ڈاکٹر صاحب کا ذوق تھا، جبکہ بااعتبارِ فن آپ ایک میڈیکل ڈاکٹر تھے اور اسی فن میں تخصص کے لحاظ سے سرجن۔ مجاہدین اور مسلمان عوام نے آپ کی ان دونوں نمایاں خوبیوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بلا مبالغہ سیکڑوں جراحی کے آپریشنز آپ نے ایسی جگہوں پر سرانجام دیے جہاں بنیادی طبی سہولیات بھی موجود نہ ہوتی تھیں۔ اپنی ساری زندگی اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی محنت میں کھپانے کے بعد بالآخر آپ ۲۰۱۴ء کے نصفِ آخر میں پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کے علاقے میں امریکی و افغان فوج کے مشترکہ فوجی آپریشن میں اپنے بہنوئی اور دوست و ساتھی میجر عادل عبد القدوس اور اپنے دو قریب از سنِ بلوغ بیٹوں سمیت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس تحریر میں مولانا محمد مثنیٰ حسّان حفظہ اللہ نے بعض جگہ حاشیے کا اضافہ کیا ہے، جس کے آگے (م ح) کے دستخط درج ہیں، نیز افادیت و افہام بڑھانے کے لیے محترم بھائی جعفر سعید نے خاکوں اور سانچوں (diagrams) کا اضافہ کیا ہے۔ (ادارہ)

جمہوریت (جمہوری آئینی نظام)

قومی ریاستوں کا قیام:

انقلابِ فرانس کے بعد پاپائیت اور شہنشاہیت کے خاتمے سے حاکمیتِ اعلیٰ اور ظل اللہ کا تصور ختم ہوتے ہی اجتماعی نظام میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ اس خلا کو پر کرنے کے لیے ایسے نظام کی ضرورت تھی جو اس وقت حقوقِ انسانی[1] کی جنگ میں 'ہیومن' کے قرار دیے گئے مقاصد امن، خوشحالی، ترقی، آزادی اور مساوات کو پورا کرے۔ پھر دوسری جانب قرونِ وسطیٰ میں 'رومن ایمپائر' کے ممالک کی باہمی تیس سالہ جنگ اور اس کے نتیجے میں ہونے والے 'ویسٹ فیلیا' کے معاہدے سے یورپی اقوام میں اپنے علاقوں کی تقسیم اور قومی عصبیت نے جڑ پکڑ لی۔ اس معاہدے کا اثر یہ ہوا کہ پورے یورپ میں وطنیت ایک عقیدے کے طور پر معروف ہو گئی۔ ویسٹ فیلیا کے اس معاہدے کی وجہ سے یورپ میں 'جدید وطنی ریاستوں' (Nation States) کے تصور نے جنم لیا۔ ان جدید وطنی ریاستوں کی تشکیل میں چار عناصر کو بنیادی قرار دیا گیا۔ ایک وہ علاقہ جہاں اس ریاست کو کام کرنے کا اختیار ہو، دوسرا عنصر وہ عوام جو اس ریاست کو تسلیم کریں، تیسرا عنصر وہ حکومت جو ریاست کو چلائے اور چوتھا عنصر حاکمیتِ اعلیٰ جو ریاست کو علاقے اور باشندوں پر اقتدار بخشے۔ یورپ کی تاریخ میں ویسٹ فیلیا کے معاہدے نے مذکورہ بالا عناصر میں سے علاقہ یعنی جغرافیائی سرحدوں اور عوام کا تعین تو کر دیا، لیکن حکومت کی تشکیل اور حاکمیت کا تصور ایسے سوال تھے جن کا جواب آسان نہ تھا۔ خاص طور پر وہ حاکمیتِ اعلیٰ جو انقلابِ فرانس سے پہلے تک پاپائیت کے ناطے خدا کو حاصل تھی۔ اس کے جواب کے لیے ایسا پیچیدہ فلسفہ اختیار کیا گیا جسے واضح کرنے والے روزِ اول سے اس کی پیچیدگی کا اظہار کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ فلسفہ مشکل سے سمجھ میں آنے کے باوجود بھی پورا سمجھ نہیں آتا۔

اسی لیے ہم اسے نظامِ دجل و فریب قرار دیتے ہیں اور یہی فلسفہ ہماری نظر میں امتِ مسلمہ کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ جمہوری نظام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے حاکمیتِ اعلیٰ کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں کیونکہ یہی وہ بنیاد ہے جو جمہوریت کو شرک کے درجے پر پہنچاتی ہے۔

وطنی ریاست کے اجزا: حاکمیتِ اعلیٰ یا اقتدارِ اعلیٰ — حکومت — عوام — علاقہ

حاکمیت کا مفہوم:

علمِ سیاست کی اصطلاح میں یہ لفظ اقتدارِ اعلیٰ اور اقتدارِ مطلق کے معنی میں آتا ہے۔ کسی شخص یا مجموعۂ اشخاص یا ادارے کے صاحبِ حاکمیت ہونے کا مطلب ہے کہ:
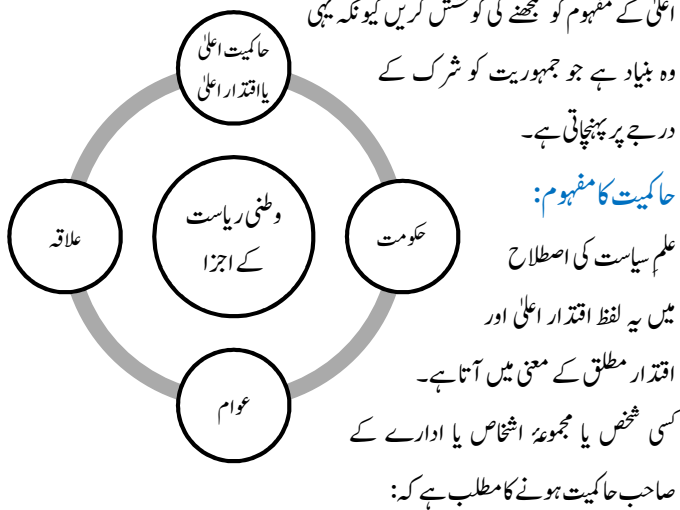
1. اس کا حکم قانون ہے۔
2. اسے افراد یا ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیار حاصل ہیں۔
3. افراد اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہیں، خواہ بطوع و رغبت یا مجبوری۔
4. اس کے اختیاراتِ حکمرانی کو اس کے اپنے ارادے کے سوا کوئی خارجی چیز محدود کرنے والی نہیں ہے۔
5. افراد کو اس کے مقابلے میں کوئی حق حاصل نہیں۔
6. جس کے جو کچھ بھی حقوق ہیں، اس کے دیے ہوئے ہیں اور وہ جس کو بھی سلب کرے وہ خود بخود معدوم ہو جاتا ہے۔ ایک قانونی حق پیدا ہی اس بنا پر ہوتا ہے کہ

---

[1] حقوقِ انسانی آج کل معاشرے کا سب سے زیادہ مقبول نعرہ ہے۔ حقوقِ انسانی کی جنگ کا آغاز 'میگنا کارٹا' سے ہوا (۱۲۱۵ء میں انگلستان کے بادشاہ، عوام اور جاگیر داروں کے درمیان معاہدہ ہوا جس کے بعد بادشاہ کے خلاف عوام اور جاگیر داروں کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا جسے میگنا کارٹا کہتے ہیں)، مگر پانچ سو سالہ تاریخ میں اس نے کئی شکلیں اختیار کیں۔ کبھی اس جنگ میں محاذ کلیسا کے خلاف اور کبھی شاہی جبر کے خلاف رہا۔ یہ جنگ کبھی یورپ میں انسانی معاشروں میں تبدیلی اور کبھی یہودیوں کی آزادی کے لیے چھڑی۔ اسی جنگ کے نتیجے میں دنیا میں 'جمہوریت' کا نظام قائم کیا گیا۔ پھر اسی جنگ کو 'خلافتِ عثمانیہ' اور اسلام کے خلاف بھی خوب بھڑکایا گیا۔ اس لحاظ سے حقوقِ انسانی جدید مغرب کا مؤثر ترین آلہ ثابت ہوا۔

شارع (قانون ساز) نے اس حق کو پیدا کیا ہے، اس لیے جب شارع نے اس کو سلب کر لیا تو سرے سے کوئی حق باقی ہی نہیں رہا کہ اس کا مطالبہ کیا جا سکے۔

7. قانون صاحبِ حاکمیت کے ارادے سے وجود میں آتا ہے اور افراد کو اطاعت کا پابند کرتا ہے، مگر خود صاحب حاکمیت کو پابند کرنے والا کوئی قانون نہیں ہے۔

8. وہ اپنی ذات میں قادر مطلق ہے۔ اس کے احکام کے بارے میں خیر اور شر، صحیح اور غلط کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جو کچھ وہ کرے وہی خیر ہے، اس کے کسی تابع کو اسے شر قرار دے کر رد کر دینے کا حق نہیں ہے۔ جو کچھ وہ کرے وہ صحیح ہے کوئی تابع اس کو غلط قرار نہیں دے سکتا۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ اسے خطا سے پاک مانا جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ ایسا ہو یا نہ ہو۔

یہ ہے قانونی حاکمیت کا تصور جسے ایک قانون دان، فقیہ پیش کرتا ہے اور جس سے کم کسی چیز کا نام حاکمیت نہیں ہے۔ مگر یہ حاکمیت اس وقت تک بالکل ایک مفروضہ رہتی ہے جب تک اس

سیاسی حاکمیت + قانونی حاکمیت = حاکمیتِ اعلیٰ

کی پشت پر کوئی واقعی حاکمیت یا علمِ سیاست کی اصطلاح میں سیاسی حاکمیت نہ ہو، یعنی عملاً اس اقتدار کی مالک جو اس قانونی حاکمیت کو مسلط کرے۔

اوپر بیان کی گئی حاکمیت کی تعریف کو دیکھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حاکمیت صرف کسی زندہ ہستی کا وصف ہی ہو سکتا ہے۔ حاکمیت کی تعریف پر کون سی ہستی ایسی ہے جو پورا اترتی ہو، کیا آخر دنیا میں کوئی انسان ایسا ہے جو حاکمیت اعلیٰ کے منصب پر پورا اتر سکتا ہو؟ قرآن اس کا جواب بڑی فصاحت سے دیتا ہے:

قانونی حاکمیت

- حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں، اس کا فرمان ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی و اطاعت نہ کرو، یہی صحیح طریقہ ہے۔(یوسف:۴۰)
- سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔(اعراف:۵۴)
- پیروی کرو اس قانون کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔(اعراف:۳)
- جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں۔ (المائدہ:۴۵)
- جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق نہ کریں، وہ ہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ:۴۴)
- پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ (المائدہ:۴۸)
- کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں؟ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے خدا سے اچھا حکم کس کا ہے؟(المائدہ:۵۰)
- جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تو تو بہتان باز ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔(النحل:۱۰۱)
- کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف، اور اس پر بھی جو اتاری گئی آپ سے پہلے، (مگر اس کے باوجود) وہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ لے جائیں طاغوت کے پاس، حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ یہ اس کے ساتھ کفر کریں، اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بھٹکا کر ڈال دے بہت دور کی گمراہی میں۔(النساء:۶۰)
- کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں؟ اور خدا (جیسا چاہتا ہے) حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کا رد کرنے والا نہیں۔ اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔(الرعد:۴۱)
- آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سب امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ (الحدید:۵)
- اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔(آلِ عمران:۱۸۹)
- کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ کسی کو ایک کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں۔(النساء:۵۸)
- حکومت صرف اللہ ہی کی ہے۔(یوسف:۴۰)
- اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔(الاسراء:۱۱۱)
- اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔(الکہف:۲۶)
- سب اختیار خدائے برحق ہی کے لیے ہے۔(الکہف:۴۴)
- کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟(المؤمنون:۸۸)
- جس کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی، جس نے نہ کسی کو اولاد ٹھہرایا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اس کی بادشاہی میں۔(الفرقان:۲)

سیاسی حاکمیت اعلیٰ

”تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے، اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔“(النور:۵۵)

حاکمیت فی الواقع کس کی ہے؟

اب پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی کوئی حاکمیت فی الواقع انسانی دائرے میں موجود بھی ہے؟ اور ہے تو وہ کہاں ہے؟ کس کو اس حاکمیت کا حامل کہا جاسکتا ہے؟ واقعی حاکمیت موجود ہے؟ جس کو بھی آپ اس کا حامل قرار دیں گے، تجزیہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس کے ظاہری اختیارِ مطلق کے پیچھے کچھ اور طاقتیں ہیں جن کے ہاتھ میں اس کی باگیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علم سیاست کے ماہرین جب حاکمیت کا واضح تصور لے کر انسانی سوسائٹی کے دائرے میں اس کا واقعی مصداق تلاش کرتے ہیں تو انہیں سخت پریشانی پیش آتی ہے۔ کوئی قامت ایسا نہیں ملتا جس پر یہ جامہ راست آتا ہو۔ اس لیے کہ انسانیت کے دائرے میں، بلکہ درحقیقت مخلوقات کے دائرے میں اس قامت کی کوئی ہستی سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو قرآن بار بار کہتا ہے کہ فی الوقع حاکمیت کا حامل صرف ایک اللہ ہے۔ وہی مختار مطلق ہے وہی غیر مسئول اور غیر جواب دہ ہے۔ وہی ایک ہستی ہے جس کے اختیارات کو محدود کرنے والی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اور اسی کی ذات منزہ عن الخطاء ہے۔

حاکمیت کس کا حق ہے؟

پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حقیقتِ نفس الامری سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر کسی غیر اللہ کو یہ حاکمانہ حیثیت دے دی جائے تو کیا فی الواقع اس کا یہ حق ہے کہ اس کا حکم قانون ہو، اور اس کے مقابلے میں کسی کا کوئی حق نہ ہو اور اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے اور اس کے حکم کے بارے میں خیر و شر یا صحیح وغلط کا سوال نہ اٹھایا جاسکے؟ یہ حق خواہ کسی شخص کو دیا جائے، یا کسی ادارے کو یا باشندوں کی اکثریت کو، بہر حال یہ پوچھا جائے گا کہ اس کو آخر یہ حق کس بنیاد پر حاصل ہوا ہے؟ اس سوال کا زیادہ سے زیادہ اگر کوئی جواب دیا جاسکتا ہے تو وہ صرف یہ کہ لوگوں کی رضامندی اس حاکمیت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ مگر کیا آپ یہ ماننے کو تیار ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی رضامندی سے اپنے آپ کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس خریدار کو اس شخص پر جائز حق مالکانہ ہو جاتا ہے؟ اگر یہ رضامندی اس ملکیت کو برحق نہیں بناتی تو آخر کسی غلط فہمی کی بنا پر محض جمہور کا رضامند ہو جانا کسی حاکمیت کو برحق کیسے بنا سکتا ہے؟ قرآن اس گتھی کو بھی یہ کہہ کر سلجھا دیتا ہے کہ اللہ کی مخلوق پر کسی مخلوق کو بھی حکم چلانے کا حق نہیں ہے، یہ حق صرف اللہ کو حاصل ہے اور اس بنا پر حق اصل ہے کہ وہی اپنی مخلوق کا خالق ہے۔ خبردار خلق اسی کی ہے اور امر بھی اسی کے لیے ہے۔ یہ ایک ایسی معقول بات ہے جسے کم از کم وہ لوگ تو رد نہی کر سکتے جو خدا کو خالق تسلیم کرتے ہیں۔

کیا کسی شاہی نظام میں واقعی کوئی بادشاہ ایسی حاکمیت کا حامل ہے یا کبھی پایا گیا ہے یا پایا جاسکتا ہے؟ آپ کسی بڑے سے بڑے مختار مطلق فرماں روا کو لے لیجیے۔ اس کے اقتدار کا آپ تجزیہ کریں گے تو معلوم ہو گا کہ اس کے اختیارات کو بہت سی خارجی چیزیں محدود کر رہی ہیں جو اس کے ارادے کی تابع نہیں ہیں۔

پھر کیا کسی جمہوری نظام میں کسی خاص جگہ انگلی رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ یہاں واقعی حاکمیت موجود ہے؟

بہر حال یورپ کو حاکمیت کا ایسا تصور درکار تھا جو رومن کیتھولک عیسائیوں کے نظریہ 'اللہ کی حکومت' کا مترادف ثابت ہو اور 'ہیومن' کے ان بنیادی مقاصد کی حفاظت بھی کرے جنہیں دورِ عقلیت کے مفکرین نے حقوقِ انسانی کی جنگ میں مقدس ترین اصولوں کے طور پر متعارف کروایا، یعنی امن، خوشحالی، ترقی، مساوات اور آزادی۔ ان کا یہ مسئلہ تحریکِ تنویریت کے فلسفیوں 'جان لاک' اور 'روسو' نے پہلے ہی حل کر دیا تھا، اور 'جان لاک' کی نسبت انقلابِ فرانس میں 'روسو' کے بیان کردہ فلسفۂ جمہوریت نے زیادہ اثرات مرتب کیے۔ اس لیے یہاں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ روسو کے اس فلسفے کو اختصار سے بیان کر دیں جو آج کی جدید جمہوریت کی بنیاد ہے۔

روسو کے نظریے کی روشنی میں یورپ نے جو تصورِ حاکمیت اپنایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنیادی مقاصد اور اصولوں (امن، خوشحالی، ترقی، آزادی، مساوات) کے اظہار نے انقلابِ فرانس کے بعد تمام ہیومنز کا مشترکہ ارادہ تشکیل دیا جسے 'ارادۂ کل' کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر تمام ہیومنز نے ان اصولوں کو اپنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور جب کوئی ریاست اپنے آئین میں ان اصولوں کو اپناتے ہوئے 'ارادۂ کل' کا اظہار کرے تو وہ ریاست بذاتِ خود حاکمیتِ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہو جاتی ہے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے ہم یہاں 'روسو' کا نظریہ پیش کرتے ہیں جو اس تصور کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

جمہوری ریاست کا فلسفہ

جمہوریت کا سب سے بڑا کارنامہ جمہوری ریاست کی تخلیق ہے اور اس کی بنیاد جمہوریت کے پیشوا سمجھے جانے والے 'روسو' کا فلسفہ ہے۔ 'روسو' اٹھارہویں صدی عیسوی میں سویٹزرلینڈ میں پیدا ہوا اور انقلابِ فرانس سے چند سال پہلے فرانس میں مر گیا۔ اس کی کتاب 'معاہدۂ عمرانی'

(Social Contract) نے تحریکِ تنویریت میں ایک نئی جدت پیدا کر دی تھی۔ اس کتاب میں 'روسو' نے جدید جمہوریت کا مکمل نقشہ پیش کیا۔ اس کتاب کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے کہ "انسان آزاد پیدا ہوا تھا مگر وہ ہر جگہ زنجیروں میں قید ہے"۔ 'روسو' نے انسان کو ایک مکمل آزاد اور خود مختار شخصیت کے طور پر پیش کیا۔ اس نے کہا کہ انسان کا ارادہ (مقصد) آزادی، خود مختاری، مساوات سے رہنا اور زندگی میں خوشحالی حاصل کرنے کے لیے ترقی کرنا ہے۔ یہ تمام انسانوں کی خواہش ہے۔ اس کو 'روسو' نے 'ارادۂ کل' (Will of All) کا نام دیا۔ البتہ اس 'ارادۂ کل' کے علاوہ بھی ہر انسان کے اپنے اپنے انفرادی ارادے بھی ہیں جن کو 'روسو' نے 'ارادۂ عمومی' (General Will) کا نام دیا۔ 'ارادۂ کل' اور 'ارادۂ عمومی' کے درمیان توازن قائم کرنے کے لیے 'روسو' نے ایک جامع نقشہ دیا جسے آج کی 'جدید جمہوریت' کہا جاتا ہے۔

روسو کے فلسفے کے مطابق انسان کسی زمانے میں حسین فطری زندگی گزار رہا تھا جس میں وہ باہمی امداد وتعاون اور صلہ رحمی کے اصولوں پر کار بند تھا۔ اس معاشرے میں انسان خوشحال، پر امن اور آزاد زندگی گزار رہا تھا۔ مگر مختلف علاقوں میں آباد ہونے سے انسانوں کے درمیان ملکیتِ زمین کا مسئلہ پیدا ہوا جس سے ان کے درمیان تنازعات پیدا ہونا شروع ہوگئے۔ ان تنازعات سے نکلنے اور باہمی بقا کی خاطر انسان ایک دوسرے کے ساتھ معاہدات کرنے لگا۔ پھر جیسے جیسے انسانی آبادی بڑھتی گئی، اسی تناسب سے معاہدات کی متعلقہ اطراف زیادہ ہوگئیں جس سے دوبارہ تنازعات پیدا ہونے کا خدشہ ابھرا۔ چنانچہ انسانوں نے ضرورت محسوس کی کہ آپس میں کیے گئے باہمی معاہدوں کو کسی اجتماعی نظم کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان آزادی اور مساوات کو قائم رکھے۔ تاہم اجتماعی نظم قائم کرنے کے لیے لازمی تھا کہ اسے حاکمیت اور اقتدار کا ایسا حق حاصل ہو جسے تمام انسان تسلیم کریں۔ یہاں سے حاکمیتِ اعلیٰ طے کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

روسو کے مطابق انسان کو ایسی حاکمیت درکار تھی جو تمام انسانوں کے امن، خوشحالی، مساوات، ترقی اور آزادی کے اصولوں کی پاسداری کرے۔ ان اصولوں کے مطابق اجتماعی زندگی گزارنا تمام انسانوں کا ارادہ بن گیا جسے 'روسو' 'ارادۂ کل' اور 'حقیقی ارادہ' (Real Will) کا نام دیتا ہے۔ پھر اس ارادے کے اظہار کا تقاضا یہ تھا کہ انسانوں میں سے ہر فرد اپنے ذاتی ارادے کو اس اصل 'ارادۂ کل' کے تابع کردے۔ ان ذاتی ارادوں کے مجموعے کو روسو (General Will) کا نام دیتا ہے یعنی 'ارادۂ عمومی'۔ گویا 'ارادۂ عمومی' کو 'ارادۂ کل' کے تابع کرنا درکار تھا۔ 'ارادۂ عمومی' کو 'ارادۂ کل' کے سپرد کرنے کے لیے پہلے قدم پر انسان حقِ انتخاب کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرتا ہے۔ اس انتخاب سے 'ارادۂ عمومی' عوام سے ان کے نمائندوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ نمائندے ایک مجلس تشکیل دیتے ہیں جسے 'پارلیمنٹ' کا نام دیا گیا۔ پھر 'پارلیمنٹ' ایسا آئین مرتب کرتی ہے جو 'ارادۂ کل' کے مطابق ہو۔ گویا 'ارادۂ کل' کا اظہار 'آئین' سے ہوتا ہے اور 'ارادۂ عمومی' کا اظہار 'پارلیمنٹ' سے۔ پھر جب پارلیمنٹ آئین کی توثیق کر دیتی ہے تو گویا 'ارادۂ عمومی' نے 'ارادۂ کل' کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

'ارادۂ عمومی' جب 'ارادۂ کل' کے تابع ہو کر اس سے متحد ہو جاتا ہے تو اجتماعی نظم یعنی ریاست کو حاکمیتِ اعلیٰ کا حق مل جاتا ہے، ایسی حاکمیت جسے تمام افراد نے انتخاب کے عمل سے تسلیم کر لیا تھا۔ حاکمیتِ اعلیٰ قائم ہونے کے بعد عوام کے لیے آئین کی پاسداری اس لیے لازم ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اسے خود ہی تشکیل دے کر تسلیم کیا ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کے لیے آئین کی اطاعت در اصل خود اپنے آپ کی ہی اطاعت کرنا ہے اور اس کی نافرمانی در اصل اپنی ہی نافرمانی ہے۔ گویا انسان اس طرح کسی اور شے کا غلام نہیں بنتا بلکہ الٹا اسے حقیقی آزادی مل جاتی ہے کیونکہ در حقیقت وہ اپنی ہی بات مان رہا ہوتا ہے اور اپنے ہی ارادوں کی تکمیل کر رہا ہوتا ہے۔ ایسی حاکمیتِ اعلیٰ تسلیم کرنا ہی انسان کو روشن خیالی، ترقی، آزادی، خود مختاری اور مساوات کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ ہے وہ فارمولا جس نے حاکمیتِ اعلیٰ کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی طرف منتقل کر دیا۔ یوں جمہوریت کے طفیل جدید وطنی ریاستوں میں اب اللہ کی بجائے انسان کی حاکمیت قائم ہوگئی۔

حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درج ذیل فارمولے سے

انسانوں کو منتقل ہوتی ہے

عوام

عوامی نمائندے

پارلیمان

آئین

ارادۂ عمومی

ارادۂ عمومی

ارادۂ کل

انتخابات کے ذریعے سے ارادہ عمومی کو عوام سے عوامی نمائندوں میں منتقل ہوتا ہے۔ پارلیمان ارادۂ عمومی کو ظاہر کرتی ہے۔

جب پارلیمان نے آئین کی توثیق کر دی تو آئین ارادۂ کل بن گیا۔

ریاست کو حاکمیتِ اعلیٰ کا حق مل جاتا ہے

گویاانسان خود اپنا خدا ابن گیا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ روسو کی نظر میں دین کی بنیاد پر یا شاہی نظام پر قائم معاشرے یکسر غلط اور ظالم معاشرے تھے جن میں ہیومنز کے بیان کردہ اصولوں کی پامالی ہوتی رہی۔ گویا اس طرح یورپ میں پاپائیت اور شہنشاہیت پر تو سرخ قلم پھر ہی جاتا ہے مگر اس سے بڑھ کر بلا استثناء تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ دعوت (نعوذ باللہ) باطل ٹھہرتی ہے اور تمام اسلامی خلافتیں (نعوذ باللہ) تاریخ کے تاریک ترین ادوار میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

'روسو' کے نظریات بیان کرنے کے بعد ہم قارئین کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کراتے ہیں کہ 'روسو' کے فلسفے میں 'ارسطو' کے فلسفے کی طرح مثالی معاشرے کا ذکر ہے جس کا حصول ان کے زعم میں انسان کا مطمحِ نظر ہونا چاہیے۔ 'روسو' کے مطابق انسانیت کی ابتدا میں کہیں ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا تھا جہاں سے موجودہ جمہوری ریاست کے نظریے کا آغاز ہوتا ہے، لیکن جدید مغربی مفکرین، مؤرخین اور جغرافیہ کے ماہرین اس مثالی معاشرے اور ریاست کا بہت کھوج لگانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ انسانی تاریخ میں ایسے معاشرے یا ریاست کے وجود پر کوئی شواہد نہیں ملتے۔ گویا ان کا بیان کردہ یہ مثالی معاشرہ اور ریاست 'خیالی وافسانوی معاشرہ اور ریاست' تھی اور ہے۔ ان کھوکھلی بنیادوں کے باوجود مغرب نے ان نظریات پر ریاستوں کا پورا محل تعمیر کر لیا۔ لا محالہ ایسی کچی عمارت کو قائم رکھنے کے لیے انہیں جھوٹ وفریب کے ساتھ ساتھ ایسی قوت کی بھی ضرورت تھی جو اس کھوکھلے نظام جمہوریت کو تحفظ فراہم کرے۔

جمہوری ریاستوں کا قیام

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ 'ارادۂ کل' اور 'ارادۂ عمومی' سے مل کر بننے والی حاکمیتِ اعلیٰ کے حصول سے ریاست کا چوتھا اہم رکن پورا ہو گیا۔ چنانچہ انقلابِ فرانس کے بعد سابقہ شاہی ریاستیں آئینی اور جمہوری ریاستوں میں تبدیل ہونا شروع ہو گئیں۔ انتخابات کے ذریعے پارلیمانوں کی تشکیل ہوئی۔ ان پارلیمانوں نے ایسے دساتیر اور آئین کی توثیق کی جو 'ارادۂ کل' کا اظہار کرتے تھے۔ گویا حاکمیتِ اعلیٰ کے اس فارمولے سے جمہوری ریاستوں نے جنم لیا جس میں ریاست کے باشندوں نے ریاست کے سامنے سر ٹیک دیا اور اس سجدے کو ہی انہوں نے انسان کی حقیقی آزادی تصور کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی مفکرین نے خدا کا لفظ استعمال کیے بغیر جمہوری دستوری ریاست کی اس قدر تقدیس و تعظیم بیان کی اور عملاً قائم کی کہ گویا فی الحقیقت وہ خدا ہی ہو۔

چونکہ حاکمیت زندہ ہستی کا وصف ہے، لہٰذا ریاست کو حاکمیت سپرد کرنے کا منطقی نتیجہ تھا کہ اسے 'قانونی شخصیت' (Legal Personality) قرار دیا جائے۔ دیگر مشرکین تو زندہ یا حقیقی بتوں کی پوجا کرتے ہیں مگر ان جدید مشرکین نے تو انسانی ذہن کی تخلیق کردہ اور حقیقت میں نہ پائے جانی والی ریاست میں حاکمیت کی روح پھونک کر اس کی پوجا شروع کر دی، اور وہ بھی خدا کا ولی یا مقرب جانتے ہوئے نہیں بلکہ خود خدا جانتے ہوئے۔ مزید یہ کہ ایسی ریاست کو ارسطو، روسو، ہیگل اور دیگر مغربی مفکرین خدا کی طرح 'معصوم عن الخطاء' بھی قرار دیتے ہیں، یعنی ان کی نظر میں ریاست غلطی سے پاک ہے، وہ غلطی کر ہی نہیں سکتی۔ گویا ریاست انسان کی طرح ایک ہستی ہے مگر فرضی اور سب سے اعلیٰ ہے۔ ریاست کے خدوخال ظاہر کرنے کے لیے مفکرین اسے جسم سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا سر، دماغ اور ہاتھ پاؤں ہوں۔ پھر تمام اشخاص کی طرح اس شخص کے بھی حقوق اور فرائض مقرر کیے گئے۔ فرض سے مراد ریاست کا بنیادی طور پر عوام کو حاکمیتِ اعلیٰ عطا کرنا ہے، جس کی حفاظت اور تشریح کی حق دار بھی ریاست خود ہے اور اس کے بدلے عوام کو اب اس ریاست کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ اگر وہ حقوق ادا کریں گے تو انہیں ریاست کا معزز شہری (غلام) تصور کیا جائے گا اور اگر وہ ان کی پامالی کریں گے تو وہ ریاست کے مجرم قرار پائیں گے جن کے لیے ریاست سخت ترین سزائیں تجویز کرتی ہے۔ مثلاً ریاستِ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایسے مجرموں کی سزا 'موت' ہے۔

سوال یہ ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ کے اس فارمولے کو اپنا کر انسان نے ریاست کی فرضی ہستی کی غلامی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال کر آخر کس سے آزادی حاصل کی؟؟ اس کا جواب قارئین کی سمجھ میں از خود آ گیا ہو گا کہ انسان نے اس طرح اللہ سے، انبیاء کی اطاعت سے، دین سے، حرام اور حلال کے معیار سے، گناہ اور ثواب کے عقیدے سے آزادی حاصل کی۔ حاکمیتِ اعلیٰ اور ریاست کا یہی نظریہ عقیدۂ الحاد کی انتہا ہے۔

اس نظام کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اس سے جنم لینے والے سوالات کا جواب قابلِ احترام مفتیانِ کرام اور معزز علمائے شرعِ متین کے ذمہ ہے۔ مثلاً کیا ایسی ریاست کے کفر اور شرک میں کسی شک کی گنجائش ہے؟ کیا یہ ریاست کسی صورت اسلامی ریاست بن سکتی ہے؟ اگر کوئی فوج اس ریاست کے دفاع میں جنگ کرے تو اس فوج اور اس کی جنگ کا کیا حکم ہو گا؟ اگر کوئی مسلمان ریاست کی حاکمیتِ اعلیٰ کے مذکورہ تصور کو درست مانتا ہو تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ اس ریاست کا خاتمہ کس طرح ہونا چاہیے؟

(باقی صفحہ نمبر 68 پر)

[1] یہی وہ نظریہ ہے جس کی کوکھ سے نظام جمہوریت نے جنم لیا۔ آج دنیا بھر میں، بشمول اسلامی ممالک میں رائج نظام جمہوریت اسی قبیح فلسفے کی بنیاد پر چل رہا ہے جس کے بانی دین سے عاری جاہل لوگ تھے۔ ہم پر تو ربّ تعالیٰ کا بے شمار احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسی جامع ہدایات عطا فرمائیں جس کے بعد ہمیں انسانوں کے تخلیق کردہ نظریات کی چنداں ضرورت نہیں۔ تاہم افسوس کا مقام ہے کہ آج اپنے معاشروں میں اپنے ہی لوگ اس بات کا ادراک کرنے کو تیار نہیں اور مغرب کے مسلط کردہ اس نظام جمہوریت سے مطمئن بیٹھے ہیں۔ (م ح)

میرا جہادی سفر

شہید ابو حماس حق نواز رحمۃ اللہ علیہ

شہید ابو حماس جن کا اصل نام حق نواز تھا، اُن سعادت مندوں میں سے ایک تھے جنھوں نے کشمیر میں شریعت یا شہادت کی صدا پر پہلے پہل لبیک کہا۔ آپ ۱۶ مارچ ۲۰۱۸ء کو سرینگر کے علاقے "بالہا" میں ہندوستانی فوج سے ایک معرکے میں شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے۔ آپ ذاکر موسیٰ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ زیرِ نظر تحریر آپؒ کے ایک ویڈیو پیغام کا متن ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ والحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ و بعد

اعوذ بااللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ (سورۃ الاحزاب: ۷۰)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔"

میرے مہاجر اور انصار مجاہدین بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج اس ویڈیو میں آپ بھائیوں تک ایک پیغام پہنچانا چاہتا ہوں، اپنی زندگی کے بارے میں...... جہادی زندگی کے بارے میں مختصراً۔ ۲۰۱۲ء میں، مَیں نے جہادی سفر شروع کیا، پاکستان کے اندر۔ سب سے پہلے ایک مدرسے کا طالب علم ہوتا تھا اور ادھر سے ہی پھر سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال پڑھنے کے بعد الحمدللہ ذہن کے اندر ایسے سوال اٹھنا شروع ہوئے کہ ہمیں بھی میدانِ کارزار...... میدانِ جہاد کی طرف جانا چاہیے۔ تو الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے وہ دعائیں قبول کیں اور ایک دن مجاہدین کے ٹریننگ سنٹر اور معسکرات میں پہنچنے کا موقع ملا۔

تو پیارے بھائیو!

یہ ایک مختصر سا (احوال) آپ کو اپنی زندگی کے بارے میں بتانا چاہ رہا ہوں، کہ میں نے پاکستان کے اندر رہتے ہوئے وہاں کی تنظیموں میں حصہ لیا اور پھر کشمیر میں پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسی تنظیم دکھائی، ایک ایسا گروہ دکھایا، جو خلافت اور شریعت کا نعرہ لگانے والا تھا۔ تو میرے پیارے بھائیو! مختصراً یہ کہ جب ہم پاکستان میں ہوتے تھے تو ہم دیکھتے تھے کہ وہی انٹیلی جنس "طاغوتی ایجنسیاں" مجاہدین کی مختلف تنظیموں کو چلا رہی ہوتی تھیں۔ وہ اپنے ذہن کے مطابق، جو اُن کے مفاد کی باتیں ہیں، اُن سے وہی کرواتی تھیں اور وہی اُن کو دبانے کے لیے اپنا کام کر جاتی تھیں۔ تو ایسے وقت میں ذہن میں مختلف سوال بھی آتے تھے کہ یہ کیا؟ جہاد تو اِن چیزوں کا محتاج نہیں ہے؟ جہاد تو فتنے کے خاتمے کا نام ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ...... (سورۃ الانفال: ۳۹)

"اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔"

لیکن ایسے ہی محسوس ہوتا تھا کہ وہی جو خلافت اور شریعت کا نعرہ لگانے والے ہیں، پاکستان میں اُنہی کی مسجد پر بمباری کر دی جاتی ہے۔ انہی کو جیلوں میں بند کر دیا جاتا۔ لیکن جہادِ کشمیر سے وابستہ بعض لوگوں کو سکیورٹی بھی فراہم کی جاتی ہے۔ بہت اچھا خاصہ اُن کو پروٹوکول بھی دیا جاتا ہے۔ تو ایسے میں ہمارے ذہنوں کے اندر طرح طرح کے سوالات اُٹھنے شروع ہوئے لیکن پھر بھی اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے ہم یہی سمجھتے تھے کہ مظلوموں کی مدد کے لیے کشمیر چلے جائیں تو وہاں جا کر دیکھا جائے گا۔ تو یہاں پہنچ کر پہلے تو خوشی بھی بہت ہوئی کہ برہان شہید رحمہ اللہ سے مل کر اُن کی باتیں سن کر کہ وہ بھی قیامِ خلافت کے لیے ہی جدوجہد کر رہے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہماری لڑائی صرف ظلم کے خلاف نہیں بلکہ قانون کے خلاف ہے۔ جمہوریت اور سیکولرازم...... اِن چیزوں کے خلاف ہے۔

تو میرے پیارے بھائیو!

اس کے بعد ایک وقت وہ بھی آیا کہ یہاں کے مجاہدین نے ایک فیصلہ کیا کہ ہم اُن تنظیموں سے جدا ہو کر ایک نظم بنائیں اور "ذاکر موسیٰ حفظہ اللہ" اس کے امیر بنے، (یعنی) ہمارے (امیر بنے)۔ تو اُس وقت ہم نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ طاغوتی ایجنسیوں سے جدا ہو کر جہاد کو آزاد کر کے نئے سرے سے منظم ہوا جائے، جو پورے ہندوستان میں جہاد کرے، جو گجرات کے مسلمانوں کے لیے بھی لڑے، جو حیدر آباد کے مسلمانوں کے لیے بھی لڑے بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے لڑے۔ اُن کے اوپر جو ظلم و ستم ہو رہے ہیں اُن کے لیے بھی اور قیامِ خلافت، یعنی اس نظام کو ہٹا کر برباد کر کے یہاں اسلام کا نظام لائے۔

لیکن اِس صورتحال میں بہت طرح طرح کے...... بہت جگہوں سے طعنے بھی آ رہے ہیں۔ یعنی کئی جگہوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ آپ تو بارہ پندرہ ساتھی ہیں، آپ تو بیس ساتھی ہیں، اِن سے کیا ہو گا؟ اِن سے تنظیمیں یا جماعت نہیں چلتی ہے۔ انٹیلی جنس کا ہاتھ ساتھ ہو گا تو چلے گی۔ تو میرے پیارے بھائی! یہ نئی باتیں نہیں۔ میں آپ کو مختصراً غزوۂ خندق کا واقعہ بیان کروں گا کہ نبی ﷺ جب خندق کھود رہے تھے، تو کدال مار رہے ہیں، تو چنگاری نکلتی ہے تو سلمان فارسیؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے کچھ دیکھا تو کہتے ہیں ہاں جی دیکھا دوسری بار جب پوچھا جاتا ہے

چنگاری جب نکلتی ہے کہ آپ نے کچھ دیکھا؟ ہاں جی دیکھا۔ تیسری بار جب پوچھتے ہیں تو ہاں دیکھا ہے میں نے فارس اور روم کے محلات دیکھے جن کو ہم فتح کر رہے ہیں۔ تو نبی ﷺ فرماتے ہیں، ہاں واقعی سچ میں ۔ ہم روم اور فارس کے محلات کو فتح کریں گے ایک دن۔ تو اُس وقت منافقین اور اس طرح کے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ دیکھا! کھانے کے لیے کچھ ہے نہیں، پینے کے لیے پانی نہیں ہے، کپڑے ہیں نہیں اور یہ روم اور فارس کے محلات کو فتح کر رہے ہیں، اُن کے اوپر قبضہ کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ تو ایسے میں قرآن پاک نے پھر کیا نقشہ کھینچا ہے:

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝

''یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آگئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے۔'' (سورۃ الاحزاب:۱۰)

جب دشمن تمہارے اوپر سے بھی آگیا اور نیچے سے بھی اور تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور دل (قلوب) منہ کو آنے لگے، تو اس وقت اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان پیدا ہونے لگے۔ تو یہ وہ سختی کا مرحلہ تھا...... تو یہی آج ہمیں اور اس طرح کے اور مجاہدین جو خلافت کے قیام کے لیے دنیا میں لڑ رہے ہیں، ان کو بھی انہی سوالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کہ پسٹل ہے بندوق نہیں ہے، بندوق ہے تو پاؤچ (جعبہ)، میگزین اور گولیاں نہیں ہیں، اور خلافت کی بات کر رہے ہیں! خلافت کے لیے تو کسی سٹیٹ کی حمایت کی بھی ضرورت ہوتی ہے! تو اللہ تعالیٰ اِن ضرورتوں اور تعداد کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے تو، إنّ اکرمکم عنداللہ اتقاکم، یہی تقویٰ اور پرہیز گاری دیکھی جاتی ہے اور پھر اگر خلافت اور شریعت ہماری زندگی کے اندر اگر قائم ہو جائے تو یہ ہمارے لیے بہت بڑی نعمت ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک کامیابی سے نوازا ہو گا۔ اگر ہمیں اس راستے میں شہادت مل جاتی ہے میرے پیارے بھائیو تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہو گی۔ جو شہادت کی نعمت ہے تو اللہ ہمیں نوازتا ہے تو یہ بھی ایک ہماری کامیابی ہے۔ تو اس میں ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ ہم کتنے ساتھی ہیں، کتنے لوگ ہیں، کتنی تعداد ہے، کتنا اسلحہ ہے، کتنا سامان ہے...۔ ساز و سامان یہ نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ کیا اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے؟ کیا قرآن و حدیث کی رو سے ہم ٹھیک ہیں؟ تو اِس چیز کو دیکھ کر اپنے سفر کو آپ نے طے کر کے جانا ہے۔ تو آخر میں، میں انہی مجاہدین کو جو دیگر تنظیموں کے نیچے کام کر رہے ہیں، اس وقت یہی عرض کر رہا ہوں کہ میرے پیارے بھائیو! یہ سمجھنے کا وقت ہے۔ قرآن اور حدیث کی رو سے جہاد کو سمجھنے کا وقت ہے کہ جہاد کو ان اداروں سے آزاد کروا کے اللہ کی غلامی میں دے دو بلکہ اُن کی غلامی سے نکل جاؤ۔ تبھی جہاد کے فوائد ہوتے ہیں۔ تیس سالوں سے جو جہاد اور قتال کے نام سے کشمیر میں ہو رہا ہے اس کا کچھ فائدہ ہمیں نہیں مل رہا۔ بلکہ جب چاہا پاکستان نے، کسی اور ادارے نے تو کشمیر کے اندر جنگجو گھسا دیے اور جب چاہا تو نکال دیے، تو اس سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں۔ ہاں ہم مانتے ہیں کہ جو شہید ہو گیا تو وہ شہید ہے۔ اللہ اُن کو غزوۂ ہند کے شہیدوں میں شریک کریں اور جو لڑ رہے ہیں وہ مخلص مجاہدین ہیں لیکن وہ استعمال ہو رہے ہیں ۔ آخر میں اُن مجاہدین سے میری یہی عرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی رو سے جہاد کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس راستے پر استقامت دیں، اور اس راستے پر اللہ تعالیٰ ہمیں ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طاغوت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جہاد جس مقصد کے لیے کیا جاتا ہے اسی مقصد کے لیے ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہنے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ربّنا تقبّل منّا إنّك أنت السميع العليم وتب علينا إنّك أنت توّاب الرحيم۔

بقیہ: خیالات کا ماہنامچہ

ایسی عذاب والی جگہوں پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو سر ڈھانپ لیتے اور تیز تیز وہاں سے گزر جاتے، ایسی جگہوں کا پانی نہ پیتے کہ یہ معذّب جگہیں ہیں...... 'مدینۂ ثانی' میں اسی سب کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

ذرا سوچیے...... بلکہ پورا سوچیے کہ ان کفر و شرک کے اڈوں کی آبادی سے جو ریونیو (revenue) جنریٹ (generate) ہو گا اور جو زرِ مبادلہ آئے گا، اس میں کس قدر 'برکت' ہو گی؟ وہ مسلمان جن کا کام دنیا میں فروغِ اسلام تھا، جن کا فرضِ منصبی...... من الظلمات الی النور...... دنیا کو کفر و جہل کی تاریکیوں سے نکال کر اللہ کی عبادت کے نور میں لانا تھا...... آج ان مسلمان کہلانے والوں میں سے بعض نے اس اندھیرے، سیاہی اور شرک کا بیوپار شروع کر دیا ہے...... فیاللعجب؟!

پھر 'مدینۂ ثانی' جس کا 'جدید صحیفہ ''پیغامِ پاکستان' ہے، یہاں ہر مذہب اور دین کے فروغ کی آزادی ہے، سوائے اسلام کے۔ سکھوں کے لیے شاہراہیں، گوردوارے، فائیو سٹار ہوٹل، بہترین سفری سہولیات...... بدھوں کے لیے نئے نئے عبادت خانے اور سہولت کاریاں...... جبکہ نفاذ و فروغِ اسلام کا مطالبہ کرنے والوں کے لیے، تعذیب، تشدد، اغوا، لاپتہ ہونا، جیلیں، جعلی پولیس مقابلے اور پھانسی گھاٹ!

★★★★★

ہم ربّ کا پرچم وادیٔ کشمیر میں لہرائیں گے!

ناصر باللہ شوپیانی

کشمیر میں شریعت یا شہادت کے علمبر دار، قافلۂ جانفروشاں کے دوسرے امیر بھی جنت سدھار گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شہادت قبول فرمائیں۔ ابتدا اسے ہی قائدِ کشمیر بھائی ذاکر موسیٰ کا یہ ہم سفر، ان کی نیابت کے بعد انہی سے جنت میں جاملا، نحسبہ کذالک۔

یہ کم گو مجاہد کمال کا داعی تھا، یہ معصوم چہرہ شاندار عسکری منصوبہ ساز تھا۔ ہمارے گمان میں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں احادیث ہی پر پورا اترتا تھا۔ کہ مومن بھولا بھالا ہوتا ہے اور مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ نائب امیر اور محترم بھائی ریحان خان کی دیگر 5 ساتھیوں سمیت شہادت کے بعد امیر ذاکر موسیٰ کے حوصلے کو مہمیز دیتے رہے۔ ساتھیوں کا حوصلہ ٹوٹنے نہ دیا۔ ذرا ہم غور تو کریں کہ کیا مجھ میں ایسا حوصلہ ہے کہ محض نفاذِ شریعت کی محبت میں تمام دنیا کو اپنا دشمن کرلوں؟ کیسا نفاذِ شریعت؟ دشمن کی قوت ایسی کہ دور دور تک ظاہراً منزل کا نشان تک نہیں نظر آتا۔ اے مسلمانو! ذرا دیکھو تو سہی! یہ ہیں آج کشمیر میں موجود اصحابِ بدر کی روحانی اولادیں۔ جن کا دستور و منشور محض اللہ کے کلمے کی سربلندی ہے۔ دشمن کی تعداد 8 لاکھ سے زائد اور یہ چاہے 70 کا عدد بھی پورا نہ کرتے ہوں، لیکن ڈٹے ہوئے ہیں!

آج غزوۂ ہند کے ان ابتدائی شہزادوں میں سے کوئی ایک بھی ہمارے ساتھ موجود نہیں ہے۔ گو کہ نئے آنے والے شیر ان کے قدموں پر قدم رکھے آگے بڑھتے ہی جارہے ہیں، مگر سبحان اللہ! وہ تو سب کے سب ہی جنت سدھار گئے۔ ذرا یاد کیجیے! ابو دجانہ کا اپنے رب پر توکل، کسمپرسی میں اس کی استقامت۔ کچھ نظر دوڑایئے اس کے مقامی انصار، عارف للہاری پر کہ کیسے وہ اپنے مہاجر دوست پر اپنی تمام دنیا قربان کر گیا۔ شریعت کی محبت میں خود دربدر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی سے جدائی برداشت نہیں کی۔ بھارتی فوج کی پالیسی ہے کہ اگر عین ان کاؤنٹر کے وقت بھی کوئی مقامی کشمیری سرینڈر کر دے تو وہ اسے مختلف مراحل کے بعد چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر بھی یہ عارف للہاری محض ایک پستول کے ساتھ سینکڑوں کی فوج کا مقابلہ کرنے کھڑا ہے، تب جبکہ بھارتی میجر خود اسے سرینڈر کرنے کا کہہ رہا ہے، مگر وہ سچا مومن آج طے کر چکا ہے کہ بس اب دنیا کے قید خانے سے فرار ہو ہی جانا ہے۔ آخر کیوں عزیزو، ابو حماس جیسا استاد اس راہ میں نکلا، اپنوں ہی سے گالیاں کھائیں اور پھر شہادت بھی ایسی پائی کہ جسم کے نام پر محض ایک کوئلہ نظر آتا تھا؟ وہ آوانتی پورہ میں شہید ہوئے کم عمر 3 لڑکے کس کس کو یاد ہیں جنہوں نے شہادت سے پہلے کے پیغام میں ذاکر موسیٰ بھائی سے کہا تھا ہماری میتوں پر پاکستانی جھنڈوں کے بجائے کلمے والے جھنڈے ہی ڈالے جائیں، مگر ان کی مکمل میّتیں مل ہی نہ سکیں۔ ہم سبزار احمد بھٹ بھائی کو نہیں بھولے جنہیں کہا گیا، اس خارجی (امیر ذاکر موسیٰ) کو راستے سے ہٹا دو۔ وہ نہیں مانے اور بالآخر خود بھی آخری رابطے میں اپنے امیر ذاکر موسیٰ سے دعائیں لیتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔ یہ ابھی دیکھیے، 5 اگست کے بعد سے محض غزوۂ ہند کے اس قافلے کے 5 مجاہد، بشمول امیر شہید ہوئے ہیں۔ وادی میں جاری قربانیوں کی یہ داستان یونہی چلتی جارہی ہے۔ ایک کے بعد ایک دیوانہ آتا جارہا ہے اور اپنا چھلنی سینہ لیے بارگاہِ ربانی پہنچتا جارہا ہے کہ اے اللہ! کیا ہوا جو اپنے ہاں اسباب نہیں تھے، کیا غم کہ دشمن سے زیادہ 'اپنے محسنوں' کی بے اعتباری تھی، کوئی بات نہیں کہ کسی ملک سے سپلائی و کمک کا بندوبست نہیں تھا، مگر ہم تیرے نظام کی خاطر گھروں سے نکلے، نافذ تو کو یا نہ کر پائے، مگر اس پر اپنی قیمتی ترین جان تو نچھاور کر ہی دی نا، اپنے چمکتے ہوئے مستقبل کو جوتے کی نوک سے اچھال پھینکا، اپنے بوڑھے والدین کی سسکیوں کو دل کی گہرائیوں میں جذب کیا، ہمارے ہنستے مسکراتے بہن بھائیوں کی خوشیاں ہماری میّت نے آہوں سسکیوں میں بدلیں، ہمارے دوست ہماری یاد میں پتھر کے بنے پھرتے ہیں۔ اے مالک! یہ قربانی سوائے تیری ذات کے کسی اور کے لیے ہرگز نہ تھی، ربّنا، برفوں میں جلتے ہمارے پاؤں تیری جنت ہی کی سمت بڑھنا چاہتے تھے، اے اللہ! پتے کھاتے وقت ہم دل و دماغ کو جنت کے میووں کی امید سے مطمئن کرتے تھے۔ خدایا! فلک بوس پہاڑوں کے پر مشقت سفر محض فردوس کے آرام و سکون کی خاطر تھے۔

اللہ! یہ مجاہدینِ کشمیر، دنیا کے کسی بھی جہادی خطے سے ان کا میل نہیں۔ جایئے جاکر دیکھیے! چاروں طرف سے روسی افواج اور ان کی پرا کسیز میں گھرا چیچنیا، وہاں بھی مجاہدین نے بیرونی دنیا سے آنے والی سپلائی اور کمک کا راستہ بنا رکھا تھا، محض اللہ کے فضل سے۔ شام و افغانستان میں، صومالیہ و الجزائر میں صحارا و اطراف میں ہزاروں مجاہدین ہیں[1]، ان کے پاس اسلحے کے ذخائر ہیں۔ بارود کے ڈھیر ہیں، فدائیوں کی کھیپیں ہیں، وہ نفاذِ شریعت کی صدا بلند کریں تو صد بار کریں، اگر دشمن طاقتور ہے تو وہ بھی بااحسن جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مگر کیا ہی بات ہے چناروں کے ان بیٹوں کی کہ بے سروسامان اٹھ کھڑے ہوئے، عین اپنے اجداد صحابہ کی مانند، اور آج لکھ لیجیے، زندہ رہے تو دیکھ بھی لیں گے، ورنہ بعد والے دیکھیں گے، یہ کشمیری شہزادے آج جس قدر بے آسرا ہیں، ایک دن اتنے ہی مضبوط ہوں گے، آج جس قدر قلیل

[1] یہ تقابل مجاہدین کے درمیان ہے، نہ کہ مجاہدین کا تقابل دشمن کی قوت سے

ہیں، ایک دن اتنے ہی کثیر ہوں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ قرآن کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ○ (سورۃ المجادلۃ: 21)

"اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زورآور اور غالب ہے۔"

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ○ (سورۃ آلِ عمران: 140)

"اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہوئے ہیں، ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو واضح کردے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔"

یقیناً یہ دن اللہ بدلتے رہتے ہیں، کشمیر سے ہند کا اخراج تو ذیلی واقعہ رہا، مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خوشخبریاں تمام ہند پر تمکین کی ہیں۔ ذرا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا جہادِ ہند میں شمولیت کا شوق تو دیکھیے، فرماتے ہیں:

وَعَدَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، غَزْوَةَ الْهِنْدِ، فَإِنْ أَدْرَكْتُهَا أُنْفِقْ فِيهَا نَفْسِي وَمَالِي، فَإِنْ أُقْتَلْ كُنْتُ مِنْ أَفْضَلِ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ أَرْجِعْ فَأَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ہندوستان پر لشکر کشی کا وعدہ فرمایا، تو اگر ہند پر لشکر کشی میری زندگی میں ہوئی تو میں جان و مال کے ساتھ اس میں شریک ہوں گا۔ اگر میں قتل کر دیا گیا تو افضل ترین شہداء میں سے ہوں گا، اور اگر زندہ واپس آ گیا تو میں (جہنم سے) نجات یافتہ ابو ہریرہ کہلاؤں گا۔ (سنن نسائی)

تو کیا خوش قسمت ہیں وہ مجاہدین اور ان کے آن گراؤنڈ ورکر، وہ انصار جو مجاہدین کو اپنا گھر اور زندگیاں داؤ پر لگا کر پناہ دیتے ہیں، وہ معاونین جو اپنی محنت سے کمائے اموال کھلے دل سے اس جہاد میں کھپاتے ہیں۔ اللہ انہیں استقامت دے اور ان کے اعمال میں برکت دے اور قبول فرمائے، وہ یقیناً روئے زمین پر ہی جہنم سے آزاد چلتے پھرتے ہیں اور اللہ ہمیشہ انہیں اپنی عافیت میں چھپائے رکھے۔ اگر ان پر کوئی تکلیف آن بھی پڑی تو وہ باذن اللہ اولیاء اللہ کے افضل درجے پر فائز ہیں۔ اے کشمیر میں موجود شیر دل مجاہدین! اللہ کی نصرت پر یقین رکھیے۔ وہ دیکھیے، وہاں خراسان میں آپ کے بھائی آپ کی نصرت کو بہم موجود و منہمک ہیں۔ آپ کسی قسم کے تساہل و بے ہمتی کا شکار نہ ہوں کہ وہ اہلِ ایمان جنہوں نے قلیل تعداد ہونے کے باوجود جہاد کا دم بھرا، اللہ نے ان کے الفاظ اپنی مبارک کتاب میں رقم کر دیے، جبرائیل علیہ السلام یہ جملہ لے کر آئے اور نبی آخر زمان کی زبان اقدس سے جاری ہو گیا، متوکل اہلِ ایمان کی یہ بات اور جملہ اللہ نے اپنی بات اور جملہ بنا دیا، اس کی تلاوت کرنے والوں کے لیے ڈھیروں اجر و ثواب اور اس پر عمل کرنے والوں کا مقدر لاریب کہ دنیا و آخرت کی فتح ہے، آئیے اس آیت کی تلاوت کریں کہ اللہ ہمیں اس پر عمل کی بھی توفیق دیں:

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللّٰهِ

وہ لوگ جو اپنے رب سے ملاقات کی آس لگائے ہوئے تھے، کہنے لگے

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ○

بیشتر اوقات یوں ہوتا ہے کہ اللہ کے اذن سے چھوٹی جماعت بڑے گروہ پر غالب آ جاتی ہے۔ اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ)

جم جائیے، پہاڑوں میں رہتے ہوئے حوصلے بھی پہاڑوں جیسے ہی بنا لیجیے، یہ کھوکھلا بنیا ضرور اہلِ ایمان کے قدموں میں گرے گا۔ مگر آپ طویل جنگ اور اس کی تیاریوں سے افسردہ تو بالکل نہ ہوں، نہ ہی مادی اسباب کے تحت فوری منزل کی تڑپ آپ کو اپنے ارادوں سے کہیں اور متوجہ کرنے پائے، ہم غزوۂ ہند کے مجاہد، نتیجے کے مکلف نہیں ہیں، ہمارا کام تو محض اس راہ میں اپنے مال، جان اور تمام صلاحیتیں کھپا دینا، اور چاہت، ذاکر موسیٰ، ریحان خان، ابو حماس اور ابو دجانہ بھائی کی طرح شریعت یا شہادت کی پکار لگاتے لگاتے شہادت کو پالینا ہے۔ ہماری کاوشوں اور محنتوں کے نتائج تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں، یہ اس پیارے رب کی مرضی کہ ہمارے جہاد کے نتائج کب ظاہر ہوں اور کب یہ پاکیزہ چمکدار لہو اپنا رنگ دکھائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غزوۂ ہند کا شاہسوار و انصار بنائے اور ہمارے اس سفر کا اختتام بقول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ افضل شہدا میں شمولیت سے فرمائے۔

اللہ مجاہدینِ کشمیر کی مدد فرمائیں اور انہیں منہج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلتے ہوئے شریعت کا پرچم لال چوک سے لال قلعے تک لہرانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

أللّٰهمّ قدّر فتح الهند بأيدينا، ويسّره لنا، ثم بارك لنا فيه يا أرحم الرحمين!

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بد ظن ہو گئے

وعظ میں کل آپ نے فرما دیا یہ صاف صاف
"پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے"

(علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ)

جو الہ مکھی پھٹنے کو ہے!

محمد راشد دہلوی

(چاندنی چوک، دہلی) فتح پوری مسجد اور لال قلعہ کے بیچ واقع ہے، جو اپنی چکاچوند اور پرانی تہذیب کے لیے مشہور ہے۔ یہاں پر ہندو کاروباری قوم قابض ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بہادر شاہ ظفر کے خلاف انگریزوں کو مخبری کی اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کر کے اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیا۔ اِسی سڑک پر بلّی ماران کا علاقہ واقع ہے جس کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ٹھیک اس کے سامنے والی گلی میں ایک چھوٹی سی قدیم مسجد ہے، جس کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہ مسجد ہندو اکثریت والے علاقے میں ہے۔

سنسنی خیز خبر

نوّے کی دہائی کے آخر میں، رمضان المبارک کی آمد سے پہلے، ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ اس سال رمضان کے مہینے میں اس قدیم مسجد میں نماز پر پابندی لگائیں گے۔ جس کے لیے انہوں نے غنڈہ گردی کا استعمال مناسب سمجھا۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے علاقے کے لوگ نماز اور تراویح کی ادائیگی کے لیے جایا کرتے تھے۔ لیکن اب کی بار انہوں نے مسلمانوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ اگر کوئی نماز کے لیے آیا تو وہ زندہ بچ کر نہیں جاسکے گا۔

کافر، کافر ہی ہوتا ہے!

کسی بھی ملک میں امن قائم کرنا اس ملک کے سکیورٹی اداروں کا کام ہوتا ہے۔ جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے امن کو ختم کرنا سکیورٹی اداروں کا اہم ٹاسک ہے۔

سکیورٹی ادارے (پولیس، فوج وغیرہ)، انتظامی ادارے، عدالتیں، سیاسی جماعتیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کمربستہ ہیں۔ ایسے کسی بھی واقعے میں یہ سب کافر ادارے مسلمانوں کے خلاف ایک ہو کر کام کرتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں مسلمان ایک مظلوم عوام کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں، جبکہ ان پر حکومت کرنے والا طبقہ کافر ہے۔ اداروں میں ایسے ہندو موجود ہوتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں سے بغض رکھتے ہیں اور ہمیشہ اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ اس پورے واقعہ میں پولیس کا رویہ انتہائی جانبدارنہ تھا۔ وہ اکثر مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے ملتے کہ آپ نماز کہیں اور ادا کر لیں، یہاں فساد ہونے کا اور حالات خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ ایمانداری سے اپنے کام کرنے کی بجائے وہ مسلمانوں کو دبانے پر ہی زور دیتے ہیں۔

دو سوچیں

ہندوستان میں دو قسم کی سوچیں پائی جاتی ہیں۔ ایک قسم کے مسلمان، آپ کو یہ کہتے ہوئے دِکھیں گے کہ ہندوستان ہمارا بھی ہے اور ہمیں یہاں کے اداروں، عدالتوں پر پورا یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ انصاف ضرور کریں گے، ان کے مطابق ہندو دہشت گرد جو چاہیں کریں لیکن ہمیں سنویدھان (آئین) کا احترام کرنا ہے اور قانون کو ہاتھ میں لیے بغیر اپنے معاملات حل کرنے ہیں۔ ایسے لوگ اکثر بھارت کے گیت گاتے دیکھے جاسکتے ہیں، اس طرح کی سوچ رکھنے والے آپ کو کہیں کہیں سیاسی جماعتوں میں، پولیس میں اور دوسرے اداروں میں بھی ملیں گے۔ جن کی تعداد بہت کم ہے۔

دوسری سوچ رکھنے والے ایسے مسلمان ہیں جو ایک جوالہ مکھی کی طرح ہیں جو ان شاءاللہ بہت جلد پھٹے گا اور مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے ایک ایک ظلم کا حساب، گائے کے پجاری کو دینا ہو گا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس طرح کے مسلمان ہندوستان میں مجبوری کے تحت جی رہے ہیں جو نہ ہندوؤں سے خوش ہیں اور نہ یہاں کے دہشت گرد اداروں سے۔

جو دیتے ہیں فسادوں کے شعلوں کو ہوا
ایسے ہاتھوں میں حکومت دیکھی نہیں جاتی

گر خطرے میں ہو دین و ایمان تو اٹھا لو تلوار
ایسے موقع پر شرافت دیکھی نہیں جاتی[1]

ہمارے علاقے میں رہنے والے وسیم بھائی اور قاری صاحب پارٹی کام دھام کم کرتی تھی اور یاری دوستی میں وقت زیادہ صرف ہوتا تھا۔ دنیا کے کاموں میں ان لوگوں کا دل کم ہی لگتا تھا۔ گلی سے گزرتے وقت ہم انہیں گپ شپ کرتے اور سموسے، جوس نوش فرماتے دیکھا کرتے تھے۔ ہم اتنے چھوٹے تھے کہ ان لوگوں سے ڈرتے بھی تھے اور متاثر بھی تھے۔ کیونکہ پولیس اکثر ان کے گھروں پر چھاپے مارتی رہتی تھی اور ان میں سے کئی لوگ جیل بھی جاچکے تھے۔ ان کا جرم یہ ہوتا تھا کہ وہ غیر قانونی اسلحہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ جس سے علاقے میں ان کی ایک

[1] شرافت کا اصل مفہوم تو تلوار کے بغیر ناقص ہے، لیکن ہم نے یہ شعر اس لیے لکھ دیا کہ عام تاثر میں آج کل تلوار اور شرافت جدا ہیں، سو 'شریف' لوگ بھی کچھ اس کی جانب متوجہ ہوں۔

دھاک ہوتی تھی۔ خیر جب یہ بات قاری صاحب کو پتہ چلی تو انھوں نے اور ان کی پارٹی نے مشورہ کیا کہ اب چاہے جو ہو، رمضان میں نماز وتراویح وہیں ادا کریں گے، ان شاء اللہ۔

رمضان شروع ہوتے ہی علاقے میں ایک عجیب فضا قائم ہو گئی۔ میری معلومات کے مطابق ان بھائیوں کے پاس ۵ یا ۶ پستولیں تھیں اور غالباً کچھ مرمیاں ہوں گی۔ رمضان کا چاند نظر آنے کے بعد ان کی ٹیم، جس میں تقریباً ۲۰ سے ۲۵ لڑکے تھے، مغرب کے بعد مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارے محلے کے کچھ لوگوں نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی، کہ وہ لوگ نماز کے لیے نہ جائیں ورنہ دنگا فساد ہو گا اور پولیس بے قصور لوگوں کو گرفتار کرے گی۔ لیکن ان نوجوانوں نے کسی کی ایک نہ سنی اور یہ کہتے رہے کہ یہ ہمارے رب کا گھر ہے۔ یہ ہماری مسجد ہے، ہم کیسے وہاں نہ جائیں؟ انھیں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہاں بھئی! ضرور وہاں نماز کے لیے جائیں اگر وہاں نماز نہ پڑھی تو تم مسٹنڈوں کی جوانی کا کیا فائدہ؟

خیر قاری صاحب اپنی ٹیم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہماری والدہ مغرب کی نماز میں دعا کر رہی تھی کہ یا اللہ! ہماری اور مسلمانوں کی جانوں کی، عزتوں کی حفاظت فرما...... اور وہ زارو قطار روتی جارہی تھیں۔ کیونکہ فساد میں ایک طرف مسلح ہندو ہوتے تھے اور دوسری طرف پولیس اور سی آر پی ایف کے دستے بھی جو ہندوؤں کی مدد کرتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ فساد کے بعد ہمارے محلے کے نوجوان گرفتاری کے ڈر سے محلہ چھوڑ کر چلے گئے۔ جس کی وجہ سے بچے اور خواتین انتہائی بے بسی کی حالت میں ہوتے تھے۔ قاری صاحب اور ان کی ٹیم جب مسجد کے قریب پہنچی تو وہ زور زور سے باتیں کرنے لگے کہ اب چاہے جو ہو ماریں گے، یا مر جائیں گے لیکن نماز یہیں ادا کریں گے۔ **ہے کسی مائی کے لال میں اتنی جرأت کہ ہمیں نماز پڑھنے سے روک سکے؟**

ہندوؤں کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ چند مسلمان یہاں نماز کے لیے اتنے خطرے کے باوجود آسکتے ہیں۔ جن بھائیوں کے پاس اسلحہ نہیں تھا انھوں نے اپنے ساتھ چھریاں اور قینچیاں رکھ لیں اور انھیں ایسے انداز میں چھپایا جس سے لگتا تھا کہ ان کے پاس بھی پستولیں ہیں۔ اللہ کی مدد اور دی ہوئی ہمت کے ساتھ ان نوجوانوں نے نماز و تراویح پر سکون طریقے سے ادا کی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے اور یہ کہتے ہوئے کہ کل ان شاء اللہ ہم ضرور آئیں گے، اپنے محلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان نوجوانوں کی ہمت و حوصلہ دیکھ کر اور نوجوان بھی نماز کی ادائیگی کے لیے تیار ہو گئے۔ اگلے دن قاری صاحب نے اپنا اسلحہ بہت ہوشیاری کے ساتھ چھپا دیا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ پولیس ان کی تلاش میں ضرور آئے گی۔ پولیس آئی، لیکن الحمدللہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔ نماز ادا کرنے کے لیے مسلمانوں کی بڑھتی تعداد کو دیکھ کر پولیس انتظامیہ نے ہمارے علاقے کے بزرگوں سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور انہیں سمجھانے لگے کہ ان نوجوانوں کو وہاں نماز پڑھنے سے آپ لوگ روکیں، کیونکہ حالات سنجیدہ ہیں اور فساد ہونے کا خطرہ ہے۔ لیکن قاری صاحب اور ان کی پارٹی نے کسی کی نہ سنی اور رمضان کے پورے مہینے میں نماز وتراویح وہیں پڑھتے رہے، اور یہ دکھا دیا کہ ہندو مشرک قوم کب آپ پر حملہ آور ہوتی ہے اور کب آپ سے ڈرتی ہے۔

سبق

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے اس واقعے میں ایک اہم سبق ہے، کہ ہندوستان میں آپ کی جانیں، مال، آپ کی ماؤں بہنوں کی عزتیں، آپ کا دین و ایمان اس صورت میں محفوظ ہو گا جب آپ کسی سیکولر پارٹی یا پولیس و انتظامیہ پر تکیہ چھوڑیں گے اور اپنا دفاع اور اپنے معاملات خود اپنے ہاتھوں میں لیں گے۔

ایک تقریر

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے

میری ہجرت کی بڑی وجہ وہ تقریر بنی جس نے میرے جینے کے مقصد کو ہی بدل دیا۔ اس مادّی دور میں اکثر بندہ ایک اچھی نوکری اور محفوظ مستقبل کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اس بات کی پروا بہت کم لوگ کرتے ہیں کہ میرے نبی کی شان میں کون مردود گستاخی کرتا ہے۔ نوجوان یہ کہتے ہوئے دِکھتے ہیں کہ **یار! یہ سب سیاست ہے،** چھوڑو جانے دو، اپنی ڈیلی روٹین کو ڈسٹرب نہ کرو۔

جمعہ کی نماز کے لیے میں اپنے گھر سے تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت طے کر کے نماز ادا کرنے جایا کرتا تھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ اس مسجد کے امام صاحب کی وہ تقریریں تھیں جو میرے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتی تھی۔ مجاہدین کی حمایت، اکابرین کے قصے اور گستاخِ رسول و دین کو جہنم پہنچانے والے مجاہدین کے کردار...... امام صاحب کی تقریر کا موضوع ہوا کرتے تھے۔

ڈنمارک کے ملعون خاکہ نگار نے میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ خاکے بنا کر مسلمانوں کے جیون پر سوال کھڑا کر دیا تھا؟ اس جیسے ملعون کو جہنم واصل کرنے کے لیے اگر امت کے ہر ہر بچے کے خون کا ہر ہر قطرہ بھی بہہ جائے تو وہ بھی کم ہے۔ اس ملعون کے خلاف دنیا بھر میں احتجاج ہو رہے تھے۔ ہندوستان میں بھی عوام نے الحمدللہ ریلیوں کا اہتمام کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

ایک قدم بڑھ کر!

جنتر منتر، دہلی کی شاہی جامع مسجد پر مسلمانوں نے بڑھی تعداد میں خاکہ نگاروں کے خلاف خوب نعرے بازی کی اور اپنا احتجاج دنیا کے سامنے درج کروایا۔ جمعہ کے دن ہم بہت بے قرار تھے کہ امام صاحب کیا بیان کرتے ہیں۔ کیا وہ بھی صرف احتجاج کریں گے اور خاکہ نگاروں کے خلاف نعرے لگائیں گے؟ (باقی صفحہ نمبر 100 پر)

ناروے... قرآن کی عزت کرو... یہ تمہیں کرنا پڑی گی!!!

سہیل منصور

یہ ناروے کا شہر کرسٹینٹن سینڈ ہے۔ آج یہاں اسلام دشمنی کی 20 سالہ تاریخ رکھنے والی شدت پسند تنظیم سیان یعنی (Stopp Islamiseringen av Norg[1]) کی جانب سے دینِ رحمت و عافیت "اسلام" اور مسلمانوں کے خلاف ایک جلسہ رکھا گیا ہے۔ مقامی انتظامیہ اور پولیس نے اس گروہ کے نظریات اور اس جلسے میں کی جانے والی طے شدہ توہین کو جانتے بوجھتے ہوئے شہر کے عین وسط میں اس کے انعقاد کی اجازت دی ہے۔ مغرب کی modern civilization کی اس civilized nation اور اس کی انتظامیہ نے یہ اجازت یہ سب جانتے ہوئے دی ہے کہ نہ صرف شہر میں موجود مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں گے، بلکہ یہ واقعہ عالمی سطح پر بھی بے چینی پیدا کرے گا۔ یہ جانتے ہیں کہ ان کا یہ فعل انہی کے خود ساختہ "عالمی امن" اور "عدمِ تشدد" کے نظریات کو کمزور کرے گا۔ مگر نہیں! الحاد و صلیب کی اولادیں آج پھر امتِ بے کس کا لٹمس پیپر ٹیسٹ کرنا چاہ رہی ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یہ امت بسترِ مرگ پر ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس بیمار نے اپنا ہر وہ بوجھ اتار پھینکا ہے جو ایک زندہ امت کی حفاظت و قوت کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ آج تو محض اس بات کا پتہ چلنا ہے کہ مریض کے پاس باقی کتنے دن بچے ہیں۔

فلوجہ و موصل کے مناظر اس خونخوار تہذیب کی تسلی کے لیے کافی ہیں، رقّہ و حلب کی بستیاں دیکھ کر ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے، وزیرستان و قبائل کے غیرت مندوں کو تو ان کے حواری ویسے ہی دربدر کر چکے، کشمیر و غزہ کی آہنی چٹانوں کو پگھلانے کے لیے 'اپنے' اور غیر سب 100 فیصد خلوص سے کام کر رہے ہیں۔

گو کہ مقامی انتظامیہ نے مسلمانوں کو یقین دہانی کروائی کہ قرآن جلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، مگر پھر بھی برسرِ عام قرآن کو جلانا ضروری ہے۔ وہ اس اطمینان انگیز نظارے کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیسے امت کا کوئی فرزند یہ سب دیکھے، ایک ٹھنڈی سانس بھرے اور اپنی روٹین میں پھر مصروف ہو جائے۔ وہ اس امت میں اپنے حواری، احبار و رہبان کی وفاداری کا منظر بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیسے منبروں سے ان عظیم سانحات کو غیر اہم کہا جائے گا، پھر کس بے حمیتی سے اس پر نوجوانوں کی تڑپ اور احتجاج کو بھی غیر ضروری کہا جائے گا۔ انتقام لینے کے اس موقع پر کس طرح پھر اعلان کیے جائیں گے کہ اسلام تو دینِ امن ہے۔ کس طرح بے سروپا دلائل دیے جائیں گے۔ عالمی دنیا کا یہ سارا منظر نامہ گویا ان کی طرف سے مسیح دجال کو پیغام ہو گا کہ دیکھ تیرے وفادار تیری عالمی حکومت کی راہ میں موجود اس آخری رکاوٹ (امت مسلمہ) کے اذہان کو کیسے مسخر کر چکے ہیں۔ پروگرام کا اجازت نامہ مل چکا ہے، دعوت ناموں پر شہر بھر کے ملعون متعین جگہ پر پہنچ چکے ہیں۔ عالمی و مقامی میڈیا کے بڑے بڑے ایچ ڈی کیمرے اس منظر نامے کی ریکارڈنگ کر رہے ہیں۔ سوشل میڈیا پر فریڈم آف ایکسپریشن کے تحت ہونے والے اس ایونٹ کی مکمل لائیو کوریج جاری ہے۔ نعرے اور قہقہے لگائے جا رہے ہیں۔ ایک پرجوش خطیب گلا پھاڑے قرآن کے 'جرائم' گنوا رہا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی ذات پر بھونک رہا ہے۔ کسی بھی بدنظمی و بے انتظامی سے بچنے کے لیے سامعین اور سٹیج کے درمیان ایک بڑا خلا رکھا گیا ہے۔ حاضرین کے سامنے بیریئرز کی دوہری تہہ ہے۔ اس سے آگے طویل فاصلہ، جس میں سادہ لباس و باوردی پولیس اہلکار موجود ہیں اور اسی خالی جگہ، بیریئر کی ایک تہہ میں وہ ملعون اوباش غنڈے کھڑے ہیں۔ بیریئر کی اس تیسری تہہ میں کھڑا اکافر سر دار پرجوش تقریر کرتے ہوئے پہلے قرآنِ مقدس کے دو نسخے ایک ڈسٹ بن میں پھینکتا ہے جو طے شدہ منصوبے کے تحت اسی مقصد کے لیے رکھی گئی تھی۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکار اس تیسری تہہ کو سخت حصار میں لیے ہوئے ہیں۔ اس "طاقتور" اور "مہذب معاشرے" کی حفاظت پر نازاں ایک ملعون، دلیری سے اس تیسرے حصار سے باہر نکل آتا ہے۔ وہ سامعین اور مرکزی سٹیج کے درمیانی وقفے میں آ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ دوہرے بیریئرز اور کثیر اہلکاروں کی موجودگی میں خود کو سیف فیل کر رہا ہے۔ پولیس اہلکار قرآن کے جلنے کا منظر دیکھ کر روکنے کے بجائے لطف اٹھا رہے ہیں۔ لمحے بھر میں وہ باغی تعزیراتِ خدا کی حتمی و مکمل مقدس قانونی و روحانی کتاب کے نسخے کو آگ لگاتا ہے، یہ اسی لمحے ہی ہوا کہ 4 سے 5 نوجوان مختلف اطراف سے سٹیج پر حملہ آور ہو گئے۔ اور اللہ اکبر کبیرا، وہی ہوا کہ

وَمَكَرُواْ وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ○

یہ دیکھیے پل بھر میں مسیح دجال اور اس کے چیلوں کی طویل محنت پر پانی پھر گیا۔ ان ننھے شیروں کی یہ ادنیٰ سی کاوش درحقیقت اس جدید جاہلی تہذیب کی ایسی تیسی کر گئی۔ وہ دیکھیے یہ امت کیسے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بزور بازو کفر کو توہین سے روکنے والے وہ شیر، امت کے ہیرو قرار پائے۔ اب وہ نوجوان، جس سے کفر کو توقع تھی کہ اس توہین پر ٹھنڈی آہ بھر کر روٹین لائف میں بزی ہو جائے گا، اس بات پر پچھتانے لگا کہ کاش میں بھی ان نوجوانوں میں شامل ہوتا۔ احبار و رہبان کی آنکھیں پتھرا سی گئیں کہ وفاداری کا ثبوت کیسے دیں گے اور حق پرست علمائے امت نے ان شیروں کی بحمد اللہ تعریف کی۔ یہ امت ایسی بیدار ہوئی کہ کئی بدنام زمانہ اسلام دشمن بھی یہاں

[1] Stop Islamisation of Norway

اپنی خاموشی پر حمایت کھونے کا خطرہ دیکھنے لگے۔ مسجد امیر حمزہ و دیگر سات مساجد، جامعہ حفصہ ولال مسجد اسلام آباد میں، بلوچستان و قبائل میں، سوات میں قرآن کے نسخوں سمیت بلامبالغہ سینکڑوں مساجد شہید کرنے والی مرتد فوج کے ترجمان نے بھی ٹوئٹر پر اس حملہ آور مجاہد نوجوان عمر الیاس کی تصویر شیئر کی اور تحسین کی۔ شام میں اہل ایمان کے خلاف صلیب کی اتحادی اور لیبیا و صومال میں براہ راست اسلام سے بر سرِ جنگ، ترک حکومت نے بھی توہین قرآن کے اس واقعے کی مذمت کی۔ کرتے بھی کیوں نہ؟ دونوں ممالک کے غیرت مند اہل ایمان بحمد اللہ ایک رعب کے حامل ہیں۔ اور یہ مذمتیں اور تحسین محض مسلم نوجوانوں کے اس دلیرانہ فعل پر امت کی اس واضح اور بیّن حمایت کے سبب تھیں۔ وگرنہ پیرس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے بنانے کے مجرم ادارے، چارلی ہیبڈو کے ہیڈ کوارٹر پر مجاہدینِ القاعدہ کے فدائی حملے کے بعد گستاخانِ رسول کی حمایت میں ہونے والے عالمی سربراہان کی قیادت والے جلوس میں اسی اردگان کا نائب احمد داؤد اوغلو، اردن کا شاہ عبد اللہ اور فلسطین کا محمود عباس، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سب دشمن، صف اول میں نیتن یاہو کے ساتھ موجود تھے۔ اور آج اس مجاہد کی تصویر شیئر کرنے والا آصف غفور بھی لندن اور اسلام آباد میں غزوۂ چارلی ہیبڈو پر عالمِ کفر کا ہم جولی ہونے کا اعلان کر چکا ہے۔

امت کا یہ کوئیک (quick) اور پوزیٹو (positive) رسپانس امت کے مجاہد بیٹوں کے لیے واللہ العظیم بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ اور اسی کے سبب نہ صرف امت پر مسلط خائنین کو موقف بدلنے پڑے ہیں بلکہ کفار نے بھی یوٹرن لیا۔ توہینِ قرآن کی خاطر منعقد ہونے والے اس اجتماع پر اس شاندار حملے کے سبب جہاں حملہ آور مسلمان نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا تو وہیں فوراً ہی سادہ لباس اہلکار اس ملعون گستاخ کو بھی ہتھکڑیاں لگا کر لے گئے۔ وہی جو ایک لمحہ پہلے اس ملعون کی حفاظت کو مستعد کھڑے تھے اور یہ اطمینان و سہولت قرآن جلانے کے سہولت کار تھے، انہوں نے نہ صرف اس ملعون کو بھی برابر گرفتار کیا بلکہ اس واقعے کے فوراً بعد پولیس نے جائے وقوعہ پر بکھرے پڑے قرآن کے اوراق کو بھی اکٹھا کیا جو مجاہد نوجوانوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اس ملعون کے ہاتھوں سے گر کر بکھر گئے تھے۔ صرف اتنا ہی نہیں آج واقعے کو کئی دن گزر گئے ہیں اور امت کا مجموعی تاثر بحمد اللہ بہت ہی شاندار ہے۔ اور تو اور اس شہر کے عیسائیوں کی انجمن نے بھی مسلمانوں سے اظہار یکجہتی کیا ہے...... اللہ اللہ...... گرم لوہے پر پڑی اس ہلکی سی ضرب نے دشمن کو کیسے مغلوب کر دیا۔ مسلمان نوجوانوں کا اگر یہ فوری ردعمل نہ آتا تو نہ ہی قرآن کے بکھرے اوراق جمع ہوتے، نہ ہی کفار اور ان کے حواری اس فعل کی مذمت کرتے نہ ہی اس ملعون گستاخ کو اسی کے ملک اور شہر میں گرفتار کیا جاتا...، ہاں! مغربی و مقامی میڈیا مسلمانوں کے احتجاجی مظاہروں پر تنقید ضرور کرتا۔ وہ مسلمانوں کو اجڈ، گنوار، آزادیٔ اظہار رائے کے دشمن، غیر جمہوری کہتے، دکھاتے اور ثابت کرتے۔ طارق فتح جیسے حیوان:

"Coming soon to a neighbourhood near you."

کی طرح کے کیپشن لگا کر ان مظاہروں کی ویڈیوز شئیر کرتے۔ لنڈے کے انگریز و سرخے بھی طرح طرح کی بکواس کرتے مگر بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان نوجوانوں کی معمولی سی دلیری نے پوری دنیا میں پوری امت کی لاج رکھ لی۔

معرکۂ ممبئی 2008ء میں یہودی مرکز نریمن ہاؤس پر قابض ایک فدائی مجاہد کا لہجہ اور بات مجھے اکثر یاد آتی ہے، جب ایک کافر ان سے یہودی مغویوں کی حفاظت کی بھیک مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے فلاں فلاں جگہ رابطے کیے ہیں اور ہم آپ کی ڈیمانڈ پوری کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، تو وہ مجاہد جواباً کہتے ہیں کہ ''کرو کرو، تمہیں کرنا پڑے گا!''۔ مظلوم جب ہاتھ میں ہتھیار اٹھاتا ہے، یا ظالم کے سامنے راہِ مقاومت اختیار کرتا ہے تو تاخیر چاہے ہو مگر ظالم پھر بغیر رکے سیدھا مظلوم کے قدموں میں آن گرتا ہے۔ اس واقعے میں الحمد للہ مسلمانوں کی فتح کے بعد ناروے کے کفار کا ردعمل مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ ''اے ناروے کے کفار، قرآن کی عزت کرو!''

''یہ تمہیں کرنا پڑے گی!''

شہروں اور سوشل میڈیا پر موجود مجاہدین کے محبین و ناصرین، یا دفاعِ حق کا جذبہ رکھنے والے ایکٹیوسٹس اور بلاگرز سے بھی یہی درخواست ہے ایسے مواقع پر گو کہ ہم آگے بڑھ کر ان مبارک چہروں کا بوسہ نہ لے سکے یا ان کے اس کارِ ثواب میں حصہ دار نہ ہو سکے مگر یہاں بیٹھے ہم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ امت کے ان گمنام مجاہد بیٹوں سے امت کو روشناس کروا دیں جنھوں نے بنگال و کراچی میں، راولپنڈی و اسلام آباد میں گستاخانِ قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا۔ اور ان کو ان کے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے کتنے ہی گمنامی میں اپنے رب کے پاس جا پہنچے۔ کتنے ہی قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔ اللہ ان کی تکالیف دور فرمائے۔ ایسے مواقع بہت ہی شاندار ہوتے ہیں امت کو یہ یاد دلانے کے لیے کہ کیسے امت کے بیٹوں، کواشی برادران نے ناموسِ رسالت پر جان نچھاور کی۔ امت کو ایسے ہی مواقع پر اس فدائی کی یاد دلائی جانی چاہیے جس نے اسلام آباد میں ڈنمارک کا سفارت خانہ زمیں بوس کیا تھا۔ مگر سبحان اللہ! 2019ء میں سب سے بڑی بازی تو اسلامیانِ ہند لے گئے۔ جہاں شیر صفت گوریلا جوانوں نے بدترین اور غلیظ، اسلام دشمن اور گستاخِ رسول کملیش تیواری کو ذبح ہی کر دیا۔ فللّٰه الحمد و المنّة۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ راقم اور قاری دونوں ہی سے قرآن عظیم الشان اور نبیٔ آخر الزمان کی عزت و ناموس کی حفاظت کا کام لے اور ہمیں اس راہ میں مقبول شہادت عطا فرمائے، آمین۔

ہماری اقصیٰ جلے محض کیوں ہمارا قندھار ہو خراب؟

خیر الدین دُرانی

"[’امن‘ ایک ’مساویہ‘ (equation) ہے] ’امن‘ ہمارے اور تمہارے بیچ مشترک نسبت ہے۔ تم اس وقت تک امن سے نہیں رہ سکتے، جب تک ہم حقیقتاً اپنے ’فلسطین‘ میں امن کے ساتھ نہ ہوں اور جب تک امریکی فوجیں ہماری سرزمینوں سے نکل نہ جائیں!"

یہ مبارک الفاظ اس بطلِ عظیم کے ہیں، جس کا نام محمد سعید شمرانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہود و نصاریٰ کی تمام تر سازشوں اور ظلم و ستم کے باوجود اس اُمت کے فرزندوں کا اپنے دین اور مقبوضات کے دفاع کی خاطر وہ جہادی جذبہ کبھی بھی ٹھنڈا نہیں پڑا، جس جذبے کو دل میں بسائے کل کے نضال حسن کی مانند آج کے محمد سعید شمرانی جیسے بہادر نوجوان نے وقت کی سپر پاور امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مبارک خون کی برکت سے توحید کی گواہی دی، وللہ الحمد!

محمد سعید شمرانی کون تھے اور کس مقصد کی خاطر آپ نے وقت کی سپر پاور امریکہ کو نشانہ بنایا؟

محمد سعید شمرانی رحمہ اللہ کا تعلق سعودی عرب سے تھا۔ آپ سعودی عرب کی اُن افواج میں سے تھے، جن کو سعودی حکومت نے سعودی عرب میں آلِ سعود کی بادشاہی اور امریکی اڈّوں کی حفاظت کی خاطر، بغرض تربیت امریکہ بھیجا تھا۔

محمد سعید شمرانی رحمہ اللہ نے امریکہ میں فلوریڈا کے شہر پنساکولا کے بحری اڈے کے ہوائی مرکز، (Naval Air Station) میں تربیت کے دوران اپنے اسلحے کا رُخ اُن امریکی میرینز (marines) کی طرف پھیر دیا جن کے ہاتھ ہزاروں مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ حملے کے نتیجے میں تین امریکی فوجی ہلاک اور دو امریکی افسروں سمیت آٹھ زخمی ہوئے اور اللہ کا یہ شیر، اس اُمت کا سپاہی اپنا جہادی فریضہ ادا کر کے اس دار فانی کو خیر باد کہہ کر ابدی جنتوں کی طرف پرواز کر گیا۔ محمد سعید شمرانی کے مبارک عمل نے قرآن کی اس آیت کے مصداق مومنین کے دلوں کو فرحت بخشی:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ○ (سورۃ التوبۃ: ۱۴)

"ان سے جنگ کرو تا کہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، انہیں رسوا کرے، ان کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کر دے۔"

گویا شہید محمد سعید شمرانی رحمہ اللہ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جس کے لیے ایک منظم منصوبہ بندی اور ایک فوج کی ضرورت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ہمارے محبوب شیخ ابو ہریرہ قاسم الریمی حفظہ اللہ نے دار الکفر، مغرب میں رہنے والے مجاہد و مرابط بھائیوں کے نام پیغام میں فرمایا:

"میرے مجاہد بھائی! ہم آپ کو محض ایک فردِ واحد کی حیثیت سے نہیں دیکھتے (حالانکہ آپ کے جہاد کو ایک انفرادی جہاد ہی کہا جاتا ہے)، بلکہ ہم آپ کو ایک جماعت، ایک بریگیڈ، بلکہ اپنی ذات میں ایک پوری فوج کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ہر وہ کارروائی جو آپ سرانجام دیتے ہیں ‘ سے متعلق ہماری خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے پاس ایک فوج ہوتی جو ایسی ہی کارروائی سرانجام دیتی۔ لہٰذا آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود کو اس اُمت کے ایک حصے کی صورت میں ہی دیکھیں، گویا آپ اس کے جسم کا ایک حصہ ہیں۔ اگر اس جسم کا کوئی ایک بھی حصہ تکلیف میں ہو تو پورا بدن بے خوابی اور تکلیف میں اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم جسدِ واحد کی مانند ہیں اور آج یہ جسم متعدد جگہوں پر زخمی ہے۔ آپ ایک ایسی جگہ پر رہتے ہیں جہاں سے آپ باآسانی ہمارے دشمن کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس یہ آپ ہی ہیں جو اس فرض کو نبھائیں گے۔"

بلاشبہ آج ہماری محبوب اُمت کا صرف ایک عضو زخمی نہیں بلکہ پورا جسم زخموں سے چور ہے۔ آج ہماری محبوب مسجدِ اقصیٰ یہود کے قبضے میں ہے۔ غزہ میں رہنے والے ہمارے مظلوم مسلمان، یہود کے ظلم و بربریت کا سامنا کر رہے ہیں، مصر میں ہزاروں مسلمانوں کا قاتل، یہود کا آلۂ کار سیسی، یہودی ریاست کے خواب میں رنگ بھرتے ہوئے، اہلِ دین کو پسِ زنداں ڈال کر مختلف تعذیبوں کا نشانہ بنا رہا ہے، روس، امریکہ اور بشار کی فوج کے ہاتھوں ہم شام کے مظلوم مسلمانوں پر ظلم و ستم کے دل سوز مناظر دیکھ چکے ہیں، جزیرۃ العرب کی سرزمین امریکی اڈّہ بنی ہوئی ہے، افغانستان امریکیوں کے ہاتھوں لہولہان ہے، چین کے زیرِ قبضہ سرزمین ترکستان، جہاں کبھی قتیبہ بن مسلم کے ہاتھوں اسلام کے جھنڈے گاڑے گئے تھے، آج اس کے مظلوم مسلمان کسی قتیبہ بن مسلم کی راہ تک رہے ہیں، ہماری بابری مسجد خون کے آنسو رو رہی ہے، ہمارا کشمیر ہندوؤں کے قبضے میں ہے، ہمارے برما کے مظلوم مسلمان بدھ مت کے پیروکاروں کے تحت ظلم و بربریت کے سائے تلے زندگی گزار رہے ہیں، پاکستان میں شریعت کا نعرہ بلند کرنے والے پسِ زنداں ہیں...

ایسے میں اے دارالکفر مغرب میں بسنے والے مسلمان نوجوان اور امریکی فوجیوں کے لیے نضال حسن اور محمد سعید شمرانی رحمہ اللہ کی مانند دل میں عداوت رکھنے والے میرے مجاہد فوجی بھائیو! تم ہی ہو کہ جس کے جوان جذبے اور بلند ارادے اِن مظلومین کی آہوں کو للکار میں بدل سکتے ہیں۔ تم ہی ہو جو کفار و مشرکین کو اپنے عمل سے پیغام دے کر مسلمانوں کی مقبوضہ سرزمینوں کا دفاع کر سکتے ہو، تمہارا یہ مبارک عمل دارالکفر میں موجود کفار کو مرعوب کر کے یہ پیغام دیتا ہے کہ بقولِ شاعرِ جہاد شہید احسن عزیز رحمہ اللہ:

ہماری اقصیٰ جلے محض کیوں ہمارا قندہار ہو خراب؟
تمہارے محلوں پہ آنچ آئے نہ کیونکر ان پہ گرے عذاب!
دکھوں کا اب کچھ نہیں مداوا' سوائے اس کے نہیں جواب!
بھَسم کریں ہم قلعے تمہارے' زمیں کریں اپنی بازیاب!

اس مبارک کارروائی کا مقصد امریکہ کو یہ پیغام دینا تھا کہ اگر تم میری اُمت کے اوپر ظلم و جبر سے باز نہ آئے تو پھر اپنے سینوں کو اُن چھلنی کر دینے والے حملوں کے لیے تیار رکھو جو اُمت کے فرزندوں نے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء سے لے کر اب تک تمہارے اوپر کیے ہیں اور جس میں ہزاروں کی تعداد میں تمہارے فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔

اس مبارک کارروائی سے قبل سر زمینِ صومالیہ میں جماعت قاعدۃ الجہاد سے تعلق رکھنے والے اللہ کے شیروں، "شباب المجاہدین" سے وابستہ دس سے زائد فدائی مجاہدین نے "بلیدوگی" میں صومالیہ کی سب سے بڑی امریکی بیس پر نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سو سے زائد امریکی فوجی ہلاک ہوئے اور اسی طرح کئی ڈرون طیاروں، ہیلی کاپٹر اور ہموی گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا، وللہ الحمد۔

اس مبارک کارروائی کے بعد الکتائب میڈیا سے ایک ویڈیو بعنوان "ہم اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکیں گے" جاری ہوئی۔ اس ویڈیو میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کارروائی سے قبل حرکت شباب المجاہدین کے امیر شیخ ابوعبیدہ احمد عمر حفظہ اللہ فدائی مجاہدین کے درمیان بیٹھے ہیں اور فدائی مجاہدین کو رخصت کرنے سے قبل ہدف کی نوعیت اور مقصد بتا رہے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے آج آپ کا انتخاب کیا ہے تا کہ آپ اپنے خون سے اس کے دین کی نصرت کریں اور امّت مسلمہ پر چھائی ذلّت و پستی کو دور کر دیں۔ آپ جس ہدف پر حملہ کرنے جا رہے ہیں، اس کے لیے مسلمانوں نے ہر اس چیز سے آپ کی مدد و نصرت کی ہے جو ان کے بس میں تھی، اور اللہ جانتا ہے کہ آپ کی مزید اعانت کرنے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ کا ہدف صومالیہ میں امریکہ کی سب سے بڑی ملٹری بیس ہے۔ یہ وہی بیس ہے جہاں سے ڈرون طیارے اڑتے ہیں۔ جہاں سے مسلمانوں کو نشانہ بنانے والے ہیلی کاپٹر پرواز کرتے ہیں۔ جہاں سے 'بینکر وفٹ گلوبل' کے کرائے کے سپاہی مسلمانوں کے خلاف چھاپے مارتے ہیں۔ جہاں امریکی افواج اپنی مرتد کٹھ پتلیوں کی تربیت کرتی ہیں۔ یہ وہ ہدف ہے جس کی طرف آپ جا رہے ہیں۔ یہ ایئر بیس جو کہ صومالیہ میں موجود سب سے بڑی امریکی ملٹری بیس ہے، یہ 'بلیدوگل' ایئر بیس ہے۔ آج ہمارا سب سے بڑا ہدف مرتدین نہیں، بلکہ امریکی افواج ہیں۔ آج ہم نے اس کارروائی کے لیے جو اتنی محنت اور تیاری کی ہے، تو امریکی افواج کو نشانہ بنانے کے لیے کی ہے۔ اس لیے آپ کو نہایت مستعدی سے یہ آپریشن پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہو گا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کفار بزدل و ڈرپوک ہیں، جیسا کہ اللہ نے ہمیں قرآن مجید میں بتلایا ہے۔ یہ آپریشن جو آپ کرنے والے ہیں یہ ہر اس مسلمان کا بدلہ ہے جو ان امریکی ڈرون حملوں کے نتیجے میں متاثر ہوا یا قتل ہوا۔ یہ ہمارے ان مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی جانب سے انتقام ہے جو جیلوں میں قید ہیں، جن میں سرِ فہرست ہماری بہن عافیہ صدیقی ہیں۔ اور ہمارے وہ بھائی جو شہید ہو چکے ہیں، جن میں سب سے پہلے عالمی جہاد کے قائدین کا نام آتا ہے، جیسا کہ شیخ اسامہ بن لادن، شیخ ابو بصیر، شیخ ابو یحییٰ اللیبی، شیخ عطیۃ اللہ، شیخ ابوالخیر، ہمارے شیخ ابو زبیر اور معالم آدم، حرکۃ الشباب المجاہدین کے بانی قائدین، اور ان کے علاوہ دیگر تمام شہداء......"

امریکہ اور یہود کے خلاف ہر مبارک کارروائی ہمارے بیت المقدس کے گرد زنجیروں کے ٹوٹنے کی ایک کڑی ثابت ہو گی۔ پس امریکہ اور یہود جان لیں کہ "القدس ہمارا ہے، یہ ہرگز یہود کا نہیں ہے!"، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے محبوب شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے جن کی کوششوں سے کفر کے سرغنہ امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں پر ایسی ضربیں پڑیں جو آج تک مسلمانوں کے لیے نمونۂ عمل بن کر مغرب کے ایوانوں کو لرزا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مجاہدین کو اس مبارک منہج پر آخری دم تک قائم و دائم رکھیں اور اسی منہج کو اختیار کرنے کے سبب کفر کو مجاہدین کے ہاتھوں نیست و نابود کر دیں اور ہمیں اپنی محبوب اُمت کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی وہ مبارک بہاریں دکھلانے کا باعث بنائیں جس کے دیکھنے کے لیے تمام مسلمانوں کی آنکھیں ترس رہی ہیں۔

یہودیوں کا جشن!

"امریکہ کی فوج یہودیوں کی صورت میں آج حرمین شریفین میں موجود ہے۔ سعودیہ میں تقریباً گیارہ مقامات میں آج امریکہ کی فوج بیٹھی ہوئی ہے اور آپ تعجب کریں گے کہ خیبر میں امریکی فوج موجود ہے جن کی اکثریت یہودیوں پر مشتمل ہے اور جب وہ خیبر میں داخل ہوئے تو انہوں نے جشن منایا۔ کیا جشن منایا...... کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آج سے تقریباً ساڑھے بارہ تیرہ سو سال پہلے ہمیں نکالا تھا، اب ہم پھر خیبر میں داخل ہو گئے۔ تیرہ سو سال بعد اُن کی فوجیں پھر حرمین کے اندر موجود ہیں۔"

(مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ)

دِلوں سے خوفِ خدا گیا

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

دھرنے کے ہچکولوں کے بعد خیریت ہی تھی کہ یکایک ایک آئینی بھونچال آ گیا۔ اچانک ایسی افتاد آن پڑی کہ قوم بھونچکی رہ گئی۔ ٹماٹروں کی قیمت بھی بھول گئی۔ ناتجربہ کاری اور عدم تیاری کے ہاتھوں ہمارے حکمران ہمیں اور کچھ دیں نہ دیں، سنسنی خیزی سے بھرپور نت نئے دل بہلاوے، توجہ ہٹانے کو ضرور دیتے رہتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ گلوبل ولیج بن جانے اور ابلاغی سرعتوں کے بیچ ہر خبر دنیا کے چوراہوں پر جا بیٹھتی ہے اور قومی سبکی کا سامان لاتی ہے۔ پھر دشمن کا میڈیا بغلیں بجاتا، تالیاں پیٹتا ہے تو ہم کھسیے نوچتے رہ جاتے ہیں۔ عجب بات ہے کہ کابینہ تو مشرفی وزراء پر مبنی ہے۔ اس کے باوجود ایسی حماقتیں اور غلطیاں؟ رکشوں کے پیچھے لکھا ہوتا ہے، 'یہ سب میری ماں کی دعا ہے۔' اس حکومت کے لیے اگر ہم کہیں کہ 'یہ سب سکھوں کی دعائیں ہیں'، تو غلط نہ ہو گا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بھارتی سکھ عوام کے غمگسار، ہمارے بڑوں نے (قوم سے پوچھے بغیر) نتائج و عواقب، زمینی قومی تاریخی حقائق سے بے پرواہ، بلا ضرورت (Uncalled for) کرتار پور کی نوازشات برسا دیں۔ اس پر دنگ سکھوں نے ہمارے دو بڑوں پر دعاؤں کی بوچھاڑ کر دی۔ کرن سنگ (صدر انڈین سوسائٹی آسٹریلیا) نے بتایا کہ آپ سکھ قوم کے محسن ہیں۔ میری والدہ آپ کو بہت دعائیں دیتی ہیں۔ حکومت کی بچی کھچی سانسیں سکھ دعاؤں کا نتیجہ ہیں! ملک بھر میں چوروں ڈکیتیوں کی بھرمار ہے۔ بزنس ٹھپ ہو رہے ہیں۔ دوکانیں بند ہو رہی ہیں۔ مریض ڈاکٹروں کے پاس نہیں جا رہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے دوائیں، ٹوٹکے پوچھ کر فیس بچا رہے ہیں۔ ہسپتالوں میں یا ہڑتالیں ہیں یا طبی سہولیات کی عدم دستیابی سے لوگ اب اللہ سے لو لگا کر شفا دعاؤں وظیفوں سے پانے کی فکر میں ہیں۔ ایسے میں معاون خصوصی صحت ڈاکٹر ظفر مرزا کا فرمانا کہ 'لوگ ہمارے ہیلتھ سسٹم کا مطالعہ کرنے آئیں گے'۔ ابھی تو لوگ آپ کے نوٹیفکیشن سسٹم کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ سبزی منڈی کا گرانی سسٹم اور اس کے نتیجے میں پیدا شدہ پریشانی سر گرانی کا مطالعہ جاری ہے۔ کراچی میں ٹڈی بریانی پر رشک کناں ہیں۔ آگے آگے دیکھیے...

اسی دوران یورپ کے قلب میں دن دہاڑے 'اسلاموفوبیا' کے عنوان سے ایک اور مرتبہ دہشت گردی کا ارتکاب ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے احساسات و جذبات کے خلاف کیا گیا۔ قرآن جلانے کا مذموم مظاہرہ ناروے میں ہوا۔ ہمیں رواداری، سافٹ امیج بنانے کے بھاشن دینے والوں کی غنڈہ گردی اور خبث باطن نیا تو نہیں۔ 18 سال ہم نے کیا کچھ نہ دیکھا۔ جو کہانی ملعون سلمان رشدی کی مغلظات بھری توہین آمیز کتاب 'شیطانی آیات' کی پزیرائی سے شروع ہوئی تھی، یہ اسی کا تسلسل ہے۔ تین دہائی قبل اس کتاب کو یورپ بھر میں لٹریچر کے اعلیٰ ترین ایوارڈوں سے لادا گیا۔ برطانیہ نے 'سر' کا خطاب دیا۔ برطانیہ جو ٹکہ ٹکہ گن کر خرچ کرتا ہے، سلمان رشدی کی سکیورٹی پر بے دریغ ٹیکس دہندگان کے پاؤنڈ لٹاتا رہا۔ تاکہ پھر اسے اپنے امیر بھائی، امریکہ کے حوالے کیا تحفظ کی خاطر۔ اس کی بدبودار کتاب چھاپ کر مفت بانٹی گئی تاکہ ہر ریڑھی، تھڑے پر بھی یہ گندگی موجود ہو، کوئی گورا اس 'ادب مغلظہ' سے محروم نہ رہ جائے۔ نائن الیون کے بعد ڈنمارک سے اسی تسلسل میں چھاپے گئے بارہ گستاخانہ خاکے بھی پورے یورپ نے آزادی اظہار کی آڑ میں پھیلائے اور شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان حملوں سے مسلمانوں کا خون جگر پیا۔ اگرچہ آفتاب پر تھوکا منہ پر آیا کے مصداق یورپ اخلاقی بحران کی دلدل میں غرق ہوتا چلا گیا۔ 2011ء میں فرانسیسی اخبار نے یہی کرتوت دہرائے۔ ادنیٰ ترین اخلاقیات ایک عام انسان کو احترام باہمی کا بنیادی سبق دیتی ہے۔ مغربی دنیا کے سیرت و کردار کی گراوٹ کا جو عالم پوری تاریخ میں رہا۔ ہم مسلمانوں نے کبھی ملکہ وکٹوریہ کی داستانیں یا ان کے دیگر زعماء کے پردے چاک نہ کیے۔ تاہم ان کی عالی مرتبت یونیورسٹیوں اور علمیت کی دھوم دھام اور تہذیب مغرب کی حقیقت جیسی اکیسویں صدی میں حیا کے پردے چاک کر کے سامنے آئی ہے، شرمناک ہے! حقوق انسانی اور حقوق حیوانی تک کے بلند بانگ دعوے داروں نے ناروے میں حکومتی اجازت سے یہ مظاہرہ علی الاعلان کیا۔ مسلمان حفظ ماتقدم کے طور پر موجود تھے۔ پولیس کا یہ وعدہ تھا کہ وہ قرآن جلانے کی اجازت سیان نامی تنظیم کو ہرگز نہیں دیں گے۔ تاہم ان کی قلعی عملاً کھل گئی۔ پہلے، شدید نفرت آمیز گستاخانہ کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مائیک پر اگلے گئے۔ پھر دو قرآن(عظیم الشان کے نسخے)ردی کی ٹوکری میں پھینکے۔ انہیں انتہا پسندی (Hate speech) نفرت انگیزی کا مجرم قرار دینا منع ہے۔ انہیں 'پیغامِ پاکستان' کے وزن پر 'پیغامِ ناروے'۔ 'پیغامِ ڈنمارک'...وغیرہ پر ان کے بڑے مجبور نہیں کر سکتے، نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہم غلاموں کا کام ہے۔ یہی خبثِ باطن پیغامِ ناروے ہے۔ پیغامِ یورپ و امریکہ و مغرب ہے! یہ ویڈیو دیکھے جانے کے لائق ہے۔ اگر شامی ماں کا لال، عمر دابا امت کی طرف سے لات رسید نہ کرتا، اس پر حملہ آور نہ ہوتا تو ہم کس قابل رہ جاتے۔ داب بمعنی ثبات، جان فشانی، مستقل مزاجی، سرگرمی، عقیدتمندی کی صفات لیے ہوئے ہے۔ اور عمر نے ان تمام صفات کا مظاہرہ کیا ہے۔ دورِ اول میں دو تھپڑ ہیں جو ہمیشہ دل کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔ ایک کم عمری میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوجہل کو مارا تھا۔ دوسرا وہ جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہودی کو اللہ کی شان میں گستاخی پر رسید کیا تھا۔ اب عمر نے شیروں کی طرح بدباطن ناروجین بدمعاش پر (معذرت خواہی کی ماری، گھگھیائی) امت کا جو فرض اور قرض چکایا ہے اس نے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ اس واقعے میں ناروے پولیس کا مکر اور فریب کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ مسلمان صبر کے بند

باندھے پولیس کے وعدوں پر اعتبار کیے رہے۔ یہاں تک ملعون نے قرآن پاک کو آگ لگا دی۔ پولیس تماشا دیکھتی رہی۔ عمر جھپٹا تو پولیس ہوش میں آئی۔ اس نے لپک کر مجرم کی بجائے عمر کو قابو کیا۔ اس پر پل پڑی۔ چاروں طرف سے بھاری بھر کم پُلسیوں نے عمر اور کود پڑنے والے مسلمانوں کو گرا لیا۔ مجرم کو آرام سکون سے ایک بے وردی شخص ایک طرف لے جاتا دیکھا جا سکتا ہے۔ اسے گویا حفاظتی تحویل میں رکھا گیا۔ قرآن جلانے کے مجرم تھارسن نے قانون ہاتھ میں نہیں لیا؟ مسلمانوں کے سامنے دوسرا دریدہ دہن لاوا اگلتا رہا، وہ بھی نہ انتہا پسند تھا نہ تنگ نظر جنونی۔ کیا فرماتے ہیں مغربی تہذیب کی عظمت کے دن رات گن گاتے لبرل سیکولر ہمارے دانشور اس متعفن بد تہذیبی پر؟ انسانی سطح پر تو اب مغرب کی تعریف کرنے کے لیے نہایت غبی، کند ذہن یا ڈھیٹ ہونے کی ضرورت ہے۔ جنگی درندگی، سیاسی مکر و فریب جھوٹ، معاشی استحصال، اخلاقی معاشرتی گراوٹ میں سب نیچوں سے نیچ۔ تازہ ترین آزادی مارچ مغرب کے تہذیبی مرکز پیرس میں دیکھیے۔ یہ کہانی سر کی آنکھوں سے دیکھ پڑھ سکتے ہیں جو افریقہ کے کسی پسماندہ گنوار جنگل کی نہیں، فرانس کی ہے۔ یہ ایک لاکھ مظاہرین، عورتوں پر گھریلو تشدد کے خلاف احتجاج کناں ہیں۔ اب پانی سر سے گزر چکا۔ ہر سال دو لاکھ 20 ہزار عورتیں، عمر 18 سال تا 75 سال (نانی، دادی؟) مردوں سے جسمانی تشدد کا سامنا کرتی ہیں۔ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق ہر 3 دن میں ایک عورت قتل ہو رہی ہے۔ تاہم جگر تھام کر پڑھیے کہ یہ اپنے راہ چلتے نئے یا پرانے پارٹنرز کے ہاتھوں پٹتی اور قتل ہوتی ہیں۔ شوہر ان کا مقدر کہاں! ان میں سے صبر شکر وہ کر لیتی ہیں جو سگے شوہر یا بچوں کے باپ کے ہاتھ پٹیں۔ اب تو فرانسیسی صدر میکرون پکار اٹھا۔ یہ فرانس کے لیے شرم کا مقام ہے (ڈوب مرنے کا!)۔ پورے فرانس میں 700 تنظیموں نے 30 مارچ کیے۔ یہ بھی کہ: عورت کو عزت دو۔ تاہم یہ اضافہ ہم کیے دیتے ہیں، عورت کو کپڑے دو، گھر دو، شوہر دو! البن ڈیرنگ نے تحقیق کے نتیجے میں لکھا ہے کہ عورت کی شکایت پر پولیس بھی تعاون نہیں کرتی! اب فرانسیسی وزیر اعظم نے نئے اقدامات کی یقین دہانی کروائی ہے۔ 24 گھنٹے تشدد ہاٹ لائن، تھانوں میں سوشل ورکر میسر ہوں گے۔ (روزانہ 600 فون آتے ہیں) اب دیکھیے عمر دابا کی ماری لات تہذیب مغرب کی قامت پر کیسی فٹ بیٹھتی ہے۔ اکبر الہ آبادی نے تو گالی دے کر کہا تھا۔ منہ پہ وہ تھپڑ رسید کر... مگر اب تو لات بھی کم ہے! پاکستان کو فرانس نما ماڈریٹ بنانے کے شائقین ذرا توجہ سے یہ رپورٹ پڑھ لیں۔ ہمارے ہاں بھی اب عورت کی نام نہاد آزادی، اس کے مقام اور عزت کے درپے ہو چکی۔ خبریں فراواں ہیں۔ ایمان و اقدار بھلا کر ہم بھی بہت دور نکل گئے ہیں۔

ع وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوفِ خدا گیا

(یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے)

بقیہ: جو الہ مکھی پھٹنے کو ہے!

امام صاحب نے بڑے جوشیلے انداز سے تقریر شروع کی اور مسلمانوں کے جذبے کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ لیکن اس سب بڑھ کر امام صاحب نے اپنے بیان میں ایک اہم بات کہی۔ امام صاحب بولے:

”میرے نبیؐ کے دل کو ٹھنڈا صرف نعروں سے یا پر امن احتجاج سے نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ہمیں لیبیا کے مجاہدین والا طریقہ اپنانا ہو گا، جس طرح انھوں نے راکٹ لانچر کا استعمال کر کے ان کے سفیر کو جہنم واصل کیا، ہمیں بھی شہادت والا، مجاہدین والا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔ تب ہی ہم اپنے نبیؐ کی محبت کے مستحق ہوں گے۔“

انھوں مزید کہا کہ ”اس ملک اور اس کے خاکہ نگار کو تحفظ، اس سے محبت اور دوستی آپ کے ملک ہندوستان کی پالیسی کا حصہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ دنیا کے تمام کافر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اس طرح جمع ہوتے ہیں جس طرح دستر خوان پر کھانے والے جمع ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا ہم ہر اس حکومت، اس شخص کے خلاف ہیں جو گستاخِ رسول کے محب اور ان کے ہمدرد و مددگار ہیں۔ اور ان سے انتقام کا واحد طریقہ جہاد ہی ہے۔“

جمعہ کی نماز کے بعد میں اپنے آپ پر ایک عجیب سا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ اور میرے ذہن میں یہ خیالات گردش کر رہے تھے کہ کیا صرف دوستوں میں چند باتیں کرنا ہی کافی ہے؟ کیا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا صحیح حق ادا کر رہا ہوں؟

ان سب سوالوں کے جواب جاننے کے لیے میں نے پرانی دِلّی میں ایک مدرسے کے ناظم صاحب کی طرف رجوع کیا، جن سے ہمارا پرانا تعلق تھا۔ ناظم صاحب نے مجھے چند ملاقاتوں کے بعد جہاد کی دعوت دی اور ہجرت کا مشورہ دیا۔ ناظم صاحب کا مقصد افغانستان کی طرف ہجرت کرنا اور افغانستان میں بر سرِ پیکار مجاہدین سے رابطہ کرنا اور ہندوستان تک اہلِ دین کی ایک چین (ربط یا زنجیر) بنانا تھا تا کہ ہندوستان سے مجاہدین کا سلسلہ شروع ہو اور القاعدہ اور طالبان کی رہنمائی میں جہاد کے فریضے کو انجام دیا جائے۔

اور یوں میں بفضل اللہ، اللہ کی راہ میں نکل آیا، سمجھانے والوں کی باتوں سے میں یہی سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق جہادِ فی سبیل اللہ ہی کے ذریعے ادا ہو سکتا ہے۔

یاربّ! ہمیں اپنے راستے میں کٹنے کی سعادت سے محروم نہ کیجیے گا، آمین۔

☆☆☆☆☆

شہید شیخ احسن عزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شہیدہ اہلیہ... اللہ ان سے راضی ہو!

اُم عمار

بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو آپ کی زندگی پر بہت گہرا اثر چھوڑ جاتی ہیں۔ اگر وہ تاثر اچھا ہو تو اس شخص کے لیے بلاشبہ صدقۂ جاریہ ثابت ہوتا ہے۔ نہایت قلیل مدت میں میری زندگی اور میری سوچ و فکر پر گہرے نقوش چھوڑنے والی ایسی ہی ایک شخصیت ہاجرہ باجی رحمہا اللہ کی ہے۔ باجی کا مجھ پر بہت حق ہے، اور میں ناکارہ ان کا حق ادا کر نہیں سکی۔ یہ تحریر دراصل ان سے محبت و عقیدت کے اظہار اور ان کی محبت، نصرت، خیر خواہی اور خلوص کے اعتراف کی بس ایک ادنٰی سی کاوش ہے۔

باجی سے میرا تعارف جب ہوا تو میں نے انہیں ہاجرہ اور ام ہاجر کے نام سے جانا۔ ان کا اصل نام عذرا ہے اور وہ شاعرِ جہاد، استاذ المجاہدین، شہید شیخ احسن عزیز رحمہ اللہ کی اہلیہ ہیں۔ اپنی شادی کے چند ہی روز بعد جب میں وزیرستان کی سرزمین پر پہنچی تو میرا استقبال باجی ہی نے کیا۔ اور پھر انہوں نے خود مہاجرہ ہوتے ہوئے اور اس کے باوجود کہ انہیں اس سرزمینِ ہجرت پر قدم رکھے فقط چار ماہ ہی ہوئے تھے، میرے لیے انصار کا کردار ادا کیا۔ باجی کی موجودگی میرے لیے بہت ڈھارس کا باعث تھی کہ بالکل ابتدا میں بغیر کسی ہم زبان خاتون کے رہنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ باجی قرآن پاک کی حافظہ تھیں، سنجیدہ کتب کے مطالعے سے رغبت رکھتی تھیں اور اللہ رب العزت نے انہیں زبانیں سیکھنے کی خصوصی صلاحیت عطا کر رکھی تھی۔ وزیرستان میں محض چار ماہ کے دوران انہوں نے اچھی خاصی مقامی زبان سیکھ لی تھی اور انصار کی خواتین سے وہ انہی کی زبان میں گفتگو کرتی تھیں۔ پشتو کے علاوہ وہ عربی زبان سے بھی اچھی خاصی واقفیت رکھتی تھیں اور یوں عرب مہاجر گھرانوں میں بھی ان کا خاصا میل جول اور دوستی تھی۔

باجی سے ابتدائی ملاقات ہی میرے لیے بہت خوشی کا باعث تھی۔ پہلی ملاقات ہی میں وہ مجھے بہت اچھی لگیں۔ بہت صاف ستھری رہنے والی، خوش لباس خاتون تھیں۔ طنز و مزاح کی حس بھی اللہ ربّ العزت نے دے رکھی تھی۔ نہایت لطیف طریقے سے اپنا نکتہ بھی بیان کر جاتیں اور دوسرے کو محسوس بھی نہ ہوتا۔ البتہ شریعت کی بات کے علاوہ کسی بات پر اصرار نہ کرتیں۔ اگر یہ دیکھتیں کہ مخاطب ان کے نقطۂ نظر سے متفق نہیں تو اپنے مقف کے درست ہونے کے باوجود فوراً اس بات کا ذکر چھوڑ دیتیں۔ ایک مرتبہ ہم دونوں ایک تیسری بہن سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔ اس بہن نے اپنی بچی کے کپڑے دکھائے جن کی کٹائی انہوں نے خود کی تھی۔ چونکہ انہوں نے پہلی مرتبہ یہ کام کیا تھا اور بغیر کسی رہنمائی کے کیا تھا لہٰذا انہوں نے بچی کی قمیض اتنی تنگ کاٹی تھی جو سلائی کے بعد کسی صورت بچی کو پوری نہ آسکتی تھی۔ باجی نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا، مگر ان خاتون نے نہ مانا اور یہ اصرار کیا کہ یہ بھی تو دیکھیں کہ میری بچی کتنی دبلی ہے۔ باجی فوراً خاموش ہوگئیں اور کہا کہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ سلائی کے بعد مذکورہ بہن کو خود ہی اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔

البتہ شریعت کی بات کے علاوہ کسی بات پر اصرار نہ کرتیں۔ اگر یہ دیکھتیں کہ مخاطب ان کے نقطۂ نظر سے متفق نہیں تو اپنے موقف کے درست ہونے کے باوجود فوراً اس بات کا ذکر چھوڑ دیتیں۔

ہر ایک کی خدمت، مہاجرہ بہنوں کی ہمدردی و خیر خواہی اور ان کی ہمہ پہلو ضروریات کا خیال رکھنا باجی کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ وزیرستان آمد کے بعد میں نے تقریباً سوا ماہ باجی کے گھر ہی میں گزارا۔ اس دوران باجی اور ان کے شوہرِ محترم (بھائی جان) نے اپنا واحد کمرہ، تمام ساز و سامان و بستر وغیرہ سمیت ہمارے سپرد کر دیا اور خود اسی گھر کے ایک نہایت چھوٹے سے کمرے میں منتقل ہوگئے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے کبھی ہمیں یہ احساس تک نہ ہونے دیا کہ انہوں نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے، بلکہ ہمیشہ ہمیں یہی تاثر دیا کہ یہ سب کچھ تو آپ لوگوں ہی کا ہے۔ اپنا سارا سامان ہمارے حوالے کرنے کے بعد بھی تمام تر اخراجات اور خدمت کا سب کام انہوں نے اپنے ذمے ہی رکھا۔

جب میں باجی کے گھر سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگی تو باجی نے اپنے بھائی کے بھیجے ہوئے سامان میں سے بہت کچھ مجھے دیا۔ جو سامان انہوں نے مجھے دیا وہ سب کا سب ایسا تھا جس کی باجی کو خود بھی ضرورت تھی یا کچھ عرصے میں ضرورت پڑتی۔ مگر انہوں نے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ مجھے میری ضرورت کی ہر چیز فراہم کی۔

جب تک میں باجی کے ساتھ مقیم رہی باجی مجھے قبائلی معاشرے میں رہنے بسنے کے طور طریقے، انصار کی عزت، اکرام اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے کا اسلوب، ان کے معاشرے میں اپنی عزت اور مقام بنانے اور ان کے دلوں میں اپنے لیے محبت پیدا کرنے کا طریقہ، مقامی زبان سیکھنے کی اہمیت اور ازدواجی زندگی کی نزاکتوں سے نبرد آزما ہونے کے اصول سکھانے کی کوشش کرتی رہیں۔ باجی نے تو اپنی کوشش میں کوئی کمی نہیں چھوڑی البتہ اگر سیکھنے والا ہی نکما ہو تو استاد کا کیا قصور۔ بہر حال میں نے اس حوالے سے جو کچھ سیکھا وہ باجی اور اپنے شہید شوہرِ محترم ہی سے سیکھا۔

باجی اور بھائی جان انصار سے محبت کرنے، ان کا حق پہچاننے، ان کی قدر کرنے اور انھیں اپنا سمجھنے کے معاملے میں کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انصار کے ساتھ ان کا اپنا تعامل ایسا ہوتا تھا گویا وہ سب ایک ہی گھرانے کے افراد ہوں۔ یہ لوگ ان کی ہر خوشی و غم میں شریک ہوتے، ان کے مہمانوں کو اپنا مہمان سمجھ کر ان کی بھی خدمت کرتے، اپنے انصار کی دِلجوئی، نصرت اور ان کی روایات کی پاسداری میں پیش پیش رہتے۔ یہاں تک کہ ایک سے زائد مرتبہ، جب باجی اپنے اہل خاندان سے ملنے پاکستان جانے لگیں تو، بھائی جان نے ان کے ساتھ انصار کی خواتین کو بھی یہ کہہ کر بھیجا کہ آپ بھی تو ان کے گھروں میں رہتی ہیں، لہٰذا ان کا یہ حق بنتا ہے کہ یہ بھی ہمارے گھروں میں جا کر رہیں۔ اور ہوا یہ کہ جب باجی وغیرہ کی انصار آدے (گھر کی بڑی خاتون) باجی کے ساتھ ان کے سسرالی گھر گئیں تو وہاں پہنچ کر حیران رہ گئیں اور رو رو کر ان کا حال خراب ہو گیا کہ تم لوگ اتنے شاندار گھروں میں رہنے والے، اب وزیرستان میں ایک ایک کمرے میں رہائش اختیار کیے ہوئے ہو۔ تم ان گھروں اور ایسی شاندار زندگی کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل کر آئے ہو!

چونکہ اس قبائلی معاشرے کی معاشرت سکھانے میں باجی میری استاد تھیں لہٰذا وہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ میری تمام غلطیوں کو بھی اپنے سر لینے کو تیار رہتیں، جو کہ یقیناً ان کی ذمہ داری نہیں تھی۔ باجی نے مجھے سمجھایا تھا کہ کبھی اگر انصار کے ساتھ مشترکہ گھر میں رہائش اختیار کی جائے اور وہاں انصار کی کافی خواتین موجود ہوں تو بعض اوقات یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ ان کی خواتین اور بچیاں وغیرہ بہت لمبے لمبے اوقات کے لیے آ بیٹھتی ہیں تو ایسے میں تم اپنے کام نہ چھوڑنا، بلکہ کچھ وقت ان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد ساتھ ساتھ اپنے کام نمٹاتی رہنا (یہ اصول مستقل ساتھ رہنے والوں کے لیے تھا، نہ کہ کبھی کبھار آنے والے مہمانوں کے حوالے سے)۔ کچھ عرصہ بعد میرے پاس ہمارے ایک بہت ہی محترم انصار، جو قبائلی سردار بھی تھے اور مجاہدین کے لیے بمنزلہ باپ تھے، حاجی یعقوب (جنہیں ہم داداک کے نام سے جانتے تھے اور جنہیں بعد ازاں پاکستانی ایجنسیوں نے شہید کیا) کے گھرانے کی خواتین ملنے کے لیے آئیں۔ میں نے حسب استطاعت ان کا اکرام کیا اور ان کے پاس بیٹھ گئی۔ زبان تو جانتی نہ تھی لہٰذا وہ مجھے دیکھ کر اور میں انہیں دیکھ کر مسکراتی رہی۔ کافی دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد میں نے اٹھ کر اپنے کام نمٹانے شروع کر دیے۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر جانے لگیں اور کہا کہ تم تو اپنے کام کر رہی ہو لہٰذا ہم جا رہی ہیں۔ انصار کے یہاں، بلکہ شاید کہیں بھی یہ بات اچھی نہیں سمجھی جاتی کہ میزبان مہمان کو بالکل اکیلا چھوڑ دے۔ میزبان خواتین کی مصروفیت کے وقت میں اور نہیں تو میزبان کے گھرانے کے بچے بچیاں ہی مہمان خواتین کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ رویہ ان خواتین کو محسوس ہوا اور پھر انصار کے ذریعے ہمارے حضرات تک یہ بات پہنچی۔ مگر اس سے قبل کہ مجھ سے پوچھا جاتا، باجی نے میری طرف داری کرتے ہوئے بھائی جان سے کہا کہ اس نے اس لیے یہ کیا کہ میں نے اسے یہ سکھایا تھا۔ یوں تمام کا تمام ملبہ باجی پر گرا۔

باجی اور بھائی جان کے بارے میں میرا غالب گمان یہی ہے کہ اللہ پاک نے ان کے قلوب کو دنیا کی محبت سے محفوظ رکھا تھا، (نحسبهما كذالك)۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ باجی نے کبھی اپنی کسی ضرورت کا اظہار مجھ سے کیا ہو۔ البتہ اپنا سب کچھ لٹانے کو وہ دونوں ہی ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں باجی کے گھر گئی ہوئی تھی، وہاں مجھے کافی کی بوتل رکھی نظر آئی۔ میں نے ذرا دلچسپی کا اظہار کیا تو باجی نے اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دی کہ یہ آپ کی ہوئی۔ میں نے بہت کہا کہ بھائی جان کبھی کبھار کافی پیتے ہیں، یہ آپ رہنے دیں، میں اور منگوا لوں گی مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ اسی طرح ان کے پاس میز پر رکھنے کی الارم والی ایک گھڑی تھی۔ میں نے باجی کو بتایا کہ میرے شوہر کو یہ بہت پسند ہے اور وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ہم ان سے یہ گھڑی لے لیتے ہیں۔ باجی نے وہ بھی اٹھا کر مجھے تھما دی۔ اسی طرح ایک اور بہن کے گھر جب باجی گئیں تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ تو انہوں نے تھرماس کی ضرورت کا اظہار کیا تو خاموشی سے اپنا تھرماس انہیں بھجوا دیا۔ ایک اور بہن کو انڈے دینے والی مرغی ہدیہ کر دی کہ آپ کے بچے ہیں، مرغی دیکھ کر خوش بھی ہوں گے اور انڈوں کی ضرورت بھی پوری ہو گی۔ اسی طرح ایک مرتبہ میرے گھر کے کچھ برتن ضرورتاً مجاہدین کے مرکز میں لے جائے گئے اور پھر واپس نہ آ سکے۔ میں نے باجی سے ذکر کیا اور بھائی جان کو علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ ان کے برتن فوراً واپس ہونے چاہیے ہیں۔ مگر باجی کے اپنے گھر کا حال یہ تھا کہ باجی کا جو برتن مرکز چلا جاتا، اس کی واپسی کا مطالبہ عبث تھا۔ بھائی جان اپنی طبیعت کی فراخی کی بنا پر باجی سے کہہ دیتے کہ آپ کو ضرورت ہے تو آپ مزید برتن خرید لیں لیکن مرکز کے ساتھیوں سے مطالبہ نہ کریں۔

باجی کے اپنے گھر کا حال یہ تھا کہ باجی کا جو برتن مرکز چلا جاتا، اس کی واپسی کا مطالبہ عبث تھا۔ بھائی جان اپنی طبیعت کی فراخی کی بنا پر باجی سے کہہ دیتے کہ آپ کو ضرورت ہے تو آپ مزید برتن خرید لیں لیکن مرکز کے ساتھیوں سے مطالبہ نہ کریں۔

اسی طرح اپنی ضروریات کے حوالے سے ان دونوں کی غیرت بہت زیادہ تھی۔ انہوں نے خود ہی مجھے اس دور کا ایک واقعہ سنایا جب وہ اپنے مجاہد شوہر کے ساتھ اندرون پاکستان بھی ہجرت کی زندگی گزار رہی تھیں۔ کہتی ہیں کہ ہم بیت المال سے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے رقم نہیں لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ذاتی رقم ختم ہو گئی اور گھر سے بھی رابطہ نہ ہو پا رہا تھا۔ اسی کیفیت میں کافی دن گزر گئے حتیٰ کہ موجود راشن بھی ختم ہو گیا اور فقط آٹا رہ گیا۔ اس دوران باجی اپنی انصار خاتون، جو کہ بیمار تھیں، کی خدمت کے لیے روزانہ ان کا کھانا پکانے جاتیں۔ ان کے پوچھنے پر کہ آپ آج کیا پکائیں گی، ٹال جاتیں اور یہ دونوں میاں بیوی غالباً ایک ہفتہ تک سبز چائے کے قہوے اور روٹی پر گزارا کرتے رہے۔ بھائی جان کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔

مگر انہوں نے اپنے آبائی گھر کے کمرے سے تمام فرنیچر، پلنگ، گدّے وغیرہ نکال دیے تھے اور وہاں بھی نہایت سادہ طرزِ زندگی اختیار کر رکھا تھا۔

باجی ماشاءاللہ دیگر گھریلو کاموں کے ساتھ ساتھ کپڑوں کی کٹائی اور سلائی میں بھی بہت مہارت رکھتی تھیں۔ وزیرستان میں ہی ہمارے ایک بھائی کی شادی ایک مقامی خاتون سے ہونا قرار پائی تو باجی نے خود اس شادی کی تمام تیاری کی اور تمام سلائی وغیرہ خود ہی کی۔ اس کے علاوہ بھی بعض خواتین باجی کی مہارت کو دیکھتے ہوئے نہایت محنت طلب ڈیزائن کے کپڑے انہیں سلائی کے لیے دے دیتیں اور باجی ماتھے پر بل ڈالے بغیر احسن طریقے سے اس کام کو پورا کرتیں۔

باجی اور بھائی جان بہت عالی اخلاق کے مالک تھے۔ جب بعض وجوہات کی بنا پر ہمارا جہادی مجموعہ بھائی جان کے مجموعے سے علیحدہ ہوا اور ہم دونوں میاں بیوی نے جہادی کاموں کے سلسلے میں کچھ عرصہ کے لیے پاکستان جانے کا ارادہ کیا تو باجی اور بھائی جان ہم سے ملنے اور ہمیں گاڑیوں کے اڈّے تک چھوڑنے کے لیے آئے۔ اس وقت باجی میرے لیے ایک خوب صورت جوڑا ہدیتاً لے کر آئیں اور کہا کہ 'جب مجھے آپ لوگوں کی روانگی کا علم ہوا تو میں نے آپ کے بھائی جان سے کہا کہ ایک ہی تو میری سہیلی ہے وہ بھی جا رہی ہے'۔ یہ بھائی جان کے عالی اخلاق ہی تھے کہ مجموعوں کی جدائی کے بعد بھی میں ان کے گھر میں باجی کے پاس رہنے اور ان سے ملنے جاتی رہی۔

باجی بہت نفاست پسند طبیعت کی مالک تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے انھیں عاجزی کی صفت سے بھی نواز رکھا تھا۔ ایک مرتبہ پاکستان سے ہمارے پاس مہمان آئے۔ مہمان خاتون اور بچے میرے گھر میں آئے۔ ان سے ملاقات کے لیے باجی بھی آگئیں۔ مہمان بچے چھوٹے تھے اور انہوں نے گھر کے صحن اور بیت الخلاء میں جگہ جگہ گندگی کر دی۔ مہمان خاتون اردو زبان نہ جانتی تھیں۔ میں نے تمام اخلاق بالائے طاق رکھتے ہوئے مہمان خاتون کے سامنے باجی سے کہا کہ یہ کیا گندگی ہے۔ باجی نے فوراً مجھے خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئیں کہ 'آپ رہنے دیں، میں صاف کرتی ہوں'۔ باوجودیکہ باجی مجھ سے عمر، مقام اور مرتبے ہر لحاظ سے بڑی تھیں۔ اتنے میں مہمان خاتون بھی معاملہ سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مگر ان کے بہت اصرار کے باوجود باجی نے اس تمام گندگی کو خود صاف کیا۔

باجی کا اپنا تعلق بھی ایک دین دار گھرانے سے تھا اور چونکہ وہ بہت سالوں سے اپنے مجاہد شوہر کا ساتھ دے رہی تھیں، لہٰذا ان کی دینی سوچ و فکر بہت پختہ تھی۔ ایک روز جب ہم دونوں خواتین کے شوہر حضرات حسبِ معمول جہادی کاموں کے سلسلے میں گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، باجی نے مجھ سے کہا کہ ”آئیں! آج ہم تجدیدِ نیت کرتے ہیں کہ خلوصِ نیت کے بغیر تو کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے شوہر تو اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی سبھی کچھ لوٹ کر لے جائیں اور ہم اپنی نیتوں کے عدم وجود یا عدم اخلاص کی وجہ سے خالی ہاتھ رہ جائیں“۔ ان کی یہ بات میرے دل کو بہت بھائی اور یوں ہم دونوں نے اسی وقت وہاں بیٹھ کر اپنی اپنی نیت کی تجدید کی کہ ”ہم نے ہجرت اور جہاد کا راستہ اپنے شوہروں کے لیے اور ان کی وجہ سے اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ ہم نے خود اپنے رب سے جنت کا سودا کیا ہے، اپنی جان ومال کو اپنے رب کے ہاتھ جنت کے بدلے بیچا ہے اور ہماری ہجرت اور جہاد صرف اللہ کے لیے ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کبھی ہمارے شوہر حضرات (نہ رہے یا) اس رستے پہ قائم نہ رہ سکے... تو بھی ہم اس رستے کو نہ چھوڑیں گی اور جہاد پر قائم رہیں گی“۔ باجی تو چند سال قبل اپنی نیت کی سند پر مہر شہادت ثبت کروا چکیں (نحسبها كذلك)، اللہ رب العزت مجھے بھی اپنی نیت کو سچا ثابت کرنے والا بنائے اور اپنے راستے میں مقبول شہادت سے محروم نہ فرمائے، آمین۔

باجی اور بھائی جان سن ۲۰۱۲ء میں، رمضان المبارک کے آخری روزے کی افطاری سے چند لمحے قبل پاکستانی جیٹ طیاروں کی بمباری کے نتیجے میں شہید ہو گئے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کی شہادت قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں بہترین اور بلند ترین درجات عطا فرمائے، ان سے مستفیض ہونے والوں کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے اور جنتوں میں ان کا دائمی ساتھ عطا فرمائے، آمین۔

”ہم نے ہجرت اور جہاد کا راستہ اپنے شوہروں کے لیے اور ان کی وجہ سے اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ ہم نے خود اپنے رب سے جنت کا سودا کیا ہے، اپنی جان ومال کو اپنے رب کے ہاتھ جنت کے بدلے بیچا ہے اور ہماری ہجرت اور جہاد صرف اللہ کے لیے ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کبھی ہمارے شوہر حضرات (نہ رہے یا) اس رستے پہ قائم نہ رہ سکے... تو بھی ہم اس رستے کو نہ چھوڑیں گی اور جہاد پر قائم رہیں گی۔“

باجی کی شہادت کے بعد ان کی مجاہدہ پڑوسن، جو خود بھی اس بمباری کے نتیجے میں زخمی ہو گئی تھیں، کے ذریعے معلوم ہوا کہ شہادت سے دو تین روز قبل سے ہی باجی کے چہرے پر ایک نور سا نظر آتا تھا جو ہر صبح و شام بڑھتا ہی جاتا تھا اور ان کا چہرہ خوبصورت سے خوبصورت تر نظر آتا تھا۔ اس پڑوسن نے غالباً اس کا اظہار باجی سے بھی کیا۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ باجی وزیرستان سے نکلنے کے بعد وزیرستان میں رہ جانے والی اپنی مہاجرہ سہیلیوں اور جاننے والیوں کو بہت یاد کرتی تھیں۔ یاد تو میں بھی انہیں بہت زیادہ کرتی ہوں۔ جس ماہِ رمضان المبارک میں ان کی شہادت ہوئی اس رمضان المبارک میں میں انہیں خصوصاً بہت یاد کرتی رہی اور ان سے بخیر وعافیت ملاقات کی دعائیں بھی کرتی رہی۔ عید کے چند روز بعد جب ان کی شہادت کی اطلاع ملی تو جہاں شہادت کی خوشی ہوئی وہاں اس دنیا میں ملاقات نہ ہو سکنے کی ایک کسک دل میں رہ گئی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے جنتوں میں ان کا دائمی ساتھ عطا فرمائیں، جہاں نہ دلوں میں کوئی رنجشیں ہوں گی اور نہ ہی اہل جنت وہاں سے نکالے جائیں گے۔

سبحانک اللّٰھمّ وبحمدک نشھد أن لا إله إلّا أنت نستغفرک ونتوب إليک

لیکن تم ان شہداء کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے!

معاذ بدر

❶

ڈیرہ اسماعیل خان میں انسدادِ دہشت گردی کا شعبہ اپنے ظالم افسروں، اے ایس آئی قیصر چوہان، ڈی ایس پی نور محمد، اے ایس آئی طارق جمشید، ڈی ایس پی سی ٹی ڈی بہاول خان، اے ایس آئی نسیم بھٹہ، ایم آئی اہلکار خرم شہزاد اور اپنے اہلکاروں سمیت مسلمان عوام، علماء اور مجاہدین پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ کماندان خطاب منصورؒ نے حاجی عارف شہید اور ان کے چند ساتھیوں کو ڈیرہ اسماعیل خان میں کام کے لیے اتارا۔ حاجی عارف اور ان کے ساتھیوں نے قلیل وقت میں اس ادارے کے کئی سرغنوں کو ختم کیا۔ ان ساتھیوں میں حافظ مطیع اللہ شہید (نعمان غزالی) اور کاشف جمال (خالد زرقاوی) بھی شامل تھے۔ مطیع اللہ بھائی اور کاشف جمال بھائی کٹ شہانی کے علاقے میں کام سے جارہے تھے۔ راستے میں مخبری ہوگئی۔ صرف دو مجاہدوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پاکستانی فوج درجن سے زیادہ گاڑیاں لے کر آئی۔ کٹ شہانی کے لوگ پریشان تھے اور حیران بھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ دو بندوں کے مقابلے میں اتنا لشکرِ جرار۔ فوج نے اس جگہ کا محاصرہ کرلیا جس میں آپ موجود تھے اور لڑائی شروع ہوگئی۔ ان ساتھیوں کے پاس صرف دو پستولیں اور چند ہینڈ گرنیڈ تھے۔ لیکن پھر بھی فوج کو اس مکان کے اندر آنے کی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی جس میں مجاہدین موجود تھے۔

مقابلہ دیر تک جاری رہا۔ ابتدا میں کاشف جمال بھائی شہید ہوگئے اور حافظ مطیع اللہ بھائی زخمی ہوگئے لیکن پھر بھی لڑتے رہے۔ جب ان کو یقین ہوگیا کہ اب شہادت یقینی ہے تو انہوں نے اپنی جیب سے بیت المال کی امانت ایک جگہ گڑھا کھود کر دفن کردی۔ کچھ دیر بعد حافظ مطیع اللہ بھائی بھی شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد فوج ان کی لاشیں اپنے ساتھ لے گئی اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی اور تیزاب ڈالا جس سے وہ جھلس گئیں۔ بعد میں جھلسی ہوئی لاشیں ان کے گھر والوں کے حوالے کردیں۔

کچھ دنوں بعد حافظ مطیع اللہ بھائی اپنے ایک رشتہ دار کے خواب میں آئے اور ان کو کہا کہ فلاں جگہ پر میں نے بیت المال کی امانت دفن کی ہے آپ وہاں سے نکال لیں اور مجاہدین تک پہنچادیں کیونکہ یہ مجاہدین کی امانت ہے۔ ان کے رشتہ داروں نے وہاں سے رقم نکال کر مجاہدین تک پہنچادی۔

❷

ناصر قریشی جانان، واقعی ہر مرکز کی جان تھا۔ ساتھیوں کے لیے رہائش کا بندوبست کرنا، خندقیں کھودنا، اسلحے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، اگر کوئی بیمار ہوجائے تو اس کے لیے دوائی لانا اور پھر کاموں کو ریاکاری کے خوف سے ایسے چھپانا کہ جیسے اس نے کوئی نیکی کی ہی نہ ہو۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی اپنی جیب سے اذکار کی کتاب نکال کر اذکار کرنا، اس کے بعد قرآن کی تلاوت کرنا اور اس کے بعد جہادی کاموں میں مشغول ہوجانا اس کا معمول تھا۔ آپ ایک جہادی کام ہی کی غرض سے گاڑی میں سفر کررہے تھے کہ ڈرون حملے کا نشانہ بن کر چھ قیمتی ساتھیوں سمیت شہید ہوئے۔ دیگر ساتھیوں میں کامران فیصل (ڈیرہ اسماعیل خان)، یاسر مرزا (راولپنڈی)، مولانا یحییٰ داوڑ، خان زادہ (شمالی وزیرستان)، چاچا مطلوب (تولہ شریف) شامل تھے۔ ڈرون نے گاڑی پر متعدد میزائیل داغے۔ جس کی وجہ سے گاڑی میں آگ لگ گئی جو کہ عصر سے رات ۱۰ بجے تک لگی رہی۔ اس وجہ سے گاڑی میں موجود تمام بھائیوں کی لاشیں جل گئیں۔ ہمارے ایک انصار، جس نے یہ واقعہ مجھے سنایا، نے کہا کہ گاڑی میں تمام لاشیں بالکل جل چکی تھیں۔ لیکن جلی ہوئی لاشوں سے ایک عجیب خوشبو آرہی تھی۔ ہم نے تمام شہداء کو دفن کردیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک مقامی نوجوان، جو شہداء میں موجود فیصل بھائی سے بہت محبت کرتا تھا، ہمارے اس انصار کے پاس آیا اور کہا صرف ان کی قبر دیکھنے کے لیے میں بہت دور سے آیا ہوں۔ آجاؤ ان کی قبر پر چلتے ہیں۔ دونوں ان کی قبر پر چلے گئے۔ وہ انصار کہتا ہے جب ہم وہاں پہنچے تو تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی ہوا کے ساتھ خوشبو کے جھونکے آنا شروع ہوگئے۔ یہ بالکل وہی خوشبو تھی جو ان شہداء کو دفناتے وقت ہم نے سونگھی تھی۔ اس مقامی نے کہا، یہاں تو خوشبو آرہی ہے۔ پھر میں نے اس کو دفناتے وقت کا پورا واقعہ سنایا۔

❸

احمد خان حجازی (استاد حسن گل) پاکستانی نژاد سعودی عرب کے رہائشی تھے۔ ۱۹۹۶ء میں آپ افغانستان ہجرت کرکے فریضۂ جہاد میں مصروف ہوگئے۔ ۲۰۰۴ء میں آپ عراق سے گرفتار ہوئے۔ آپ امریکی فوج کے اذیت خانوں اور پاکستانی آئی ایس آئی کے خفیہ سیلوں میں قید رہے۔ ۲۰۰۷ء میں رہائی کے بعد آپ سیدھا سرزمین جہاد وزیرستان پہنچے، جہاں آپ کو بعد ازاں جماعت القاعدہ کے ایک عسکری مجموعے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ آپ نے سرزمین خراسان میں کئی مجاہدین کو عسکری دورہ جات (حرب المدن) کروائے۔

۲۰۱۲ء میں آپ شمالی وزیرستان کے علاقے میر علی سے میران شاہ جانے کے لیے اپنے گھر سے نکل کر کچھ ہی فاصلے پر پہنچے تھے کہ امریکی ڈرون حملے میں شہید ہوگئے۔ ڈرون طیاروں نے آپ کو اس وقت نشانہ بنایا جب آپ اکیلے موٹر سائیکل پر جارہے تھے۔ ڈرون کے میزائیل لگنے کے سبب آپ کے جسم کے اعضاء کافی بڑے رقبے پر پھیل گئے۔ وزیرستان کے مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ ڈرون حملے کے بعد ہمیں ہر سمت سے خوشبو آتی تھی۔ جب ہم خوشبو کی طرف جاتے۔ تو

ہمیں استاد حسن گل کے جسم کا کوئی عضو ملتا۔ اس طرح ہم نے ان کے پورے جسد کو جمع کر کے دفنایا۔

❹

ارضِ ہجرت و جہاد وزیرستان باہر کی دنیا سے آنے والے مہاجر مجاہدین کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ تھی۔ یہاں کے انصار نے گھروں کے دروازے کھولنے سے پہلے اپنے دلوں کے دروازے مہاجرین کے لیے کھولے۔ مقامی انصار، مہاجرین سے ایسے گھل مل گئے، جیسے یہ ان کے اپنے ہوں۔ پتہ نہیں امت کے کتنے لوگوں نے یہاں سے بیٹھ کر اپنے جہادی کام منظم کیے اور امت مسلمہ کو راحت کے سامان مہیا کیے۔ مجاہدین، اہل وزیرستان کا یہ عظیم کردار کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ دور دراز سے آنے والے مہمانوں میں سے ایک مہمان شیخ قتال حفظہ اللہ ہیں۔ آپ کا تعلق حرمین کی سرزمین سے ہے۔ آپ نے یہ واقعہ ایک مجلس کے دوران سنایا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پاکستانی فوج پر تعارض (دھاوے) کے لیے گئے۔ نہایت کامیاب تعارض ہوا جس میں پاکستانی فوج کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ واپسی پر دوسری پوسٹ والوں نے ہاون گولے (مارٹر) مارنا شروع کر دیے۔ جس کی وجہ سے واپسی پر کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ راستے میں آتے ہوئے میرا مخابرہ (وائرلیس سیٹ) گر گیا۔ جب مرکز پہنچے تو پتا چلا راستے میں مخابرہ گر گیا ہے۔ بیت المال کی چیز تھی اس لیے بہت پریشانی ہوئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ بیت المال کو ادائیگی کروں گا۔ اس واقعے کو کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک دن میں دوسرے ذمہ داران کے ساتھ کسی کام پر جا رہا تھا کہ راستے میں ایک خرگوش آ گیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا گاڑی روکو، میں خرگوش کا شکار کرتا ہوں۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی اور میں اس سے اترا۔ ساتھ ہی خرگوش نے مجھے دیکھتے ہی دوڑ لگا دی اور میں نے بھی خرگوش کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ میں اس کے تعاقب میں بہت دور نکل گیا۔ خرگوش کا پتہ بھی نہیں چل رہا تھا۔ مجھے بہت دیر ہو گئی۔ اب میں نے واپسی شروع کی۔ میں جونہی واپس آ رہا تھا۔ راستے میں ایک جھاڑی کے قریب ایک مخابرہ پڑا تھا۔ میں نے یہ اٹھا لیا۔ جب مرکز میں پہنچا تو دیکھا یہ وہی مخابرہ تھا جو کچھ عرصہ قبل تعارض سے واپسی پر مجھ سے گر گیا تھا۔ دھوپ کی وجہ سے اس کے سارے بٹنوں کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کی اس عجیب نصرت پر حیران ہو گیا۔

❺

مجلس کے دوران ایک بھائی نے شہداء کی لاشوں سے خوشبو آنے کے واقعات سنائے۔ لاشوں کے شہادت کے کئی روز گزر جانے کے باوجود تر و تازہ رہنے کا ذکر ہوا۔ دفن کرتے وقت تک لاش سے خون کا بہتے رہنا......وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کا ایک واقعہ مجھے بھی اپنی جہادی زندگی میں دیکھنے کو ملا۔ ۲۰۰۶ء کی بات ہے کہ افغانستان کے صوبۂ پکتیکا کے ضلع بیرمل کے قریب ایک علاقے منگڑتی میں امریکی ہیلی کاپٹر آتے تھے۔ ہم ان پر سام ۷ نامی میزائیلوں سے حملے کرتے تھے۔ سام ۷ میزائیل کے لانچر کے پیچھے بیٹری لگتی ہے۔ جب ہدف فکس ہو جاتا ہے تو بیٹری لگا کر فائر کر دیتے ہیں۔ بیٹری لگانے کے ۴۵ سیکنڈ بعد بیٹری ختم ہو جاتی ہے۔ پھر نئی بیٹری لگانی پڑتی ہے۔ جب بھائی عملیات کے لیے گئے تو بیٹری خراب تھی جس کی وجہ سے میزائیل فائر نہ ہو سکا۔ اتنے میں ہیلی کاپٹر نے شیلنگ شروع کر دی جس میں کئی عرب ساتھی شہید اور زخمی ہو گئے۔ ان شہداء میں ایک شہید کا نام زبیر اللیبی تھا۔ ساتھی شہداء اور زخمیوں کو اٹھا کر مرکز میں لے آئے۔ زبیر اللیبی کے خون سے خوشبو آ رہی تھی۔ ہمارے ایک ساتھی ذاکر بھائی نے خون سے ایک شیشی بھر لی اور بند کر دی۔ جب ساتھی اس سے مانگتے تو وہ روئی پر خون لگا کر اُن کو دیتے تھے۔ عبد اللہ جان نام کا ایک ساتھی، جو غالباً وسطی ایشیائی ریاستوں میں سے کسی ریاست کا تھا، اس نے یہ شیشی ذاکر بھائی سے مانگی۔ ذاکر بھائی جیسے دوسروں کو دیتے ویسے ہی اس کو روئی پر لگا کر کچھ خون دے دیا۔ عبد اللہ جان نے کہا نہیں بلکہ مجھے پوری شیشی دے دو۔ ذاکر بھائی نے اس کو نہیں دی۔ وہ ناراض ہو کے چلا گیا۔ جب وہ ناراض ہو کے جا رہا تھا تو اس نے کہا جب میں شہید ہو جاؤں تو مجھ سے جتنا چاہو بھر لینا۔ یہ سارا منظر خرم شاہ سعید بھائی دیکھ رہے تھے۔ کچھ دن پہلے شیخ ابو یحییٰ اللیبی نے زبیر اللیبی کے بارے میں یہ پیش گوئی کی تھی کہ عنقریب یہ شہید ہو جائیں گے، اور واقعی کچھ دنوں بعد وہ شہید ہو گئے۔ خرم شاہ نے شیخ سے پوچھا، شیخ! اس کے بعد کس کا نمبر ہے۔ تو شیخ ابو یحییٰ نے ہنس کر کہا، مجھے لگتا ہے اس کے بعد عبد اللہ جان کا نمبر ہے۔ انہوں نے یہ واقعہ ذاکر بھائی کو بتایا۔ ذاکر بھائی دوڑتے ہوئے عبد اللہ جان کے پاس گئے۔ معذرت کی اس کو راضی کیا اور وہی خون والی شیشی ان کو دے دی۔ اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد عبد اللہ جان ترصد (ریکی) کرنے جا رہے تھے کہ راستے میں امریکیوں سے ایک جھڑپ ہو گئی۔ جس میں انہوں نے ۶ امریکیوں کو مارا اور خود شہید ہو گئے۔ جب ان کی میت کو مرکز لایا گیا تو ان کی میت سے بھی ویسی خوشبو آ رہی تھی۔ جیسی خوشبو زبیر اللیبی کی میت سے آ رہی تھی۔

❻

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ محاذ پر موجود لوگ حق کے قریب ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی ہدایت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آ جاتے ہیں۔ جن کی رفاقت سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دریا دِل میں رواں ہو جاتا ہے۔ جن کی زندگی کے تصور سے دنیا کی حقارت، آخرت کی فکر، شہادت کی لگن، جنت کی محبت اور دیدارِ الٰہی کا شوق اور نبی المکرم ﷺ کی رفاقت کی تڑپ جھلکتی ہے۔ پس ان میں سے بہت سے اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور بہت سے منتظر ہیں۔

۲۰۰۷ء میں پاکستانی فوج نے لال مسجد میں معصوم طلبہ و طالبات کا پاکیزہ خون بہایا۔ اس کے جواب میں شیخ اسامہ نے پاکستانی فوج کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ وانا میں مجاہدین اس سلسلے میں ایک مرکز میں حرب المدن (شہری جنگ) کا دورہ کر رہے تھے کہ پاکستانی فوج کے تعاون سے مرکز پر امریکی ڈرون حملہ ہوا جس میں ۱۳ قیمتی ساتھی شہید ہو گئے۔ (باقی صفحہ نمبر 112 پر)

سلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”تمام طاقت و اختیار صرف اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا مالک و خالق اور پرورد گار ہے۔ ہم، ہاشمی ہاؤس کے باسی، اللہ کے اطاعت گزار و فرمانبر دار بندے ہیں جو اس کی عطا کردہ طاقت و اختیار کو اس کی امانت سمجھتے ہیں اور اس کی مرضی و منشا کے مطابق، اس کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔ ہم اس گھر کو اسلام کے سکھلائے ہوئے جمہوریت، آزادی، برابری و مساوات، تحمل و برداشت اور انصاف کے سنہری اصولوں کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ تمام امورِ خانہ چنیدہ نمائندوں کے ذریعے طے کیے جائیں گے جو گھر کے تمام افراد کی نمائندگی کریں گے، یوں تمام معاملات کی انجام دہی میں سب کی مرضی شامل ہو گی اور سب کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے گا۔ گھر کے تمام افراداپنے ذاتی معاملات میں دینِ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق آزاد و خود مختار ہوں گے۔ اقلیتوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بنیادی حقوق کی آزادی ہو گی اور ان کو اپنی تہذیب و تمدن اور مذہب کو فروغ دینے کی مکمل آزادی ہو گی۔

گھر کے تمام افراد کو (بلا تخصیصِ عمر، مذہب، رنگ و نسل کے) بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ یعنی تمام افرادِ خانہ کی حیثیت مساوی ہو گی، سب کو ایک سے مواقع فراہم کیے جائیں گے، اور قانون کی نظر میں سب برابر حیثیت کے حامل ہوں گے۔ سب کے ساتھ منصفانہ و مساویانہ سلوک کیا جائے گا، سب کو سوچ، فکر، اظہار، عقیدہ اور عبادت کی آزادی ہو گی۔ نظامِ عدل آزاد و خود مختار ہو گا۔ اسلام کی تعلیمات کے خلاف کوئی معاملہ طے نہیں کیا جائے گا۔

مزید براں، ایک اسلامی جمہوری نظام کے تابع ہونے کے ناطے، ہم اس گھر کو مندرجہ ذیل اصولوں کے مطابق چلانے کے پابند ہوں گے:

1. گھر کا سربراہ، تمام افرادِ خانہ کا چنیدہ نمائندہ ہو گا۔ گھر کے تمام افراد ووٹ کے ذریعے اپنی پسند کے نمائندے کو منتخب کریں گے۔ ووٹ ڈالنے کی عمر سات سال سے شروع ہو گی۔ سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والا نمائندہ گھر کا سربراہ تسلیم کیا جائے گا۔
2. سربراہِ خانہ امورِ خانہ کی تکمیل کے لیے اپنی ایک امدادی ٹیم تشکیل دے گا جن کے طفیل وہ تمام کام انجام دے گا۔
3. افرادِ خانہ کے دیگر نمائندے پارلیمنٹ تشکیل دیں گے، اس پارلیمنٹ کے سامنے سربراہِ خانہ اور اس کی امدادی ٹیم جوابدہ ہو گی۔
4. سربراہِ خانہ اور اس کی امدادی ٹیم کی مدّتِ انتخاب چار ماہ ہو گی، اس کے بعد وہ اس امر کے ذمّہ دار ہوں گے کہ شفاف الیکشن کروائیں اور اگلی منتخب حکومت کو اختیار منتقل کر دیں۔
5. گھر میں کوئی بھی اصول یا قاعدہ وضع کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں سفارش (بل) پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت اسے پاس کر دیتی ہے تو وہ اصول یا قاعدہ نافذ العمل ہو گا۔
6. کسی بھی معاملے میں اختلاف کی صورت میں آخری فیصلہ عدلیہ کا ہو گا، جو کہ سب کے لیے واجب القبول ہو گا۔
7. سربراہِ خانہ اور اس کی ٹیم کی کارکردگی سے مطمئن نہ ہونے کی صورت میں پارلیمنٹ میں ان کے خلاف عدمِ اعتماد کی درخواست دی جا سکتی ہے، اگر پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت اسے پاس کر دیتی ہے تو سربراہِ خانہ اپنے عہدے سے معزول کر دیا جائے گا اور الیکشن کے ذریعے نئی حکومت منتخب کی جائے گی۔

ہم اللہ ربّ العزت سے دست بدعا ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہمیں فوز و فلاح کے راستے پر گامزن رکھے گا اور اس نظام کی برکات و ثمرات سے ہاشمی ہاؤس کے رہائشیوں کو نفع پہنچائے گا۔“

طفیل ہاشمی صاحب کے کمرے میں داخل ہونے والا پہلا قدم رکھتے ہی یہ محسوس کرتا کہ وہ کسی خواب گاہ میں نہیں بلکہ کسی آفس میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ کمرا ان کی شخصیت کا عکاس تھا۔ پورے کمرے میں ہلکے رنگ کا ایک نفیس قالین بچھا ہوا تھا۔ کمرے کی ایک دیوار پر ایک بڑی سی کھڑکی تھی جو گھر کے لان میں کھلتی تھی۔ صبح فجر کے وقت اٹھنے والے ہاشمی صاحب کا یہ روز کا معمول تھا کہ وہ بستر سے اٹھتے ہی سب سے پہلے اس کھڑکی کے پردے پیچھے ہٹاتے، اور پھر سارا دن، مغرب تک یہ پردے گرائے نہ جاتے، یہاں تک کہ ان کی سب سے بڑی پوتی نسرین، انہیں رات کی دوائیں کھلانے آتیں تو کھڑکی بند کر کے پردے برابر کر دیتیں۔ کھڑکی کے بالکل ساتھ ہی ہاشمی صاحب کا سنگل بیڈ رکھا ہوا تھا۔ بقیہ دونوں دیواروں پر کتابوں کے شیلف بنے ہوئے تھے جن میں ان کے ذوق کی کتابیں سجی ہوئی تھیں۔

ان شیلفوں کے درمیان دیوار کا ایک چوکور ٹکڑا خالی تھا، جس پر ایک سبز رنگ کا نوٹس بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس بورڈ کے نیچے میز اور کرسی رکھی تھی جو کسی دفتر کا منظر پیش کرتی تھیں۔ بیرسٹر طفیل ہاشمی کا یہ بورڈ بالعموم بھرا ہوتا تھا اور اس پر ایک انچ خالی جگہ ڈھونڈنا بھی مشکل ہوتا۔ پورے بورڈ پر اخبار کے تراشوں، اور چھوٹی چھوٹی پرچیوں پر لکھے پسندیدہ اشعار و اقتباسات کا قبضہ تھا۔ ایک بار جو پرچی بورڈ پر اپنی جگہ بنالیتی، وہ پھر مہینوں اپنی جگہ پر برقرار رہتی، اور طفیل ہاشمی صاحب کئی بار ارادہ کرنے کے بعد بھی کسی پرچی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹاتے، یہ سوچ کر کہ کہیں یہ قیمتی سوچیں اور خیالات نظروں سے اوجھل ہوں تو دماغ سے بھی کھو نہ جائیں۔ مگر آج، خلافِ معمول ان کا یہ سبز بورڈ بالکل خالی تھا، اور اس کے عین وسط میں سادہ کاغذ پر لکھی یہ تحریر چسپاں تھی۔ تحریر کے اختتام پر ہاشمی صاحب اور ان کے چاروں بیٹوں ابو بکر، عثمان، جاوید اور عمیر کے دستخط تھے۔

ہاشمی ہاؤس، دو حصّوں پر مشتمل ایک ڈپلیکس (duplex) تھا، جس کے ایک حصّے میں عثمان ہاشمی اور جاوید ہاشمی رہائش پذیر تھے، جبکہ دوسرے حصّے میں ابو بکر صاحب اپنی کثیر آل اولاد کے ساتھ رہتے تھے۔ عمیر ہاشمی، ان کا سب سے چھوٹا اور غیر شادی شدہ بھائی اور طفیل ہاشمی کے کمرے بھی اسی حصّے میں واقع تھے۔ گھر کی طرزِ تعمیر کچھ ایسی تھی کے اکٹھے رہتے ہوئے بھی ان سب کو اپنی علیحدہ پرائیویٹ سپیس مل جاتی تھی، اور مزاجاً بھی سب ایک دوسرے کی ذاتیات کا احترام کرتے اور دخل در معقولات سے گریز کرتے۔ انسان تھے، معمولی ان بن تو لازمی تھی، مگر اللہ کا فضل تھا کہ بات کبھی معمولی ان بن سے آگے نہ بڑھی تھی۔ سب ہی سکھ چین سے رہ رہے تھے۔ ہاں ایک عمیر ہاشمی تھا، عرصے تک گھر بھر کا لاڈلا اور آنکھوں کا تارا، جسے آئے دن کوئی نہ کوئی مسئلہ درپیش رہتا۔ مزاج شاہانہ پائے تھے سو کسی کی نوکری یا ملازمت وہ کر نہ پاتا، اب ایک عرصے سے بھائیوں سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا چلا آرہا تھا۔ مگر چونکہ والد اور بڑے بھائی، سب ہی اس کی متلون مزاج طبیعت سے واقف تھے، اس لیے کوئی بھی اس کے ہاتھ میں کثیر مال دینے کے حق میں نہیں تھا۔ بھائیوں کے اس عدم تعاون والے رویے سے نالاں عمیر، آئے دن کوئی نہ کوئی ایشو پیدا کرتا رہتا جس پر محاذ آرائی جاری رہتی۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ عمیر کے لاپروا، غیر ذمّہ دار اور کسی قدر خود غرض مزاج و کردار کے اثرات اگلی نسل پر بری طرح مرتب ہو رہے تھے۔ ولید سے چھوٹا زوار تو ہر وقت اس کا سایہ بنا ہی رہتا، مگر اس سے چھوٹا ۱۵ سالہ زین اور عثمان ہاشمی کے بیٹے اویس اور صہیب بھی اس سے بے حد متاثر تھے اور ہر معاملے میں اس کی تقلید کرنے کی کوشش کرتے۔ ابو بکر صاحب جہاں اگلی نسل کے لیے فکر مند ہوتے، وہیں عمیر کی اصلاح کے بھی شدت سے خواہاں تھے۔

اور اب ایک ہفتے کی محنتِ شاقہ اور بحث مباحثہ کے بعد یہ دستاویز تیار ہوئی تھی، جو ان کے سامنے بورڈ پر آویزاں تھی۔ ابّاجی کے کمرے میں کرسی پر بیٹھے ابو بکر صاحب کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں جبکہ ذہن کہیں اور پرواز کر رہا تھا۔ سادہ کاغذ پر لکھی یہ تحریر کوئی عام دستاویز نہیں تھی۔ ان کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ اس گھر کی تاریخ میں نہایت اہم کردار ادا کرنے والی تھی۔ سب کی رضامندی اور اتفاقِ رائے سے طے کیے جانے والے اس لائحۂ عمل سے شاید اس گھر میں وہ نظام برپا ہونے والا تھا جو سب کی امنگوں کا مظہر، سب کی خواہشوں کا امین ثابت ہو گا۔ چونکہ اس نظام کی تخلیق اور نفاذ میں سب کی رضامندی شامل ہو گی سو کسی کے پاس بھی اختلاف اور اعتراض کی گنجائش نہیں رہے گی اور سب اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق سکھ چین کی زندگی بسر کریں گے۔ نہ صرف یہ، بلکہ گھر چلانے کے کاموں میں حصّہ لینے سے یقیناً گھر کے نوجوانوں میں بھی احساسِ ذمہ داری پیدا ہو گا اور ان کا لاابالی پن دور ہو گا۔ اے کاش کہ ملک کا نظام درست کرنا اور صحیح ڈگر پر ڈالنا بھی اتنا سہل ہوتا۔ اس ملک میں بھی حقیقی اسلامی جمہوریت کی بہار آتی اور وہ روشن صبح طلوع ہوتی کہ جس کے انتظار میں عمریں بیت گئی تھیں۔

دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر صولت بیگم ناشتے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔ ابّاجی نے اپنے اخبار سے نظریں اٹھائیں اور مسکرا کر بہو کا استقبال کیا، وہیں ابو بکر صاحب بھی اپنی سوچوں سے باہر نکلے۔ صولت بیگم نے قرینے سے ابّاجی کے سامنے چھوٹی تپائی رکھ کر ناشتہ چُن دیا۔

'آپ بھی آجایئے، ابّاجی کے ساتھ ہی ناشتہ کرلیں'، انہوں نے ابو بکر صاحب کو دعوت دی۔

'لڑکے کدھر ہیں سارے؟ ناشتہ نہیں کریں گے؟'، ابو بکر صاحب نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

'ولید تو آج صبح جلدی چلا گیا تھا، کہہ رہا تھا کہ جاوید چچا نے کہا ہے کہ تم جلدی جا کر دکان کھولنا، جبکہ زوار، زین اور عمیر آج ناشتہ نہیں کریں گے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ آج وہ اپنی الیکشن مہم کا آغاز کر رہے ہیں، اس لیے گیارہ بارہ بجے تک جب اویس اور صہیب بھی آجائیں تو ایک ہی بار اکٹھے بیٹھ کر برنچ کریں گے'، صولت بیگم نے ابو بکر صاحب کی خالی کردہ کرسی سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

ابّاجی اور ابو بکر صاحب دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ 'پر اپر طریقے سے کام کرنا چاہ رہے ہیں برخوردار'، اباجی نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔

'اچھا ہے ناں ابّاجی، کوئی کام وہ بھی پوری دلچسپی اور ذمّہ داری سے کرے، مجھے امید ہے اس تجربہ سے خود عمیر کو بھی بہت فائدہ ہو گا۔ تیس بتیس سال اس کی عمر ہو چکی ہے اور ابھی بھی ٹین ایجر ز جیسی مست مگن زندگی گزار رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یونہی کچھ احساسِ ذمّہ داری پیدا ہو اور بھائیوں پر انحصار کرنے کے بجائے خود کچھ کرنے کی ہمت اور حوصلہ پیدا ہو۔ اور پھر اس کا یہ شکوہ بھی دور ہو جائے گا کہ گھر میں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور کوئی اس کی سنتا نہیں اور یہ کہ میں ایک ظالم ڈکٹیٹر ہوں جو اس کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہوں'، ابو بکر صاحب کی بات پر ابّاجی نے مسکرا کر سر ہلا دیا، امید تو انہیں بھی بہت تھی۔

’جی، مگر ابھی کیا آپ بھی اپنی الیکشن مہم چلائیں گے ؟‘، صولت بیگم نے قدرے متفکر انداز میں سوال کیا۔ اب وہ کیا بتاتیں کہ صبح ہی زوار نے بصد اصرار ان سے پانچ ہزار روپے اپنی مہم کی مد میں حاصل کیے تھے اور ایک سو ایک خرچے گنوائے تھے کہ اپنی پسند کے نمائندے کی تشہیر کے لیے، پھر اجلاس میں شرکت کرنے والوں کی خاطر مدارت وغیرہ کے لیے انہیں کم از کم اتنی رقم تو درکار تھی۔ اب انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر ابو بکر صاحب نے بھی مہم چلانی چاہی تو نجانے اس پر کتنا خرچہ آئے اور ان کا بجٹ خراب ہو۔

’آپ کی کیا رائے ہے ؟‘، ابو بکر صاحب نے مسکرا کر الٹا ان ہی سے سوال کر دیا۔

’آپ مہم چلائیں یا نہ چلائیں، ہمارا ووٹ تو آپ ہی کے حق میں ہے‘، صولت بیگم نے سادگی سے جواب دیا۔

’ارے واہ بیٹی! یہ اقربا پروری نہیں چلے گی، ووٹ ایک امانت ہے، اپنا ووٹ صرف اہل بندے کو دینا‘، ابا جی انتہائی سنجیدہ انداز میں بولے۔

’تو آپ کی نظر میں وہ اہل بندہ کون ہے ابا جی ؟‘، ابو بکر صاحب نے ان کی شرارت سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

’بھئی میری رائے تو محفوظ ہے، تمہیں ۲۹ تاریخ کو الیکشن کے نتائج سامنے آنے پر ہی معلوم ہو گی‘، ابا جی نے جواب دیا۔

’کیا خیال ہے ابا جی، آپ کیوں نہیں بطور نمائندہ کھڑے ہوتے ؟‘، صولت بیگم نے بھی گفتگو میں حصّہ لیا۔

’میرے الیکشن میں حصّہ لینے کا کیا فائدہ ہے بیٹی، تمہارا ووٹ تو ویسے بھی اپنے میاں کے ساتھ ہے‘، ابا جی نے خود پر مسکنت طاری کرتے ہوئے کہا۔

’لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں اپنا ووٹ عثمان کو دوں گا، میرے خیال میں وہ اب اس گھر کی سربراہی کرنے کے لیے نہایت موزوں آدمی ہے‘، ابو بکر صاحب پر سوچ انداز میں بولے۔

’دیکھو نبیلہ ! یہ موقع پھر نہیں ملے گا۔ فائدہ اٹھا سکتی ہو تو اٹھا لو۔ مگر مجھے ایک بار صاف صاف بتا دو کہ کیا تم ہمارے ساتھ مکمل تعاون کرو گی یا نہیں ؟‘، زوار نے فیصلہ کن انداز میں بہن سے پوچھا۔

’آج تک مجھے تمہارا ساتھ دینے کا کوئی رتّی برابر فائدہ نہیں ہوا، اب کیوں میں تمہارا ساتھ دوں ؟‘، نبیلہ نے بیزاری سے پوچھا۔ پہلے پہل زوار کو آتا دیکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی تھی، یہ سوچ کر کہ یقیناً وہ ہمیشہ کی طرح ادھار مانگنے آیا ہو گا۔ گھر میں شاید ہی کوئی فرد ہو گا جس سے عمیر اور زوار نے کبھی ادھار نہ مانگا ہو۔ حتیٰ کہ نسرین آپا کا تین سالہ عبد اللہ، جو ابھی صاف بولتا بھی نہ تھا، وہ بھی زوار ماموں کو اپنی عیدی بطور قرض دے چکا تھا۔ مگر اس فرد کو تلاش کرنا بھی آسان نہ تھا جس کا قرض انہوں نے لوٹا دیا ہو۔ سو تجربہ کی بنیاد پر سارے ہی پیسوں کے معاملے پر ان دونوں سے کتراتے تھے۔ ابھی بھی نبیلہ زوار کو کورا جواب دینے کے لیے ذہن کو تیار کر چکی تھی، مگر اس بار زوار ادھار کا مطالبہ کرنے نہیں آیا تھا، اور اس کے پر اسرار انداز پر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئی تھی، گو کہ اس نے اظہار نہیں کیا تھا۔

’سیدھی سی بات ہے، اگر تم چاہتی ہو کہ اس گھر میں ایک ایسا نظام آئے جس میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہو، تو تم اپنا ووٹ چاچو کو دینا‘۔

’ارے واہ! چاچو کو دینا! تا کہ تم اور چاچو ہم سب کو بیچ کر کھا جاؤ اور ہم کچھ کہنے کے قابل بھی نہ ہوں‘، نبیلہ تڑپ کر بولی، ’یہ فائدہ ہے یا سراسر نقصان ؟‘۔

’کیا مطلب بیچ کر کھا جائیں ؟ ہماری حکومت میں سب کے جیب خرچ میں اضافہ ہو گا، دولت کی ایسی متعصبانہ تقسیم نہیں ہو گی جیسی اب ہے‘، زوار نے ماتھے پر بل ڈال کر جواب دیا۔

’کونسی متعصبانہ تقسیم ؟ ہم سب کو برابر جیب خرچ ملتا ہے۔ صرف چاچو کو زیادہ ملتا ہے کیونکہ وہ بڑے ہیں‘۔

’ہاں اور جو کچھ ولید کو ملتا ہے وہ تو تمہیں نظر نہیں آتا ہو گا۔ ابھی کل ہی ابّو نے اسے دس ہزار روپے دیے ہیں لیپ ٹاپ خریدنے کے لیے‘، زوار کے لہجے میں حسد بول رہا تھا۔

’ولید بھائی خود کام کرتے ہیں، عثمان چچا اور جاوید چچا کے ساتھ دکان پر بھی جاتے ہیں اور ٹیوشنز بھی پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے لیپ ٹاپ کے لیے پیسے خود جمع کیے ہیں، ابّو نے صرف جو کمی رہ گئی تھی وہ پوری کی ہے‘، نبیلہ نے انصاف سے کہا۔

’ہاں تو پیسے تو میں بھی جمع کر سکتا ہوں، مگر میں لیپ ٹاپ کا مطالبہ کروں تو ابّو کہیں گے کہ گھر میں کمپیوٹر موجود ہے، وہ استعمال کرو، علیحدہ لیپ ٹاپ خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ جانتے بھی ہیں کہ جہاں وہ زمانہ قبل مسیح کا کمپیوٹر رکھا ہوا ہے، وہاں شاہراہِ عام پر بیٹھ کر کوئی استعمال کر ہی نہیں سکتا کمپیوٹر، کوئی پرائیویسی ہی نہیں۔ اور پھر ولید کو وہ کچھ نہ کچھ پیسے دیتے رہتے ہیں، آخر لاڈلا سپوت ہے ان کا۔ ساری خرابیاں تو مجھ میں ہی نظر آتی ہیں‘ زوار کو یکایک احساس ہوا کہ اس کی بات محض ادنیٰ درجے کی شکایتوں پر مشتمل ہے اور نبیلہ کو متاثر کرنے میں ناکام، سو وہ جلدی سے لہجے میں وقار پیدا کر کے بولا، ’مگر بات صرف پیسوں کی نہیں ہے، بات سسٹم کی ہے۔ ابھی ہم دیکھتے ہیں کہ گھر کے بعض افراد دیگر افراد سے زیادہ مراعات حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً تم نے یا میں نے کسی دوست یا سہیلی کے گھر جانا ہو، کتنی مشکل ہوتی ہے، کس کس کی منّتیں نہیں کرنی پڑتیں، اور اگر ولید نے یا نسرین آپا یا چچی نے کہیں جانا ہو تو فوراً سواری حاضر ہوتی ہے۔ آخر یہ تفریق کیوں ہے ؟‘۔

’اب تم کہو گی کہ بڑے چھوٹے کا فرق ہے مگر محض یہ بات نہیں‘، نبیلہ کو اعتراض کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر وہ تیزی سے بولا، ’کیا ایسا نہیں ہوتا کہ تم اور بینش چچی دونوں بازار جانا چاہتے ہو مگر امّی یا فائزہ چچی منع کر دیتی ہیں اور ان کی بات ماننا پڑتی ہے، بینش چچی کو بھی۔ حالانکہ ان کی

حیثیت تو امّی اور فائزہ چچی سے کم نہیں ہے ناں۔ اسی طرح کتنی دفعہ ہوتا ہے کہ تم، فاطمہ، جویریہ اور ہادیہ سب مل کر ایک بات کہتے ہو اور نور ایک دوسری بات، مگر ابّو اور عثمان چچا ہمیشہ نور کی بات مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ تم سب سے چھوٹی ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، ہمارے گھر میں بہت زیادہ فیورٹ ازم اور تعصب پایا جاتا ہے'۔

اس بار زوار نے نبیلہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا، وہ سوچ میں پڑ گئی۔ 'مگر یہ الیکشن وغیرہ کوئی ایسی سنجیدہ بات تو نہیں ہے زوار۔ تم کیا سمجھتے ہو اس طرح واقعی یہ سب تبدیل ہو جائے گا؟ یہ تو ویسے ہی ابّو اور داداجان نے کہہ دیا کہ الیکشن ہوں گے، کوئی حقیقت میں نظام تھوڑا ہی بدل جائے گا'۔

'چلو اگر نہ بھی بدلے تو تمہیں کوئی نقصان تو نہیں ہو گا۔ تم ایسی ہی رہو گی جیسی ہو'۔

'ہاں مگر فائدہ بھی تو نہیں ہو گا'، نبیلہ چڑ کر بولی۔

'اور کوئی فائدہ ہو یا نہ، مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ایک ہفتہ روزانہ ایک کورنیٹو کھلاؤں گا۔ اور اگر ہم کامیاب ہو گئے، یعنی الیکشن جیت گئے، تو تمہیں اپنی حکومتی ٹیم میں شامل کریں گے، یہ چاچو کا وعدہ ہے'، زوار نے اگلا پتہ پھینکا۔

'تم حکومت میں شامل کرو یا نہیں لیکن روز کی ایک کورنیٹو کا وعدہ ٹھیک ہے۔ اور ہاں میرے جو پیسے تم نے لوٹانے ہیں وہ بھی دو گے تو پھر میرا ووٹ تمہارا ہوا'، نبیلہ نے شرائط میں اضافہ کیا۔

'تمہارے پیسے۔۔۔ یار وہ تو بہت زیادہ ہیں'، زوار ہچکچایا۔

'تمہاری مرضی ہے، نہیں قبول تو نہ سہی'، نبیلہ نے بے نیازی برتتے ہوئے جواب دیا۔

'ٹھیک ہے، مگر پھر صرف تمہارا نہیں بلکہ فاطمہ، جویریہ، ہادیہ اور نور کا بھی ووٹ چاہیے۔ تم ان سب کو چاچو کو ووٹ دینے پر قائل کرو گی'۔

'نور کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی، البتہ باقیوں کی میں ضمانت دیتی ہوں۔ بلکہ بینش چچی کو بھی شاید راضی کر لوں'، نبیلہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

زوار کی باچھیں کھِل گئیں، 'بس تو پھر میں سودا پکا سمجھوں؟'، اس نے خوشی خوشی پوچھا۔

'ہاں مگر مجھے یہ معاہدہ تحریری شکل میں چاہیے'، نبیلہ نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

'نذیر! او نذیر!'، عمیر نے سرونٹ کوارٹر کا درواز زور سے بجایا۔ اندر سے نذیر نے 'آیا عمیر بھائی' کا جوابی نعرہ لگایا۔ چند منٹ بعد ہانپتا کانپتا نذیر ہاتھ میں دو کیسٹ پکڑے دروازے سے نمودار ہوا۔ 'میں بس آپ کے کمرے میں لا ہی رہا تھا کیسٹ عمیر بھائی، آپ نے کیوں جحمت (زحمت) کی'، وہ حسبِ عادت چاپلوسانہ انداز میں بولا۔

'ابے چھوڑ ان کو، میں اس لیے نہیں آیا'، عمیر نے جھنجھلا کر کہا۔

'اچھا! پھر کس لیے آئے ہیں آپ؟'، نذیر نے حیرت سے پوچھا۔

'میں تمہارے لیے ایک تحفہ لایا ہوں'، عمیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اور پھر مٹھی کھول کر پانچ سو کا نوٹ نذیر کی طرف بڑھا دیا۔ عمیر جس کی جیب دائماً ابداً خالی ہی ہوتی تھی، آج نوٹ مانگنے کے بجائے نوٹ دے رہا ہے، حیرت کے مارے نذیر کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے نوٹ لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا، بلکہ حیرت سے منہ کھول عمیر کا چہرہ تکنا شروع کر دیا۔

'کیا ہونّقوں کی طرح دیکھ رہے ہو؟ لے لو، تمہارے لیے ہیں'، عمیر ڈپٹ کر بولا۔

'جی؟ جی صاب! بہت شکریہ جی، مہربانی۔۔۔'، نذیر نے مزید حیران ہونے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے جلدی سے پیسے لے لیے، کہیں عمیر کا ارادہ بدل نہ جائے۔

'تم جانتے ہو نذیر، تبدیلی آ رہی ہے'، عمیر نے اپنی بات کا آغاز کیا۔

'جی آپ میں؟'، نذیر کی زبان پھسلی۔

'نہیں اس گھر میں'، عمیر نے کڑی نگاہوں سے اسے گھورا، پھر نرم پڑتے ہوئے بولا، 'دیکھ یار، تُو تو اپنا جگر ہے۔ یہ جو پرانے گانوں کی کیسیٹیں تو لاتا ہے، ان سے زیادہ پرانی دوستی ہے ہماری۔ یاد کر، جب تو آپا جی کے ساتھ گاؤں سے آیا تھا اور آپا جی ڈر کے مارے تجھے گھر سے نہیں نکلنے دیتی تھیں، کہ کہیں شہر کی ہوا نہ لگ جائے، تب میں ہی رات کو تجھے اپنے ساتھ سینما دکھانے لے جاتا تھا۔ پھر تیری شادی پر بھی میں نے تجھے پانچ سو روپے دیے تھے۔ اور جب وسیم پیدا ہوا تھا، تب پیپسی کی پوری بوتل پلائی تھی، یاد ہے ناں تجھے؟'، عمیر کے احسانات شمار کرتے ہوئے نذیر کی گردن تیزی سے ہل رہی تھی، 'اور جب بھی تو مانگتا ہے میں تجھے سگریٹ دیتا ہوں ناں؟ اپنے منہ سے نکال کر تجھے دے دیتا ہوں۔ میں نے کبھی تجھ سے بدلے میں کچھ نہیں مانگا، مگر آج تجھ سے ایک بات کہنی ہے، بتا مانے گا ناں؟'۔

نذیر نے بے سوچے سمجھے گردن ہلا دی۔ ویسے بھی یہ سوچنے سمجھنے کا مقام نہیں تھا۔ 'دیکھ یار یہ جو گھر میں الیکشن ہو رہے ہیں ناں، ان میں تو بھی ووٹ ڈالے گا۔ بلکہ آپا جی بھی اور تیری گھر والی بھی۔ کیونکہ تم سب بھی اس گھر کے افراد ہو۔ مگر دیکھ تو نے پرچی پر صرف میرا نام لکھنا ہے، سمجھ رہا ہے ناں؟'، عمیر نے پر امید نظروں سے نذیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

'مگر عمیر بھائی، ابو بکر صاحب کو یا ہاشمی صاحب کو پتہ چلا تو میں کیا کہوں گا ان کو؟ وہ تو بہت ناراج ہوں گے'، نذیر کو اپنی گردن پھنستی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

'اس بارے میں تُو بے فکر ہو جا نذیرے۔ ان کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی کہ کس نے کس کو ووٹ دیا ہے، وہ صرف ووٹوں کی گنتی کریں گے۔ ہاں مجھے ضرور پتہ چل جائے گا اگر تو نے میرے علاوہ کسی کو ووٹ دیا تو۔ اگر مجھے ووٹ دے گا تو میں تجھے پانچ سو روپے اور دوں گا اور اگر کسی اور کو دے گا...... تو پھر تو مجھے جانتا ہی ہے، میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں گا، خود ہی سوچ لینا'، عمیر نے بات کے اختتام پر دھمکانا ضروری سمجھا، تاکہ اگر پانچ سو روپے کا لالچ نذیر کا ووٹ خریدنے میں ناکام رہے تو دھمکی کارگر ثابت ہو۔

جمعۃ المبارک،۲۹دسمبر،۲۰۱۷ء۔

آج کا دن ویسے تو کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا، لیکن آج ہاشمی ہاؤس میں گہما گہمی عروج پر تھی۔گھر کے دونوں حصّوں میں خواتین کچن میں مصروف تھیں اور طرح طرح کے پکوانوں کی خوشبو سے پورا گھر مہک رہا تھا۔ ابو بکر صاحب نے دو روز پہلے خصوصی درخواست کی تھی کہ جمعہ کو سب اکٹھے کھانا کھائیں گے سو کچھ خاص اہتمام کر لیا جائے۔ مردوں کے لیے کھانے کا انتظام گھر کی بیٹھک (ڈرائنگ روم) میں کیا گیا تھا، جبکہ اس کے ساتھ ملحق کھانے کے کمرے سے میز کرسیاں وغیرہ اٹھادی گئی تھیں، اور قالین پر فرشی دستر خوان چن دیا گیا تھا، یہ انتظام خاص طور پر خواتین کے لیے کیا گیا تھا تاکہ وہ بھی گھر میں جاری سیاسی سرگرمیوں میں کما حقہ حصّہ لے سکیں۔دونوں کمروں کے درمیان کوئی دیوار نہیں تھی، بلکہ صرف ریشمی پردے لٹکے ہوئے تھے۔

طفیل ہاشمی صاحب آج صبح سویرے ہی نہا دھو، سفید اجلے لباس میں ملبوس ہو کر، باریک چشمہ ناک پہ اور کان میں آلۂ سماعت لگائے، تیار ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے کمرے کا نقشہ بھی آج بدلا ہوا تھا۔ خلافِ معمول کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور انہیں ہٹانے کے بجائے کمرے کی سب بتیاں جلا کر تیز روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ان کی چھوٹی تپائی جو بالعموم ان کے بستر کے ساتھ رکھی ہوتی تھی، کمرے کے عین وسط میں دھری تھی اور اس کے اوپر شیشے کا ایک خالی ڈبہ رکھا تھا۔

آج الیکشن کا دن تھا۔ آج جمہوریت کی بالادستی کا دن تھا۔ آج تبدیلی اور انقلاب کا دن تھا۔ آج معلوم ہو گا کہ ہاشمی ہاؤس کی سربراہی کا اصل حق کس کو ہے۔گھر کے افراد کس کو اپنا امیر منتخب کرتے ہیں۔گھر کے افراد کے اعتماد کا حامل کون ہے۔

گو کہ ہفتہ بھر سے اس دن کا انتظار تھا۔ بڑے تو اس پورے معاملے کو بہت سنجیدگی سے نہیں لے رہے تھے کہ ان کی نظر میں یہ محض ایک تجربہ ہی تھا لیکن بچوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ مگر آج، خلافِ توقع، کیا بڑے اور کیا بچّے، سب ہی اپنے اندر غیر معمولی جوش وجذبہ اور توانائی محسوس کر رہے تھے۔ وہ بھی جو اس کو محض ایک کھیل اور تماشا سمجھ کر اس میں دلچسپی لے رہے تھے اور وہ بھی جو اس میں اپنا سب کچھ لگا بیٹھے تھے انقلاب کی امید پر۔ سارے ہی خوش تھے، پر امید تھے، اور آج کے دن کے نتائج سے بہت سی توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔ مگر سب سے زیادہ خوش، مطمئن اور پر امید تو ابو بکر صاحب تھے، کہ آج کے دن نہ صرف ان کے تمام سیاسی نظریات ایک عملی تجربہ سے گزر کر حق اور سچ ثابت ہونے والے تھے، بلکہ تمام گھر والوں اور بالخصوص عمیر پر بھی یہ ثابت ہونے والا تھا کہ وہ گھر پر قابض کوئی ظالم جابر ڈکٹیٹر نہیں، بلکہ سب کے اعتماد کے حامل، متفق علیہ سربراہِ خانہ ہیں۔انہیں قوی امید تھی کہ آج کے دن کے بعد عمیر کے روز روز کے جھگڑوں اور خود سری میں کمی آئے گی اور اس کے بے بنیاد گلے شکوے رفع ہوں گے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد برتن اٹھا لیے گئے اور گھر کے تمام افراد بیٹھک میں جمع ہو گئے۔ پردے کے ایک جانب مرد بیٹھے تھے جبکہ دوسری جانب خواتین خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھیں۔سب کو جمع دیکھ کر ابو بکر صاحب نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور بات کا آغاز کیا۔

’میرے عزیز بھائیو اور بچو! السلام علیکم‘۔ انہوں نے حاضرین کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکا سا توقف کیا یہاں تک کہ وعلیکم السلام کی متفرق آوازیں خاموش ہو گئیں۔’آپ سب جانتے ہیں کہ آج الیکشن کا دن ہے، ہم سب آج اس فرد کو اپنا ووٹ دیں گے جس کے بارے میں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اس گھر کی سربراہی کا اہل اور حقدار ہے۔سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والا فرد آج کے بعد اس گھر کا سربراہ ہو گا۔ آج پورے تین بجے ووٹنگ کا عمل شروع ہو گا۔سب سے پہلے اباجی اپنا ووٹ ڈالیں گے، پھر ہم چاروں بھائی، اور پھر باقی سب لڑکے۔ان کے بعد خواتین کی باری آئے گی‘۔

’میں بھی ووٹ ڈالوں گا صاب، عمیر بھائی نے کہا ہے کہ میں بھی گھر کا بندہ ہوں جی۔ بلکہ اماں اور گھر والی بھی ووٹ دیں گی جی، میں نے ان کو بھی بتایا ہے‘، ابو بکر صاحب کے رکتے ہی نذیر بول اٹھا۔

’اچھا! ہاں کیوں نہیں......‘، ابو بکر صاحب نے حیران نظروں سے اسے دیکھا، اب اس وقت سب کے درمیان بیٹھ کر وہ کیا کہتے۔’ہاں......تو میں کیا کہہ رہا تھا......چند باتیں ہیں جو ووٹ ڈالنے سے پہلے میں آپ سب سے کہنا چاہتا ہوں۔ دیکھیں، ووٹ ایک مقدس امانت ہے۔ آپ اپنا ووٹ کس کو دیتے ہیں، یہ فیصلہ آپ کو خوب سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔ کیونکہ اپنے ووٹ کے ذریعے آپ جو حکومت یا جو نظام تشکیل دیں گے اس میں آپ برابر کے حصّہ دار ہوں گے۔ آپ اپنے ووٹ کے اہل بندے کو ووٹ دے کر ایک اچھی حکومت تشکیل دیتے ہیں یا نااہل شخص کو دے کر ایک نکمی حکومت بنانے میں مدد کرتے ہیں، اس بات کا فیصلہ آپ نے خود ہی کرنا ہے۔ مگر یہ یاد رکھیں کہ کل روزِ قیامت آپ اپنے کیے ہوئے فیصلے پر اللہ کے سامنے جوابدہ بھی ہوں گے۔اس لیے اپنی ذمّہ داری سمجھ کر، جان کر، خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں اور اپنا ووٹ صرف اس کے اہل بندے کو ہی دیں‘۔

ابو بکر صاحب کی بات کے اختتام پر بیٹھک میں ہلکی آواز میں باتیں شروع ہو گئیں۔ عثمان صاحب اتفاق میں سر ہلا رہے تھے، خواتین کی جانب سے بھی ہلکے سُروں میں باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید اپنے اپنے نمائندوں کے حوالے سے اظہارِ خیال ہو رہا تھا۔ ولید اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے سب حاضرین میں سفید پرچیاں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ جب مردوں کی جانب سب کو ایک ایک پرچی مل گئی تو باقی ماندہ پرچیاں اس نے پردے کے پیچھے بیٹھی نسرین آپا کو تھما دیں۔ مکمل خاموشی میں سب نے اپنی اپنی پرچی پر اپنے پسند کے نمائندے کا نام تحریر کیا، اور پرچی تہہ کر کے رکھ لی۔ تین بجنے میں پانچ منٹ پر اباجی اپنی لکڑی کی اسٹک کا سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، پہلا ووٹ انہوں نے ہی ڈالنا تھا۔ ولید فوراً ان کو دوسری جانب سے سہارا

دینے کے لیے پہنچ گیا اور ان کا ہاتھ تھام کر ان کو ان کے کمرے تک پہنچا دیا۔ ابّا جی نے زیرِ لب بسم اللہ پڑھ کر شیشے کے خالی ڈبے میں اپنی پرچی ڈالی، پھر ایک لحظہ دم سادھے کھڑے رہے، اور پھر اپنی چھڑی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے بستر پر جا بیٹھے۔ وہ اپنا ووٹ ڈال چکے تھے۔

اس کے بعد باری باری تمام مردوں نے اپنا ووٹ ڈالا۔ ابّا جی کے علاوہ کسی کو کمرے میں موجود رہنے کی اجازت نہیں تھی، الیکشن کمشنر وہی تھے۔ کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ ووٹ ڈالنے والا کمرے میں آکر سیدھا ووٹ بکس تک جاتا، اپنی پرچی اس میں ڈالتا اور پھر اسی خاموشی سے واپس کمرے سے نکل آتا۔ مردوں کے بعد خواتین کی باری آئی۔ چار بجے تک گھر کے تمام افراد ووٹ ڈال کر فارغ ہو چکے تھے۔ پھر خواتین تو چائے کے انتظام میں مصروف ہو گئیں جبکہ مرد نتائج کے انتظار میں دوبارہ بیٹھک میں جمع ہو گئے۔ ووٹوں کی گنتی کا کام ابّا جی اور نسرین آپا کے سپرد تھا، اور وہ دونوں ابّا جی کے کمرے میں بیٹھے گنتی میں منہمک تھے۔

نتائج کے اعلان سے تو سبھی کو دلچسپی تھی، مگر اس وقت عمیر اور زوار کی حالت شاید سب سے خراب تھی۔ بے چینی سے ان کے پیٹ میں درد ہو رہا تھا۔ انہوں نے پورا ہفتہ آج کے دن کے لیے بہت محنت کی تھی۔ حسن، حسین، زین، اویس، صہیب کے ساتھ محفلوں سے لے کر علیحدہ علیحدہ گھر کے ہر فرد کو اپنے حق میں قائل کرنے کی کوششیں، اور نہ صرف زبانی کلامی کوششیں کی تھیں بلکہ اپنا پیسہ بھی لگایا تھا۔ آج ان کا بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ دوسری جانب ابو بکر صاحب تھے، بے چینی تو انہیں بھی تھی کہ دیکھیں کیا نتیجہ نکلتا ہے، مگر انہیں ایک گونہ اطمینان بھی حاصل تھا۔ جانتے تھے وہ نہ بھی منتخب ہوئے تو عثمان صاحب منتخب ہوئے ہوں گے، اور ان کی سربراہی میں بھی گھر کا انتظام بطریقِ احسن چلنے کی امید تھی۔ خود انہوں نے بھی اپنا ووٹ عثمان صاحب کو ہی دیا تھا۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تو سب کی نظریں اس جانب اٹھ گئیں۔ نذیر ٹرالی میں سب کے لیے چائے کے کپ رکھے اندر داخل ہوا۔ نجانے ابّا جی اور نسرین کو اتنی دیر کیوں لگ رہی تھی۔

چائے اور بسکٹ کا دور شروع ہو گیا اور ساتھ ہی نذیر پکوڑے لے آیا۔ عثمان اور جاوید صاحب مختلف موضوعات پر ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے۔ لڑکے سارے اپنی باتوں میں مگن تھے۔ خواتین کی جانب سے بھی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ صرف ابو بکر صاحب، عمیر اور زوار اپنی اپنی جگہوں پر خاموش، اپنی سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔ اب کی بار دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی تو سب نے مڑ کر دیکھا۔ ابّا جی کو آتا دیکھ کر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ نسرین آپا بھی شاید اسی وقت خواتین والے حصّے میں داخل ہوئی تھیں، وہاں بھی خاموشی چھا گئی اور پھر کسی کی ہلکی سی سرگوشی کی آواز آئی کہ 'کیا بنا؟'، آپا نے خاموشی سے سر ہلا دیا اور اشارہ کیا کہ ابّا جی اعلان کرنے ہی والے ہیں۔ بیٹھک میں مکمل سناٹا تھا۔ سب ہمہ تن متوجہ تھے۔ ابّا جی نے صوفے پر بیٹھ کر اپنا چشمہ درست کیا، پھر کان کے آلے کو دبا کر اس کی جگہ پر جمایا اور پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کھنکھارے۔

'کل ۲۴ ووٹ ڈالے گئے تھے'، ابّا جی رکے، سب دم سادھے سن رہے تھے، 'مگر صرف تین افراد کو ووٹ ڈالے گئے ہیں۔ وہ تین افراد ہیں ابو بکر، عثمان اور عمیر'۔

'عثمان تم نے ۲۴ میں سے حاصل کیے ہیں پانچ ووٹ'، ابّا جی نے عثمان صاحب کی طرف دیکھ کر کہا، وہ خندہ پیشانی سے مسکرا دیے۔

'نو ووٹ حاصل کیے ہیں ابو بکر نے، یہ کل ملا کر ہو گئے ۱۴ ووٹ۔ اور باقی دس ووٹ ملے ہیں عمیر کو!'۔ (جاری ہے ان شاء اللہ)

بقیہ: لیکن تم ان شہداء کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے!

جن میں ڈاکٹر ارشد وحید (سکھر)، کماندان افضل (سیالکوٹ)، ہشام بھائی (اسلام آباد)، کامران بھائی (کراچی) وغیرہ شامل تھے اور کچھ بھائی زخمی ہو گئے تھے۔ زخمی بھائیوں میں سے ایک بھائی بعد میں کہہ رہے تھے کہ تربیت چل رہی تھی۔ تربیت میں موجود تمام بھائیوں سے مجھے محبت تھی۔ وقت بھی ان کے ساتھ اچھا گزر رہا تھا اس وجہ سے ان کی یاد بہت آتی تھی۔ ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ کامران بھائی میرے پاس آئے ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کیا ہوا؟ کامران بھائی نے کہا کہ جب بمباری ہوئی تو راستہ کھلا اور ہم نکل گئے۔ میں نے پوچھا، حسن (ہشام بھائی) کو حوریں ملی ہیں؟ کامران بھائی نے اس کے جواب میں مجھے اس طرح دیکھا جیسے کمپیوٹر میں تصویر زوم ہو جاتی ہے، وہ بس میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتے رہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میں نے ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان (ابو خالد بھائی) کو خواب سنایا۔ وہ خوابوں کی بہت اچھی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا راستے کا کھلنا اور نکل جانا...... اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ (سورۃ محمد: ۵)۔ "وہ ان کی رہنمائی فرمائے گا، اور ان کا حال درست کر دے گا۔" دوسرا جس بھائی کو حوریں ملنے کا پوچھا، تو اس کا جواب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں **ولکن لا تشعرون**، تمہیں اس کی زندگی کا شعور نہیں اس لیے انہوں نے گھور گھور کر دیکھا۔ گویا بزبانِ حال یہ کہہ رہے ہیں تم دنیا والے کیا جانو۔ تمہیں یہاں (جنت) کی لذتوں کا کیا پتہ؟ تم اس کی حقیقت کا صحیح ادراک کر ہی نہیں سکتے۔ جیسا کہ پہلے لکھا، ڈاکٹر سربلند زبیر خوابوں کی بہت اچھی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ اس مذکورہ بمباری سے کچھ دن پہلے کامران بھائی نے ان کو خط بھجوایا۔ جیسے ہی انہوں نے خط کھول کر پڑھا تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی۔ ساتھ موجود ایک بھائی نے پوچھا کیا ہوا؟ تو انہوں نے کہا، اس بھائی نے ایسا خواب دیکھا ہے کہ یہ شہید ہو جائے گا۔ اس بمباری میں ڈاکٹر ارشد وحید بھی شہید ہوئے، جن کا جہادی نام معاذ تھا۔ آپ کی شہادت کے بعد شیخ یعقوب الکینی فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہاتفِ غیبی کی آواز سنی کہ معاذ سے اللہ تعالیٰ راضی ہیں۔ ★

سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج آراء کے علاوہ فاضل لکھاریوں کے دیگر افکار سے 'ادارہ نوائے افغان جہاد' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

کرنل کے بوٹ پالشیے|وقار عظیم نے لکھا

''کرنل کے چاول کھا کھا کر یہ قوم بوٹ پالشیے نہ بنے تو کیا سقراط بنے؟''

چیف آف آرمی سٹاف کا معاملہ|طارق حبیب نے لکھا

دیکھیں بادامی صاحب! یہ چیف آف آرمی سٹاف کا معاملہ ہے اور ......فوج کا سربراہ باپ کی طرح ہوتا ہے......

آفریدی صاحب! اب ایسا تو نہ کہیں......باپ تین چار سال بعد تبدیل نہیں کیا جاتا!

اے آر وائی نیوز کے اینکر وسیم بادامی اور وفاقی وزیر مملکت برائے داخلہ شہریار آفریدی میں مکالمہ۔

وہ جس نے ریگزاروں میں پھول کھلائے|شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

ایک 'کم زور' مخلوق جو کبھی خود 'ترکہ' شمار ہوتی تھی، کس نے اس کو وراثت میں 'زور آور' کے ساتھ باقاعدہ 'حصہ دار' بنا دیا:

''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور اعزا و اقارب چھوڑ گئے۔ عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور اعزا و اقارب چھوڑ گئے۔ ترکہ چاہے تھوڑا ہے چاہے زیادہ۔ حصہ مقرر ہے۔''(سورۃ النساء:۷)

کہاں وہ خود 'ترکہ' تھی، کہاں اب وہ 'ترکہ' میں حصہ بٹاتی ہے، کیونکہ اس قوم میں ایک نبی مبعوث ہو چکا ہے!

سورۂ نساء کی تفسیر کرنے والا کوئی مؤلف نہ ہو گا جس نے یہ ذکر نہ کیا ہو کہ باپ مر جاتا تو بیٹے صرف اپنی سگی ماں کو چھوڑنے کے روادار ہوتے اور، باپ کے مرتے ہی، اس کی باقی بیوگان کے گلے میں پٹکے ڈال دینے کے لیے بھاگتے کہ 'یہ میری ہوئی'......اور اس جہالت کے مدمقابل یہ نبی جو خدا کے حق کے سوا کبھی کسی بات پر غضب ناک ہوتا نہ دیکھا گیا، خدائی دستور یوں جاری کراتا ہے: ''اور ان عورتوں سے زوجیت نہ کرو جن سے تمہارے باپ کی زوجیت رہی، سوائے وہی جو بس پہلے ہو لیا، یہ بے حیائی ہے اور گھناؤنا پن، اور برے انجام کو پہنچانے والا ہے۔''(سورۃ النور:۲۲)

اور اس خدائی دستور پر سختی ایسی کہ براء بن عازبؓ کہتے ہیں: ''میں نے اپنے چچا کو سرکاری جھنڈا لہرائے جاتا دیکھا۔ پوچھا، تو کہنے لگے: 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا ہے کہ ایک شخص جس نے اپنے باپ کی منکوحہ کو اپنے گھر میں ڈال لیا ہے، اُس کا مال ضبط اور اس کو سزائے موت دے کر آؤں'۔'' یہ حدیث چاروں سنن میں آئی ہے، جبکہ ترمذی میں الفاظ ہیں: ''اس آدمی کی طرف، جس نے اپنے باپ کی منکوحہ کو گھر میں ڈال رکھا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس کا سر لا کر پیش کروں۔''(سنن النسائی: کتاب النکاح: باب: نکاح ما نکح الآباء)

پاکستان میں ہونے والا 'سرخ مارچ'|ڈاکٹر رضوان اسد خان نے لکھا

یہ جو لالوں لال ہوئے پھرتے ہیں ان سے یہ تو پوچھ کر بتا دو کہ ان میں سے کون سا سوشل ازم چاہیے......

باقی پس منظر میں چین کے ممکنہ اثرات کو نہیں بھولنا چاہیے۔ چین ان معنوں میں کمیونسٹ ہے کہ ملکی اثاثوں کی مالک کمیونسٹ پارٹی آف چائنا ہے اور سیاست کی بنیاد کارل مارکس کے نظریات کے مطابق ہے کہ مرکزی حکومت تمام ملکی پیداواری ذرائع کی مالک ہو گی اور بنیادی سہولیات عوام میں برابری کی سطح پر تقسیم ہوں گی۔ لیکن معاشیات کی سطح پر یہ سوشلسٹ، بلکہ بہت حد تک کیپٹلسٹ ہیں کیونکہ ذاتی کاروبار، انٹرپرینیورشپ کو بہت زیادہ فروغ دیا جاتا ہے اور ذاتی مال جمع کرنے کی کوئی حد اور پابندی نہیں......

یعنی دجالی مادہ پرستانہ تہذیب کی سب سے بڑی مثال میرے نزدیک اس وقت امریکہ نہیں، بلکہ چین ہے جہاں پیسہ رکھنے پر پابندی نہیں لیکن خدا پر ایمان رکھنے اور اس کے دین پر چلنے پر سخت پابندی ہے!!!

ابنِ صفی کی دور اندیشی|عبید خان نے لکھا

ابنِ صفی کی دور اندیشی کو داد دینی پڑتی ہے جس نے سو سال پہلے لمبی لمبی چھوڑنے کا نام 'عمران سیریز' رکھا تھا!

ہر شعبے میں ٹائیکون!|سید طلعت حسین نے لکھا

منی لانڈرنگ والا نکلا بھی تو کون؟ جو سب کو فنڈ کرتا ہے۔

جس کے پیسوں سے دھرنے اور انتخابات ہوتے ہیں۔

جو احتساب کرنے والے تعینات کرواتا ہے۔

اب پوچھیں ناں ذرا کہ پیسہ باہر کیسے گیا؟ ایسا جواب آئے گا کہ حکومت گر جائے گی!

کون، کس کو چلا رہا ہے؟ | شعیب صفدر گھمن نے تصویر لگائی اور لکھا

اس تصویر میں بیان 'تصور' کی کسی بھی قسم کے حالات سے کوئی مماثلت مکمل غلط فہمی کا نتیجہ ہو گی۔

[غور کیجیے.....اس تصویر میں آگے فوجی ٹرک ہے جو ایک 'کھچڑا' گاڑی کو گھسیٹ رہا۔ 'اتفاقاً' گھسیٹے جانے والی گاڑی پر 'پی ٹی آئی' درج ہے۔]

میڈیا کی آزادی | مہتاب عزیز نے لکھا

ٹی وی چینلز کو "نامعلوم افراد" نے ہدایت جاری کی ہے کہ ایکسٹینشن پر کوئی خبر یا ٹاک شو نہیں چلے گا۔

آزادی صرف سیاست دان کو گالی دینے کی ہے۔

#Extension_Army_Chief

آرمی چیف ایکسٹینشن معاملہ.....فرمایا چیف جسٹس نے | بلال امتیاز احمد نے لکھا

رخصتی ابھی لے لیں......

نکاح چھ ماہ بعد بزرگوں کے مشورے سے کر لیں.....(چیف جسٹس)

قبا سرخ ہو جس کی وہ ہے ٹماٹر | حسیب احمد حسیب (حسیب خان) نے نظم لکھی

یہ تعبیر کا فرق ہے میرے بھائی
ضرورت ہی کیا ہے؟ جو دیں ہم صفائی

قبا سرخ ہو جس کی وہ ہے ٹماٹر
یہ قیمت کا چکر ہے کچھ اور چکر

جسے شہد کہتے ہیں اس میں نشہ ہے
نشے میں سنا ہے اسی کا مزہ ہے

جو دو سو میں بکتا ہے وہ کچھ جدا ہے
جو سترہ رُپے[1] کا ہے وہ کچھ نیا ہے

فسادی ہیں سارے جو شکوہ کناں ہیں
نئے دور کی سب یہ تبدیلیاں ہیں

کبھی شک کسی کی نیت پر نہ کرنا
نہ دینا کبھی بھی کسی طور دھرنا

جو این آر او ہے وہ انسانیت ہے
ہماری تو صاحب بس اچھی نیت ہے

وطن میں ہے انصاف کا بول بالا
جو جلتا ہے ہم سے ہو منہ اس کا کالا

میری قوم.....تم فی الحال......"ٹھمکے"......لگاؤ......| ابو بکر قدوسی نے لکھا

میری قوم......چلو تم سب اب ٹھمکے لگاؤ......

کیا کوئی رجل رشید نہیں کہ جو ان کو سمجھائے؟

---

[1] جب منڈیوں میں ٹماٹر دو سو روپے فروخت ہو رہا ہے، مشیر خزانہ حفیظ شیخ کے بقول سترہ روپے کا ہے۔

آپ کا دشمن کشمیر میں فوجی بینڈ کے ذریعے قابض نہیں اور نہ وہاں اس نے طبلے کی تال پر کرفیو نافذ کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کو سارنگی کے سروں والا کوئی ساز سمجھ کے بجاتے ہیں......

ایک شہر کا بادشاہ مر گیا تو انہوں نے صبح دم شہر میں داخل ہونے والے فقیر کو بادشاہ بنا لیا ......دشمن نے یہ ماجرا دیکھا تو حملہ کر دیا......

بادشاہ سے عرض گزاری کی گئی حضور! طبل جنگ بجایئے...... لیکن انہوں نے ارشاد فرمایا کہ:

حلوہ پکاؤ......

دشمن سر پر چڑھا آ رہا تھا اور یہاں ہر ہر مرحلے پر ایک ہی آرڈر...... کہ

حلوہ پکاؤ......

حلوہ پکاؤ......

حتیٰ کہ دار الحکومت تک غنیم آن پہنچا...... حضور شاہی میں اب کے خود سالار جنگ حاضر ہوئے کہ حضور کچھ کیجیے...... جواب وہی کہ حلوہ پکاؤ...... لاچار یہی سوچ کے دل کو تسلی دی کہ ہو گی کوئی رمز فقیراں...... ابھی کوئی معجزہ ہو گا اور دشمن بھاگ جائے گا......

سو اب کہ دشمن کی قربت کے سبب کچھ بڑھا کے دیگیں چڑھا دی گئیں......

کشمیر
بنے گا پاکستان
حکومت پنجاب

اظہارِ یکجہتی کشمیر

کشمیر کے نہتے اور معصوم عوام پر جاری بھارتی ظلم و بربریت کو
بین الاقوامی سطح پر نئے انداز میں اجاگر کرنے کیلئے

حکومت پنجاب کے زیر اہتمام
نامور بینڈز

AKCENT
& J The Band

کے ساتھ میوزیکل نائٹ کا انعقاد

مورخہ 24 نومبر 2019 | بوقت: شام 5 بجے | بمقام: گورنر ہاؤس، مال روڈ، لاہور

عوام اور حکومت پنجاب
کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی کی حمایت میں
افواج پاکستان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں

شہر مسخر ہوا......شاہی محل کی دیواریں ٹوٹ گئیں......بادشاہ سلامت نے حکم دیا کہ تم حلوہ پکاؤ اور خوب کھاؤ......اور ہاں میری وہ گدڑی دینا جو پہنے میں اس روز صبح صبح میں شہر میں داخل ہوا تھا جب تم لوگوں نے مجھے بادشاہ بنایا تھا......

سو میری قوم...... تم فی الحال...... ''ٹھمکے''...... لگاؤ......

(اظہارِ یکجہتی کشمیر کے لیے پنجاب حکومت کے میوزیکل نائٹ منعقد کرنے کے اقدام پر درج بالا تحریر لکھی گئی۔)

سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی | مہتاب عزیز نے لکھا

یہ بات طے ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی واضح ہو چکی ہے۔

جنوبی امریکہ میں چلی، بولیویا، ارجنٹینا، برازیل وغیرہ کی تحریکیں۔ شمالی امریکہ میں 'وال اسٹریٹ پر قبضہ کرو' تحریک، یورپ میں پیلی جیکٹ تحریک، مشرقی یورپ سمیت یونان اور اسپین وغیرہ کے معاشی حالات، مشرق وسطیٰ میں لبنان، عراق اور ایران کے مظاہرے، جنوبی ایشیا میں پاکستان اور بھارت کی بدترین کساد بازاری، مشرق بعید میں انڈونیشیا، ویت نام، کمبوڈیا، لاؤس کے دگرگوں معاشی حالات، پورے افریقہ کی معاشی صورتحال پر نظر ڈال لیجیے۔

ہر طرف سرمایہ دارانہ نظام کی تباہی اور بربادی کی داستان ہی ملے گی۔ یہ تمام آثار اعلان کر رہے ہیں کہ منڈی کی معیشت کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں ریسرچ آرٹیکل لکھے جا چکے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ موجودہ میڈیا چونکہ اس نظام کا ایک کل پرزہ ہے۔ اس لیے اس نظام کی شکست وریخت پر بات کرنا وہاں شجر ممنوعہ ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی اسی ناکامی کا شاخسانہ ہے کہ آج کل مشرق تا مغرب اشتراکیت کے حامی اپنے بلوں سے نکل کر ڈھول کی تھاپ پر گلے پھاڑتے دکھائی دینے لگے ہیں۔

لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ دینِ فطرت کے نام لیوا، جن کے پاس استحصال سے پاک اور انسانیت کی فلاح کا ضامن بہترین معاشی نظام موجود ہے۔ وہ تاحال اس بدلتی صورتحال کا ادراک تک نہیں کر سکے۔ مستقبل کی منصوبہ بندی اور متبادل بننے کی حکمت عملی کا ذکر ہی کیا۔

ہمارے اہل دین کی اکثریت کو معاشیات کی ابجد سے بھی شغف نہیں۔ اور جو گنتی کے چند لوگ اس کا علم رکھتے ہیں وہ بھی فی الحال سرمایہ دارانہ نظام کی اسلامائزیشن میں مصروف ہیں۔ جو اسلامی بینکنگ اور اسلامی انشورنس وغیرہ جیسے نام لگا کر روبہ زوال سرمایہ دارانہ نظام کو زندگی کی کچھ مزید سانسیں عطا کر رہے ہیں۔

اگر اب بھی اسلامی نظامِ معیشت کو متبادل کے طور پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوششیں نہ کی گئیں تو انسانیت ایک بار پھر اشتراکیت کے پنجۂ استبداد میں جکڑی جائے گی۔ اور پھر ڈیڑھ صدی بعد دوبارہ سرمایہ دارانہ نظام کو راہ نجات سمجھا جانے لگے گا۔

کاش وقت کی آواز پر لبیک کہنے والے علمائے حق سامنے آئیں، اور دُکھی انسانیت کے غموں کا مداوا کر دیں۔

شکریہ حکومت، شکریہ کپتان | فہیم پٹیل نے لکھا

۲۰ سالہ زندگی میں ایک ہی خواب تھا کہ اپنا گھر بناؤں گا، مگر ایسا نہ کر سکا۔

لیکن اب مجھے یہ خواب پورا ہوتا دِکھائی دے رہا ہے۔

حکومت نے پٹرول کی قیمت میں پورے ۲۵ پیسے کمی کر دی، بس اب اسی بچت سے میں اپنا گھر بناؤں گا۔

شکریہ حکومت، شکریہ کپتان!

کس کس نے اس ملک کی عوام کا استحصال کیا؟ | فیاض عالم نے لکھا

ایک ایسی بات لکھ رہا ہوں جس سے کچھ دوست شدید اختلاف کرسکتے ہیں لیکن زمینی حقائق بہت ہی تلخ ہیں اور جو بھگت رہے ہیں، وہی اس کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں!

ملک ریاض دو نمبر آدمی ہے، زرداری صاحب کی رینکنگ ممکن نہیں ہے ......ملیر ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا سہیل بابو، متحدہ اور عامر خان کا قریبی آدمی ہے!

سب کچھ سو فیصد درست! لیکن جن زمینوں پر بحریہ ٹاؤن کراچی بنایا گیا ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اس علاقے میں درجنوں ہاؤسنگ اسکیموں کے ذریعے لوگوں سے اربوں روپے لوٹے گئے اور کئی دہائیوں کے بعد بھی وہاں کوئی خاص ترقیاتی کام نہیں ہوئے۔ بہت ساری اسکیمیں تو سرے سے فراڈ ہی ثابت ہوئیں!

ملک ریاض نے زرداری صاحب، ایم ڈی اے اور کچھ دیگر اداروں کے ساتھ مل کر وہ زمین حاصل کی جس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ اس پر سندھ کے مشہور وڈیرے ملک اسد سکندر کا عمومی دعویٰ ہے۔ ملک اسد سے جناب زرداری ہی زور آزمائی کرسکتے تھے!

بحریہ ٹاؤن کراچی بنایا......ورنہ وہاں جعلی ہاوسنگ اسکیمیں بنتی رہتیں یا پھر ہر سیلاب کے بعد قبضہ مافیا جعلی متاثرین کو لا کر بٹھاتا رہتا اور ہر کچھ سال کے بعد کوئی وزیر اعلیٰ اس ناجائز قبضہ کو سند جواز پیش کرتا رہتا۔ کسی کو شک ہے تو سہراب گوٹھ سے آگے جاکر سڑک کے دونوں طرف بنی ہوئی جھگیوں کو دیکھ لے!

ایم ڈی اے اور ایل ڈی اے جیسے ادارے بیس بیس سال سے عوام کے پیسے لے کر ہڑپ کر چکے ہیں اور ایک بھی رہائشی اسکیم کو قابلِ رہائش نہیں بنا سکے ہیں!

ایسے میں عام آدمی کو ملک ریاض 'رابن ہڈ' یا 'سلطانہ ڈاکو' نظر آتا ہے!

میں نے درجنوں لوگوں سے خود سنا ہے کہ جناب! ہمارے پیسے تو سرکاری ہاؤسنگ اسکیموں اور کچھ نجی اسکیموں میں برس ہا برس سے پھنسے ہوئے ہیں، کاش بحریہ ٹاؤن میں پلاٹ لے لیا ہوتا!

ملک ریاض چور ہے لیکن بحریہ ٹاون فضائیہ یا کراچی گالف سٹی یا پھر ہاکس بے اسکیم کی طرح بعد از قیامت تو رہائش کے قابل نہیں ہو گا ناں!!!

یہ صورت حال، بہت بڑی زمینی حقیقت ہے!

72 سال کے بعد ملک کے سب سے بڑے شہر میں لوگوں کو صوبائی یا وفاقی حکومت سے زیادہ ایک بڑے ڈان (don) پر اعتماد ہے!

ڈان جسے پکڑنا مشکل ہی نہیں اب ناممکن نظر آتا ہے!

شاید یہی وجہ ہے کہ ڈان کا کردار چاہے امیتابھ بچن ادا کرے یا شاہ رخ خان...... فلم نے ہٹ ہی ہونا ہے!

ویسے بھی ہر قسم کی دو نمبری کو سند جواز فراہم کرنے کے لئے اہل صحافت و عدالت موجود ہی ہیں!

ملک ریاض کی حاتم طائی کی قبر پر ایک اور لات! | عاصم اظہر نے لکھا

ایک کنجوس آدمی کے ہاتھ سے ایک کتا گوشت کا تھیلا لے کر بھاگ گیا۔ کنجوس آدمی کچھ دور تک تو اس کے پیچھے بھاگا، مگر کتا ہاتھ نہ آیا۔ کتے کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر اس آدمی نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور بولا 'یا اللہ! اس گوشت کا ثواب ابا مرحوم کی روح کو پہنچے'۔

''میری طرح اور لوگوں کو بھی باہر سے پیسہ پاکستان لانا چاہیے!''، ملک ریاض۔

#نقیب_اللہ #نیا_پاکستان #عدل | ڈاکٹر اسامہ شفیق نے لکھا

محمد خان محسود کی میت پر سر رکھے نقیب اللہ محسود کا بیٹا کہہ رہا ہے کہ اگر میرے باپ کے قاتلوں کو چیف آف آرمی سٹاف، وزیر اعظم عمران خان اور چیف جسٹس بھی کیفرِ کردار تک نہیں پہنچا سکے تو پھر کون انصاف دلوائے گا۔

اس معصوم کا یہ سوال نہ صرف ان افراد سے بلکہ پورے پاکستان سے ہے۔

یاد رکھیں کفر کی حکومت تو چل سکتی ہے لیکن ظلم کی نہیں!

راؤ انوار جیسے لوگ اس معاشرے میں قانون کی گرفت سے آزاد ہوں تو پھر معاشرے میں امن قائم نہیں رہ سکتا!

(نقیب اللہ کے بیٹے کی اپنے دادا کے تابوت پر سر رکھی ہوئی تصویر) محض تصویر نہیں بلکہ ایک طمانچہ ہے

اس سماج پر، نظامِ عدل پر، ریاست اور سیاست پر

اس ملک پر کل بھی بھیڑیے مسلط تھے اور آج بھی وہی مسلط ہیں بس ان کی نسل تبدیل ہوئی ہے، جبلت نہیں

اللہ ان ظالموں پر اپنے عذاب کا کوڑا اب برسا ہی دے!

بچوں سے درندگی... اصل وجہ|عبد اللہ آدم نے لکھا

دو سرا سوال سب کر رہے ہیں اور مسلسل کیے جا رہے ہیں۔۔ پہلا سوال کوئی نہیں کرتا کہ پچھلے دو تین سالوں سے بچوں سے درندگی کے واقعات اتنے بڑھتے کیوں جا رہے ہیں؟؟

کوئی اس طرف دیکھنے ہی نہیں دیتا کہ پورن سائٹس اور بچوں سے درندگی کے حوالے سے ان سائٹس کا کردار کیا ہے۔ جب نوجوان ان کو دیکھتے ہیں تو جس قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کا نتیجہ ہم معصوم بچوں کے ساتھ سفاکیت کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

اب منطقی طور پر اس کا حل سب سے پہلے ان خبیث آؤٹ لیٹس کی بندش اور ہر ممکنہ روک تھام کے لیے مسلسل اقدامات کرنا ہے، لیکن اس سے لبرل سیکولر ایجنڈے کو کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ انسان پرستی کے تحت انسان کو حاصل شدہ حقوق میں 'معلومات تک رسائی' کی شق اس سارے پورن کلچر کو تحفظ دیتی ہے اس لیے پہلے سوال کی طرف کیا میڈیا اور کیا سیاستدان اور کیا 'سول سوسائٹی'...... کون جائے اور کیوں جائے؟

سرمایہ دارانہ ترکیب اور 'ترتیب' یہی ہوتی ہے کہ سب کو دوسرے سوال یا ٹرک کی بتی کے پیچھے لگائے رکھیں اور اصل، بنیادی اور پہلا سوال لوگوں کے ذہن کی پہنچ سے دور ہی رکھا جائے!

اقبال علیہ الرحمہ نے اسی گھناؤنے اور کریہہ اندرون کو دیکھ کر کہا تھا

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

تا کہ مسلمان بھی 'مسلمان' ہو جائیں|محمد سلیم نے لکھا

ایک پاکستانی نے سویڈش خاتون سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد اسے اسلام اور اسلام کی تعلیمات کے بارے میں بتاتا رہتا۔

اسے بتاتا کہ اسلام محبت کا دین ہے، عفو و درگزر کا مذہب ہے، حسن سلوک اور حسن معاملہ کا مذہب ہے، نفرت اور قطع تعلقی کو اچھا نہیں سمجھتا، رحم اور برداشت کی تعلیم دیتا ہے...۔

بالآخر، ایک دن خاتون نے ان تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

پاکستانی صاحب، ایک بار چھٹیاں گزارنے پاکستان تشریف لائے تو اپنی سویڈش بیوی کو بھی ساتھ لیتے آئے۔ کوئی ایک ہفتہ اپنے خاوند کے گھر والوں کے ساتھ رہنے کے بعد سویڈش بی بی کہنے لگی: تم اپنے گھر والوں کو بھی اسلام کی تبلیغ کرو، تا کہ یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔

بابری مسجد اور الطاف حسین|کاشف نصیر نے لکھا

"بابری مسجد کیس کا فیصلہ بالکل ٹھیک ہے، دوسروں کے مندروں کو توڑ کر مسجد کیوں بناتے ہو؟ اسد الدین اویسی سے پوچھتا ہوں کہ تمہیں کیا تکلیف ہے، کیوں خون بہانا چاہتے ہو؟ وہ ہندو راج بنانا چاہتے ہیں تو ان کا حق ہے!"

الطاف حسین

رسی جل گئی، بل نہیں گئے......

★★★★★

اِک نظر اِدھر بھی!

محمد نصر اللہ صدیقی

نیا پاکستان ہاؤسنگ سکیم

بے گھر اور کم آمدنی والے شہریوں کے لیے حکومتِ پاکستان کی طرف سے نیا پاکستان ہاؤسنگ سکیم شروع کی گئی۔ اسی سکیم کے ایک منصوبے کی تفصیلات ذرائع ابلاغ پر کچھ یوں میسر ہوئیں۔ اس منصوبے میں حکومت کی طرف سے بنائے گئے سستے گھر خریدنے کی درخواست دینے کے لیے شرائط درج ذیل ہیں:

- درخواست دہندہ بے گھر ہو۔ یعنی اس کے نام کسی قسم کا کوئی مکان یا پلاٹ نہ ہو۔
- درخواست دہندہ کم آمدنی والا ہو یعنی اسکی ماہانہ آمدنی 25 سے 30 ہزار تک ہو۔

اس منصوبے میں دو مرلہ رقبے پر منزلوں کی صورت 4 اپارٹمنٹ بنائے جائیں گے۔

غریب اور نادار افراد کے لیے اس منصوبے میں مکان کی قیمت "صرف" 29 لاکھ 85 ہزار روپے ہے۔

درخواست جمع کرواتے وقت ہی دس ہزار زرِ ضمانت جمع کروانا ہو گا جو آخری قسط میں منتھی ہو گا۔

ایک اپارٹمنٹ پر 20 فیصد رقم جمع یعنی 5 لاکھ 97 ہزار (یعنی "خرچہ پانی" ملا کر تقریباً چھ لاکھ) ایڈوانس جمع کروانا پڑے گی۔

اس کے بعد باقی تمام یعنی 23 لاکھ 88 ہزار 36 اقساط میں ادا کرنے ہوں گے۔

اس اعتبار سے ایک ماہانہ قسط تقریباً 66 ہزار 340 روپے بنتی ہے۔

اللہ کی پھٹکار ہو اس ظالمانہ نظام اور اس کی احمق بیور کریسی پر کہ طاقت کے نشے اور دولت کی لالچ میں کس قدر اندھے ہوئے جاتے ہیں۔ اس منصوبے میں محض دو مرلہ زمین پر تعمیرات کے، یہ حکومت 1 کروڑ 19 لاکھ 40 ہزار روپے کما رہی ہے۔ ٹھیکیداروں، الاٹیوں اور درخواست گزاروں سے حاصل کی گئی رشوت اس کے علاوہ ہو گی۔

2018ء کے سرویز (surveys) کے مطابق پاکستان کی آبادی کا 60 فیصد غریب لوگوں پر مشتمل ہے۔ جبکہ 35 فیصد لوگ خطِ غربت سے بھی نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ جبکہ 40 فیصد خوشحال عوام کی اوسط ماہانہ آمدنی 25 سے 45 ہزار کے درمیان ہے تو ذرا تصور کیجیے غریب کی آمدنی کا اور اس پر مستزاد خط غربت سے بھی نیچے زندگی گزارنے والے کی آمدنی کا۔ پاکستان میں کم و بیش 2 کروڑ لوگ ذاتی گھر سے محروم ہیں۔ ان غریبوں اور بے گھر لوگوں میں ابھی ان ہزاروں کا شمار نہیں کیا گیا جن کی دکانیں اور مکان اس ظالم نظام نے تجاوزات کے نام پر بغیر کوئی متبادل دیے مسمار کیں۔

اللہ اہلیان پاکستان کو توفیق دیں کہ وہ اس ظالمانہ نظام کو اکھاڑ پھینکنے میں اپنے مجاہد بیٹوں کے دست و بازو بن جائیں، آمین۔

مفتی کفایت اللہ صاحب پر "نامعلوم" افراد کا حملہ

27 نومبر کو مانسہرہ انٹر چینج کے قریب ایک تیز رفتار گاڑی نے مفتی کفایت اللہ صاحب کی گاڑی کو زور دار ٹکر مار کر روکا۔ پھر اس گاڑی میں سے نکلنے والے لوگوں نے لوہے کے سریوں اور راڈوں سے مفتی صاحب پر حملہ کیا۔ مفتی صاحب بزرگ آدمی ہیں ان کا بازو فریکچر ہوا اور تمام جسم پر شدید چوٹیں آئیں۔ اس کے بعد نامعلوم افراد فرار ہوگئے تو مفتی صاحب کو مانسہرہ ہسپتال منتقل کیا گیا۔ یہ نامعلوم افراد وہی ہیں جن کے مظالم کے خلاف مفتی صاحب سوات آپریشن کے دور سے بات کر رہے ہیں مگر حالیہ دنوں میں مفتی صاحب نے انہیں اپنی گفتگو اور ٹی وی چینلوں پر خوب ذلیل کیا ہے۔ جس پر غصہ ان بزدلوں نے مفتی صاحب پر اس طرح تشدد کر کے نکالا۔ ہندوستانی عجائب گھر میں لٹکی 90 ہزار پتلونوں کے وارث یہ نامعلوم افراد اسی طرح بوڑھوں پر دلیری دکھاتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں اثر و رسوخ رکھنے والے صحافیوں، دانشوروں اور علمائے کرام کو دھمکانے کا ان کا یہی حربہ ہے۔ وگرنہ عمومی افراد کو غائب کرنا اور ان کی مسخ شدہ لاش کسی ویرانے میں پھینکنا ان کے دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے ایک مشہور خطاب میں یہ اشعار پڑھے تھے، آج انہی کے لیے ہماری طرف سے پیش ہیں۔

میرا ذوقِ نظر آزما لیجیے
گر ہو بجلی گرانا گرا لیجیے

میں بھی نکلا ہوں گھر سے یہی سوچ کر
یا تو نظریں نہیں یا نظارہ نہیں

ظالمو! اپنی قسمت پہ نازاں نہ ہو
دور بدلے گا یہ وقت کی بات ہے

وہ یقیناً سنے گا دعائیں میری
کیا تمہارا خدا ہے ہمارا نہیں؟

ہم ارضِ پاکستان کے علماء و اسلام پسندوں سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ظلم جاری ہے، قربانیاں لگ رہی ہیں تو پھر عوامی بالادستی Civil Supremacy یا جمہوریت کے بجائے کیوں نہ شریعت کی بالادستی کے لیے اپنے مجاہد بیٹوں کے بازوؤں کو مضبوط کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دیں، آمین۔

حکومت پنجاب کی طرف سے اظہارِ یکجہتی کشمیر کے لیے میوزیکل نائٹ کا انعقاد

پنجاب حکومت کی طرف سے پچھلے دنوں اخبارات میں اشتہارات چھپے جن کا عنوان کچھ یوں تھا۔

''کشمیر کے نہتے اور معصوم عوام پر جاری بھارتی ظلم و بربریت کو بین الاقوامی سطح پر نئے انداز میں اجاگر کرنے کے لیے، حکومت پنجاب کے زیر اہتمام نامور بینڈ Akcent and J The Band کے ساتھ میوزکل نائٹ کا انعقاد۔

عوام اور حکومت پنجاب کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی کی حمایت میں افواج پاکستان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔

دعوت نامے ویمن ڈویلپمنٹ پنجاب کے دفتر سے حاصل کریں۔''

ان اشتہارات پر غریب مسلمانوں سے زبردستی حاصل کیے گئے ظالمانہ ٹیکسوں کے لاکھوں روپے خرچ کیے گئے اور اس گناہوں کی محفل پر ہونے والا کروڑوں کا خرچ بھی۔ یہ تقریب گورنر ہاوس پنجاب میں ہونا طے پائی تھی مگر اسلامیان پاکستان کی شدید تر تنقید کے بعد اسے منسوخ کرنے کا اعلان کیا گیا۔ مگر عین یہی پروگرام طے شدہ وقت اور تاریخ کے مطابق گورنر ہاوس کے بجائے الحمرا ہال میں منعقد کیا گیا۔

ہم شیطان اور اسکے چیلوں کے کرتوتوں سے بری ہیں اور اس کے مقابل اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

پاکستان نے اقوامِ متحدہ کے اجلاس میں مشرقی ترکستان پر غاصب چین کے مظالم کو درست قرار دے دیا

مشرقی ترکستان پر چین کے غاصبانہ قبضے اور ناقابلِ بیان اندوہناک مظالم کے خلاف دنیا بھر میں ترکستان کے ایغور اور ترک مسلمانوں کی تحریک جاری ہے۔ اس آگاہی مہم کے ایک نتیجے کے طور پر اقوام متحدہ میں برطانوی مندوب نے مشرقی ترکستان میں ظلم و سربریت کا منبع اور مسلمانوں کو زبردستی مرتد کرنے والے 'حراستی مراکز' کے خلاف قرارداد پیش کی۔ جس کا چین نے رد کیا اور قرارداد پر ووٹنگ ہوئی جس میں پاکستان سمیت کئی مسلمان ممالک پر مسلط حکمرانوں کے نمائندوں نے چین کی حمایت کی۔ حمایت کرنے والوں نے کہا کہ انتہاپسندی کے سدِباب کے لیے یہ حراستی مراکز چین کا ایک قابلِ تحسین اقدام ہے۔

یہاں چین کی حمایت کرنے والے ممالک میں پاکستان، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مصر، بحرین، الجیریا، کویت، نائجیریا، عمان، قطر، صومالیہ، سوڈان، تاجکستان اور ترکمانستان شامل ہیں۔

محسن امت شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کا فرمان ہے ''امت مسلمہ پر مسلط حکمرانوں کی دو اقسام ہیں، ایک گمراہ اور دوسری گمراہ ترین''۔

یہاں قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ امریکہ اور بھارت جو اپنے مالی اور اقتصادی مفادات کے سبب چین کی دشمنی کا دم بھرتے ہیں انہوں نے بھی یہاں چین کی مخالفت سے گریز کیا۔ یہ واقعہ اسلام دشمنی میں عالمِ کفر کے یکجا ہونے کی دلیل ہے اور ان معصوم اہل ایمان کے لیے دعوتِ فکر بھی جو آزادی و نجات کے لیے آزاد جہاد کے نبوی منہج کو اپنانے کے بجائے، ایک ظالم نظام کے مدِمقابل دوسرے ظالم نظام سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

ملتان میں نجی کالج کے طلبا کا اپنے استاد پر تشدد

سماجی رابطوں پر مشہور ہوئی ایک مختصر ویڈیو میں چند لڑکوں کو ایک شخص پر لاٹھیاں برساتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ تفصیل کے مطابق یہ کالج کے طلبا ہیں جو اپنے استاد کی ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کا بدلہ اسے سرِعام یوں پیٹ کر لے رہے ہیں۔ جبکہ استاد پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں تمہارا پروفیسر ہوں، ایسے مت کرو۔ علماء و مجاہدین، عصری تعلیم اور قیمتی فنون کے تعلیم و تعلم کو اہل اسلام کے لیے انتہائی ضروری اور اہم سمجھتے ہیں مگر ان دونوں طبقات کی طرف عین مغرب سے اخذ شدہ اس جاہلانہ ''نظام تعلیم'' کا رد ہمیشہ سے ہی کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں مروج اس نظام تعلیم سے ہمارا بچہ کیونکر اپنا ایمان بچا کر نکل سکتا ہے جب کہ نویں جماعت سے لے کر اختتام تعلیم تک، دن میں 8 میں سے 6 استاد یا پروفیسر دین بیزاری کا سبق دیتے ہوں۔ اکثر و بیشتر اسلامیات پڑھانے والے استاد تک الحاد کے پروردہ ہوتے ہیں۔ اگر 'اسلام پسند' ہوں بھی تو ان کی اکثریت غامدی و پرویزی مذہب کی پیروکار ہوتی ہے۔ یا خود اپنے ہی تیار کردہ کسی نظریۂ اسلام پر کاربند ہوتی ہے۔

محض اسلام بیزاری نہیں بلکہ اس نظامِ تعلیم کے یہ سہارے جان بوجھ کر طلبا کا اخلاق بگاڑنے کی مہم کا بھی پیہم حصہ ہیں۔ اکثر و بیشتر طلبا کو واہیات قسم کے لیکچر دینا، اس قسم کا مواد فراہم کرنا، (جنسی بے راہ روی کی ترویج کرتا غیر اخلاقی مواد تو آج سرکاری اداروں کے سالانہ میگزینوں میں بکثرت مہیا کیا جاتا ہے) کلچرل اور دیگر سرگرمیوں کے نام پر انہیں ان غیر اخلاقی امور میں ملوث کرنا۔ دل سے خدا کا ڈر، دین کی محبت اور شعائر کی حرمت کھرچ کھرچ کر نکالنا۔ یہ سب

تحریک ہماری آنکھوں کے سامنے آج بامِ عروج پر ہے۔ ہمارے اعلیٰ تعلیمی ادارے جس طرح الحاد کدے بن چکے اس منظر کا انکاری کوئی نہایت سادہ لوح شخص ہی ہو گا۔ ایسا معاشرہ جس میں خوفِ خدا نہ ہو وہاں بزرگوں اور بڑوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ہوتا ہے۔ وہاں بوڑھے والدین سرکاری کباڑ خانوں کی نظر ہوتے ہیں، سرعام عزتیں نوچی جاتی ہیں، گالم گلوچ اور بے حیائی کے افعال عام ہوتے ہیں۔ صرف ہماری ہی نہیں بلکہ ہماری آنے والی نسلوں کی خیر بھی اسی میں ہے کہ خود کو مبارک اسلامی نظام کے سپرد کر دیا جائے۔ یا شریعت کے نفاذ کی کوششوں سے کم از کم اپنی عاقبت تو سنوار ہی لی جائے۔ وگرنہ ہم پر مسلط اس کفریہ نظام کے سبب مہنگائی، بدعنوانی، غربت، ظلم و تشدد، اخلاقی انارکی و گراوٹ تو ہمارے سامنے ہے ہی اور شریعت سے فیصلے نہ کرنے پر کافر، ظالم اور فاسق ہونے کے قرآنی فتوے بھی۔ اور یہ کیا ہی خسارہ ہے دو جہانوں کا۔

جنرل قمر جاوید باجوہ کو 6 ماہ کی مزید توسیع دے دی گئی

یہ خبر پاکستان کے سب بڑے کاروباری ادارے یعنی پاک فوج میں چل رہی ہے۔ یہ اندرون خانہ جاری سرد جنگ کا ایک بیرونی نظارہ ہے۔ جب سے باجوہ کی ملازمت میں توسیع کی فقط بات ہی چلی ہے، پاکستانی فوج کے افسران کے درمیان ایک شدید ترین کھینچا تانی جاری ہے۔ اسی اندرونی لڑائی میں ان تاجروں کے بہت سے مزید کارنامے واضح ہو رہے ہیں۔ اس کی توسیع میں ایک رکاوٹ کے طور پر پشاور ہائیکورٹ میں ایک سابق فوجی افسر میجر خالد شاہ نے رٹ دائر کی کہ باجوہ کو پاکستانی فوج کا سربراہ رہنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ ایک قادیانی ہے اس معاملے کی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ راولپنڈی کا بڑا پراپرٹی ٹائیکون اور سابق فوجی افسر میجر جنرل اعجاز احمد، قمر باجوہ کا سسر ہے۔ میجر جنرل اعجاز احمد بذات خود ایک مشہور قادیانی شخصیت ہے۔ اور یہ مشہور قادیانی جنرل افتخار جنجوعہ کا بھائی ہے۔ اور ان دونوں کے نام پاکستان کے قادیانی فوجی افسران میں سرفہرست ہیں اور یہ نام قادیانی مشنریوں کی ویب سائٹس پر بھی موجود ہیں۔ فوج میں جاری اس چپقلش کی اندرونی خبریں تب بھی باہر آنے لگیں جب اسلام آباد کے حالیہ آزادی مارچ سے قبل فوجی بغاوت کے خطرے کو بھانپتے ہوئے باجوہ نے اپنے ماتحت 6 سینئر افسروں کو ہاؤس اریسٹ (نظر بند) کر دیا۔ اور ابھی سپریم کورٹ میں جنرل باجوہ کی توسیع کے فیصلے کو آئی ایس آئی سربراہ لیفٹیننٹ جنرل فیض اور باجوہ کی باہمی چپقلش کہا جا رہا ہے۔

باجوہ کے خلاف یہ پٹیشن دائر کرنے والا حنیف راہی ایڈووکیٹ آئی ایس آئی کا بدنام زمانہ بلیک میلر ہے۔ یہ خود بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ آئی ایس آئی کے کہنے پر مختلف افراد و اداروں کے خلاف سپریم کورٹ میں مدعی کے طور پر مقدمے دائر کرتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر مدعا علیہ سے آئی ایس آئی کا معاملہ درست ہونے پر مقدمات واپس لے لیتا ہے۔

تو یہ ہے دودھ، گھی سے لے کر کھادیں تک بنانے والی، سڑکوں اور پلوں سے لے کر سائیکل سٹینڈ تک کے ٹھیکے لینے والے بینکوں اور ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی مالک ''پاک فوج'' جو پیسے کمانے کے لیے 6 ماہ کا بچہ بھی امریکیوں کے ہاتھ فروخت کرنے سے نہیں کتراتی (اس بات کا اقرار ملعون مشرف نے خود اپنی کتاب میں کیا ہے)۔ مگر اپنے ملک آکر بم دھماکے کرنے اور ان کا اعتراف بھی کرنے والے بھارتی جاسوس سربجیت سنگھ اور بمباری کرنے بھارتی پائلٹ ابھینندن کو باعزت رہا کر دیتی ہے۔ تو کیسے کوئی مسلمان دین و ملت کے خائن اور آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ان بزدل تاجروں سے ملک و قوم کے دفاع کی امید رکھ سکتا ہے۔

بھارت میں این آر سی کے خوف سے بنگلہ دیش ہجرت کرنے والے سینکڑوں مسلمان گرفتار

بنگلہ دیشی اخبار ڈھاکہ ٹریبون کے مطابق بنگلہ دیش کے سرحدی حفاظتی دستوں نے اب تک تقریباً 329 ایسے افراد کو گرفتار کیا ہے جو این آر سی قانون کی وجہ سے گرفتاری اور ہندو انتہا پسندوں کی جانب سے عصمت دری اور قتل کی دھمکیوں کے ڈر سے بنگلہ دیش ہجرت کر کے آئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر افراد کا تعلق بنگلور سے ہے۔ گرفتار شدہ 200 کے لگ بھگ افراد کے ایک گروہ کی تفصیل میں کہا گیا ہے کہ ان میں 67 بچے، 69 مرد اور 78 خواتین شامل ہیں۔ بی جے پی کی موجودہ حکومت کے وزیر داخلہ امت شاہ نے اپنی پارٹی کی روایتی اسلام دشمن پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے سختی سے اس قانون کو لاگو کیا ہے۔ اس قانون کے مطابق مختلف وجوہات کی بنا پر برصغیر کے مختلف حصوں سے دہائیوں پہلے ہندوستان میں ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو ملک سے بے دخل کیا جائے گا۔ ان میں بنگالی، برمی اور بہاری مسلمان شامل ہیں۔ بنگالی مسلمانوں کی اکثریت 1971 میں پاکستانی فوج کے مظالم سے اور بہاری مسلمان مکتی باہنی کے مظالم سے بچنے کے لیے بنگلہ دیش سے آسام ہجرت کر کے آئے تھے اور پھر ملک کے مختلف حصوں میں مقیم ہوئے، اسی طرح برما میں خونخوار بدھوں کے ماضی قریب کے مظالم سے تنگ آکر بنگال و ہند میں ہجرت کرنے والے مسلمانوں پر ویسے ہی ہر جگہ اللہ کی وسیع زمین کو تنگ کر دیا گیا ہے۔ اس قانون کے تحت زیر عتاب آنے والے برمی مسلمان 1962 سے 2002 تک ہونے والے 13 مختلف قتل عام کے نتیجے میں وقتاً فوقتاً ہندوستان ہجرت کرتے رہے۔ ان مہاجرین کی اکثریت ہندوستان کی قانونی شہری ہے اور یہ رجسٹرڈ ووٹرز بھی ہیں مگر اب انہیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ ان کے آبا بھی موجودہ ہندوستانی جغرافیے سے ہی تعلق رکھتے تھے وگرنہ یہ بے وطن ہو جائیں گے۔ اس قانون کا سب بڑا مقصد ہندوستان کی مسلمان آبادی کو کم کرنا اور ان کے معیارِ زندگی کو مزید گرانا ہے۔ اس لاگو قانون کا پہلا بڑا نشانہ بنگلور کے بنگالی مسلمان بنے جس میں بنگلور کے ہائی کمشنر بھاسکر راؤ نے شہر میں موجود بنگالی مہاجرین کو ڈھونڈنے اور پکڑنے کا اعلان کیا، اور تمام شہر میں بنگالی مسلمانوں کو ملازمت یا رہائش دینے والوں کے خلاف بھی کریک ڈاؤن کا اعلان کیا تھا۔ اس کے سبب دو مہاجر کیمپوں پر چھاپہ مار کر تقریباً 60 مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ جبکہ بی جے پی کی حکومت میں دہشت گرد ہندو گروہ تو تقریباً ہر جگہ ہی مسلمانوں کو ہراساں کر رہے ہیں۔ اسی بنگلور سے بھاگ کر مسلمان، بنگلہ دیش

پہنچے، جہاں 300 سے زائد خواتین، بچوں اور مردوں کو ہندو نواز بنگالی فوج نے گرفتار کر لیا ہے۔ تمام دنیا میں اہل اسلام پر چھائی اس مظلومیت اور کسمپرسی کا سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے اور کوئی حل ہو تو اہلِ عقل، مجاہدین کو بھی مطلع فرمائیں۔

امید ہے کہ قطر شامی مہاجرین کی وطن واپسی میں ہماری مدد کرے گا: طیب اردگان

ترکی کی جمہوری حکومت کے سربراہ طیب اردگان نے پچھلے دنوں قطر کا دورہ کیا جہاں اس نے شامی مہاجرین کی وطن واپسی پر قطر سے مدد مانگی۔ حالانکہ ان شامی مہاجرین کی کفالت کا ذمہ ترک مسلمانوں اور عالمِ اسلام کی مخیر تنظیموں نے اٹھا رکھا ہے۔ مگر جمہوریت کا پروردہ اور اسرائیل و نیٹو کا یہ حلیف اس کو بھی گوارا نہیں کر پا رہا۔ پچھلے ایک عرصے سے اردگان حکومت نے شامی مہاجرین کو محض یورپ کو بلیک میل کرنے کے لیے رکھا تھا مگر اب اس کا ان مہاجرین کو واپس شام بھیجنے پر اصرار بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس کے لیے عالمی طاغوتی قوتوں کے ساتھ مل کر ترک حکومت ایک ''مجاہدین فری'' سیف زون بنانا چاہتی ہے، جہاں ترکی کی پراکسی حکومت بھی ہو اور اس کا مالی بوجھ بھی ترکی کے کاندھے پر نہ ہو۔ ادلب پر جاری روسی، ایرانی اور بشاری اتحاد کا حالیہ سخت ترین آپریشن اردگان، روحانی اور پیوٹن کی سابقہ ملاقات کے منصوبے ہی کی ایک کڑی معلوم پڑتا ہے۔

اردگان ابتدائی منصوبے کے تحت 30 لاکھ مہاجرین کو واپس جنوبی شام میں بھیجنا چاہتا ہے۔ آج جبکہ کبینہ اور ادلب کے محاذ پر روسی و ایرانی خطرناک پیش قدمی کر چکے ہیں تو ترک پراکسی شامی گروہ ترک فوج کی ایما پر کردوں کے خلاف 'چشمہ امن' نامی جنگ میں مصروف ہیں۔ اور کردوں سے چھینے گئے علاقوں میں ترکی کے وزیر خارجہ کے مطابق اب تک 30 ہزار شامی مہاجرین کو واپس بھیجا جا چکا ہے۔

جرابلس اور الباب (یہاں ترک فوج بھی موجود ہے اور اعلیٰ ترک افسران کے مسلسل دورے بھی ہوتے ہیں) میں یہ ترک نواز گروہ اللہ کی شریعت کا نفاذ نہیں کرتے بلکہ سیکولر ترک قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ ان گروہوں کے قبضے اور ظالمانہ نظام کو ہم پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ یہاں ان گروہوں کے تحت فحاشی[57] و منشیات پروان چڑھائی گئیں ہیں۔ مسلمان عوام کی جانب سے اکثر و بیشتر ایسی ویڈیوز سوشل میڈیا پر شیئر کی جاتی ہیں جن میں ترک نواز جنگجوؤں کو سرِعام شراب پیتے، نشہ کرتے اور نشے میں شہریوں کو پریشان کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر یہ جنگ زدہ علاقے جہاں ترکی مہاجر شامی مسلمانوں کو پے در پے منتقل کر رہا ہے آئے روز کردوں کے بم دھماکوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ اور نامعلوم کب یہ ملحد کرد دوبارہ ان علاقوں پر قابض ہو جائیں تو ایسے میں ان مسلمانوں کی حالت مزید تشویشناک ہو گی۔ صرف یہ ہی نہیں روس جو ان دنوں ترکی کا قریبی دوست ہے (اور ترکی نے تمام تر یورپ کی مخالفت مول لے کر روس سے ایس 400 میزائیل سسٹم خریدا ہے) نے پچھلے دنوں الباب میں مسلمانوں کے ایک بڑے آئل ڈپو کو بھی فضائی بمباری سے تباہ کیا ہے۔ ترکی کی اسلام دشمنی ترکی اور شام سے باہر بھی پیہم جاری ہے۔ لیبیا کے طاغوت ہفتار سے ترکی نے جدید عسکری معاہدہ کیا ہے جس میں ہفتار کی فوج کو لیبیائی مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے مزید مضبوط کیا جائے گا۔ اسی طرح صومالیہ کے مسلمانوں کی معاشی ناکہ بندی کے لیے قائم کیے ترکی سے باہر ترکی کے سب سے بڑے فوجی اڈے نے مجاہدینِ صومال سے براہ راست جنگ شروع کر دی ہے جس کے انجام کے طور پر ایک کارروائی میں ترکی کے تربیت یافتہ کئی فوجی مارے بھی گئے ہیں۔ ترک حکومت کی اسلام دشمنی براہِ راست ہمارے سروں پر بھی آن پہنچی ہے جیسا کہ ترک کمپنی TAIS نے ہندوستان کے ساتھ 2.3 بلین ڈالر کا معاہدہ کیا ہے جس کے تحت یہ کمپنی ہندوستانی بحریہ کو جنگی فریگیٹ تیار کر کے دے گی۔ اللہ تعالیٰ تمام کفار اور ان کے حواریوں کو، اسلام کے جملہ دشمنوں کو مجاہدین کے ہاتھوں نشانِ عبرت بنا دیں اور اہل ایمان کے سینوں کو راحت بخشیں، آمین۔

آپ کے سوالات

ادارہ 'نوائے افغان جہاد'، 'آپ کے سوالات...' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں قارئین ادارہ 'نوائے افغان جہاد' سے سوالات پوچھ سکیں گے جن کے جوابات، ماہانہ شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

اپنے سوالات درجِ ذیل برقی پتے (email) پر ہمیں بھیجیے:

aapkaysawalat@nawaiafghan.com

'نوائے افغان جہاد' کی ویب سائٹ

الحمد للہ، مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کے تمام شمارے (اگست ۲۰۰۸ء تا شمارۂ ہٰذا) اور ادارہ 'نوائے افغان جہاد' کے تحت شائع ہونے والی تمام کتب و کتابچے...... اب 'نوائے افغان جہاد' کی ویب سائٹ پر بسہولت پڑھے جا سکتے ہیں اور ڈاؤن لوڈ بھی کیے جا سکتے ہیں۔

پتہ / ایڈریس ہے:

www.nawaiafghan.com

[57] ان گروہوں کی فحش ویڈیوز کرد ذرائع ابلاغ لیک بھی کر چکے ہیں۔

گستاخ امریکہ

[شیخ احسن عزیز شہید رحمہ اللہ]

امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم
اِس کے فتنوں سے امت کی جان چھڑائیں ہم

سب سے بڑا جو دشمن اس سے سب سے پہلے جنگ
پوری ملتِ ایماں جس کے کرتوتوں سے تنگ
غزّہ تا کابل جب ایک ہے پانی خون کا رنگ
طاغوتِ اکبر سے لڑنے میں ہوں ہم آہنگ

سارے جھگڑے چھوڑ کے پہلے یہ نمٹائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

آج صلیبی فوج کا سر غنّہ ہے امریکہ
دُوجوں کو لڑوائے، اپنا بال نہ ہو بیکا
ہے تاریخ کے ماتھے پہ یہ کلنک کا ایک ٹیکہ
جان و مال لگا کر اس کا مزہ کریں پھیکا

پوری شدّت سے، مل کر اس سے ٹکرائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

کل افغانستان بنا تھا روس کا قبرستان
آج امریکہ، یورپ بارے بھی ہے یہ اعلان
چھوڑو خوف اور ڈر کی باتیں، اے اہلِ ایمان
اپنی باری آنے سے پہلے روکو طوفان

مسلم ہیں تو کافر سے پھر کیوں گھبرائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

اسرائیل کا آج تلک ہے کون بھلا رکھوالا
انگریزوں کی اس اولاد کو امریکہ نے پالا
ان کی صف میں جو ہے وہ دوزخ میں جانے والا
ملّت کے غدّاروں کا ہے تن، من، دھن سب کالا

تفریقِ حقّ و باطل سب کو سمجھائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

یورپ بھی ہے امریکہ کا ایک چہیتا چیلا
قصرِ خلافت اِن رُومی نسلوں نے مل کر ٹھیلا
لے جائے گا اِن کو بہا کے ایماں کا یہ ریلا
جس نے ان کو مارا گویا لُوٹا اس نے میلہ

جائیں جہنم میں کافر، جنّت میں جائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

فیصلہ ہے قرآں کا یہ ایمان کے ہیں دشمن
کلمہ گو ہے جو بھی اُس کی جان کے ہیں دشمن
صیہونی پٹھو میرے قرآن کے ہیں دشمن
اللہ کے محبوب نبیؐ کی شان کے ہیں دشمن

جانِ رحمتؐ کی حُرمت پہ سر کٹوائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

جاگیں خود اور کُل امت کو ساتھ ملائیں ہم
کچلیں اُن کی توپیں، اُن کے ٹینک اُڑائیں ہم
گستاخوں کی لاشیں اُن کے گھر پہنچائیں ہم
ہر مسلم خطے سے اُن کو مار بھگائیں ہم

عالَم میں اسلام کا پھر پرچم لہرائیں ہم
امریکہ کے ایوانوں میں آگ لگائیں ہم

اے مسلمانانِ عالم!

’’ہم آپ کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد دلاتے ہیں کہ ’ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے عزت دی، اب اگر ہم نے اس کے علاوہ کسی شے میں عزت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دیں گے‘۔ چنانچہ امت کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے لازم ہے کہ ہم احکامِ الٰہی پر کاربند ہوں، دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی نصرت کریں، اور ظالموں اور سرکشوں کے خلاف جاری جہادی تحریک کا حصہ بنتے ہوئے خود کو فہم و فراست اور حکمت کے زیور سے مزیّن کریں۔‘‘

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ